مجالس خطیب اعظم

(۳)

بانی تنظیم خطیب اعظم
مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

ناشر
تنظیم المکاتب
گولہ گنج۔ لکھنؤ

سلسلۂ آثار خطیبِ اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

مجالسِ خطیبِ اعظم

(۳)

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

نیکی کا راستہ

مجموعۂ تقاریر

بانیِ تنظیم خطیبِ اعظمؒ

مولانا سید غلام عسکری صاحب طاب ثراہ

ناشر

تنظیم المکاتب، گولہ گنج۔ لکھنؤ ۱۸
یوپی۔ (ہندوستان)

فون: ۲۲۱۵۱۱۵
فیکس: ۲۲۲۸۹۲۳

نام کتاب :— مجالس خطیبِ اعظمؒ (حصہ سوم)

نیکی کا راستہ

تقاریر :— بانیٔ تنظیم خطیبِ اعظم مولانا سید غلام عسکری صاحب طاب ثراہ

کتابت :— حسن اختر

سنہ طباعت : جنوری ۲۰۰۴ء

تعداد :— ایک ہزار

ناشر :— تنظیم المکاتب، گولہ گنج۔ لکھنؤ

—— ھدیہ ——

منجانب : یوسف حسین صاحب۔ لندن

برائے ترحیم :

○ جناب سید مناظر الحق صاحب مرحوم ○ جناب مرزا مصطفٰے حسین صاحب مرحوم

○ جناب مبارک حسن صاحب مرحوم ○ بی بی سلطنت بیگم صاحبہ مرحومہ

○ جناب مرزا محمد حسین صاحب مرحوم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ تنظیم

بانیٔ تنظیم المکاتب خطیبِ اعظم مولانا سید غلام عسکری اعلی اللہ مقامہ کا ایک اور عشرۂ مجالس کتابی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ غالباً خوجہ مسجد ممبئی میں یہ مجلسیں پڑھی گئی تھیں۔

ادارہ کی کوشش ہے کہ خطیب اعظم کی مجالس کے کیسٹ جہاں کہیں سے فراہم ہوں انھیں آہستہ آہستہ کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ گذشتہ صدی کے اس مصلح کے خیالات وافکار نئی نسلوں تک منتقل ہوتے رہیں۔ کہ ان کی تقریریں آج بھی تروتازہ ہیں اور کل کی طرح آج کے معاشرہ کی ضرورت ہیں بلکہ مادیت کے اس سیلاب میں آج ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ مجالس خود احتسابی اور خود سازی کا بہترین وسیلہ ہیں۔

"تعاونوا علی البرِّ والتقویٰ" کے عنوان کے تحت ان تقاریر میں اصلاح معاشرہ سے متعلق وہ اہم نکات، نظریات اور ہدایات ہیں کہ اگر ان نکات پر توجہ دی جائے اور ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو گھرانے اور سماج سب کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

امید ہے کہ عصرِ حاضر کے ہونہار خطباء اپنے بزرگوں کے آثار سے استفادہ کر کے نسلِ نو کی صیانت و حفاظت کا فریضہ انجام دیں گے۔
تاکہ امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کے لئے اعوان و انصار میں اضافہ ہو سکے۔

حوزۂ علمیۂ قم میں زیرِ تعلیم جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب کے ان ہونہار افاضل کے لئے دعائے خیر کا طالب ہوں جنھوں نے ان مجالس کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے قابلِ اشاعت بنایا۔ اللہ انھیں علم و تقویٰ اور خلوص و توکّل کی دولت سے مالا مال کرے۔

والسّلام

سیّد صفی حیدر

۱۱ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۴ھ

مجلس

١

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ اللَّعِینِ الرَّجِیم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ٥

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالعَاقِبَۃُ لِلمُتَّقِینَ وَالجَنَّۃُ لِلمُوَحِّدِینَ وَالنَّارُ لِلمُلحِدِینَ ٥ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الاَنبِیَآءِ وَالمُرسَلِینَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبِی القَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاهِرِینَ المَعصُومِینَ وَاللَّعنَۃُ الدَّآئِمَۃُ عَلٰی قَاتِلِیهِم وَغَاصِبِی حُقُوقِهِم وَاَعدَآئِهِم اِلٰی یَومِ الدِّینِ ٥ اَمَّا بَعدُ فَقَد قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَهُوَ اَصدَقُ القَآئِلِینَ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ٥

تَعَاوَنُوا عَلَی البِرِّ وَالتَّقوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الاِثمِ وَالعُدوَانِ ٥

صلوات

میں نے آپ کے سامنے ابھی قرآن مجید کا جو فقرہ پڑھا ہے اس میں پروردگارِ عالم نے ہم سے، آپ سے سب سے یہ کہا ہے کہ ایک دوسرے کا ساتھ دو، ایک دوسرے کی مدد کرو، مگر دو باتوں سے ۔۔ نیکی میں اور تقویٰ اور پرہیزگاری میں۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ ہرگز ایک دوسرے کا ساتھ نہ دو گناہ میں اور سرکشی و نافرمانی میں۔

میں جو باتیں بھی آپ کے سامنے کہنے والا ہوں ان کے شروع کرنے سے پہلے سب سے پہلی بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دُنیا میں ہر آدمی یہ فطرت اور نیچر اور طبیعت لے کے پیدا ہوا ہے کہ وہ اکیلا نہیں رہنا چاہتا۔ انسان تنہا اگر ہو، اگر اکیلا ہو تو وہ اس کے لیے ہزار مصیبتوں کے برابر ایک مصیبت ہوگی۔ میں اپنی اس بات کو سمجھانے کے لیے اپنے بچّوں سے یہ کہوں گا کہ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ جب کسی مجرم کو عدالت سے سزا ہوتی ہے اور سزا سخت دی جاتی ہے تو اس سزا میں لکھا جاتا ہے کہ اس کو قیدِ تنہائی دی جائے — یعنی یہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ نہیں رہے بلکہ الگ کوٹھری میں بند کر دیا جائے — تو اگر آدمی کے لیے اکیلا رہنا مصیبت نہ ہوتا تو سزا میں قیدِ تنہائی نہ ہوتی۔

دوسری بات جو ہمارا ہر مذہبی بچّہ بھی جانتا ہے کہ جناب آدمؑ جنّت میں تھے، یہ وہ جنّت نہیں ہے جو مومنین کو مرنے کے بعد نیک اعمال کی جزا میں ملے گی۔ یہ وہ جنّت ہے جو جناب آدمؑ کے رہنے کے لیے اللہ نے بنائی تھی۔ ظاہر ہے کہ جنّت جنّت ہے وہاں سب کچھ تھا، مگر اس پوری جنّت میں جناب آدمؑ اکیلے تھے جناب آدمؑ نے کہا:- پالنے والے! یہ جنّت تو جنّت ہے مگر اس میں کوئی مزہ نہیں ہے اس لیے کہ ہم اکیلے ہیں — تو اللہ نے جناب آدم کی تنہائی اور اکیلے پن کو دُور کرنے کے لیے جناب حوّا کو پیدا کیا۔

اگر ان دو باتوں کو آپ یاد رکھیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اکیلا نہیں رہنا چاہتا ہے، کسی نہ کسی کا ساتھی بننا چاہتا ہے۔ اور بات یہاں پر آ گئی ہے کہ جناب آدم کے دل کی تسکین کے لیے کہ وہ اکیلے میں جو اُلجھن محسوس کر رہے تھے وہ الجھن محسوس نہ کریں، اس مقصد کے لیے جناب حوّا پیدا ہوئیں — تو میں ایک جملہ

کہنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے چاہوں گا کہ سب اس بات پر غور کریں کہ آدمؑ گھبرائے تھے، الجھ رہے تھے۔ ان کی الجھن اور گھبراہٹ دُور کرنے کے لیے جنابِ حوّا پیدا ہوئیں ــــ یعنی اس دُنیا میں پہلی عورت اس لیے پیدا ہوئی کہ وہ مددگار بنے کہ گھبرایا ہوا مرد اپنی گھبراہٹ دُور کر دے۔ اگر اس کے دماغ میں الجھنیں ہوں تو وہ الجھنیں دُور ہو جائیں ــــ تو اگر دُنیا میں پیدا ہونے والی پہلی عورت یعنی جناب حوّا، جناب آدمؑ کی پریشانی دُور کرنے کے لیے پیدا ہوئی تھیں تو میں یہ کہنا چاہوں گا اور آپ بھی اس بات کو مانیں گے کہ آج جناب حوّا کی بیٹی وہی عورت ہے جو اپنے گھر میں ایسی زندگی بسر کرے کہ اس کے گھر کی الجھنیں اس کی وجہ سے مِٹ جائیں۔ (صلوات)

اور اگر ہماری سوسائٹی، ہمارا سماج اور معاشرہ ایسے راستے پر چلا جائے کہ ہمارے گھروں کی عورتیں مردوں کے لیے روز نئے نئے مسائل کھڑے کریں اور نئی نئی الجھنیں پیدا کریں ــــ اگر یہ ہو جائے کہ عورت جو پریشانی دُور کرنے کے لیے پیدا ہوئی تھی وہ اگر پریشانی پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی عورت جناب حوّا کی بیٹی نہیں ہے، ان کے راستے پر نہیں ہے ــــ اور یقیناً ہمارے گھروں میں زندگی اسی حساب سے بسر ہونا چاہیے۔ مرد فیکٹری میں جائے گا، دفتر میں جائے گا، مارکٹ میں جائے گا، بزنس میں جائے گا، سروس میں جائے گا، وہاں سے دس الجھنیں لے کر آئے گا، کچھ پریشانی لے کر آئے گا۔ تو آنے والے کو گھر میں آنے کے بعد سکون ملنا چاہیے، اطمینان ملنا چاہیے ــــ یہ ہے زندگی کی وہ بنیاد جو جناب حوّا کو پیدا کر کے اللہ نے ہمارے سامنے رکھی ہے۔ صلوات

ایک غلط بات مشہور ہوگئی ہے، وہ یہ کہ جب اللہ نے جناب حوّا کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو جناب آدمؑ سو رہے تھے۔ ایک مَلک گیا اور اس نے چپکے سے آپریشن کر کے ان کی ایک پسلی نکال لی اور اس پسلی سے جناب حوّا پیدا کی گئیں، مسلمانوں کی بہت سی کتابوں میں یہ روایت لکھی ہوئی ہے۔ مگر یہ ایسی روایتیں اس لیے آگئیں کہ لوگوں نے اسلام آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے دروازے سے نہیں حاصل کیا۔ حضور سرورِ کائنات حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی کہا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب ہے، ایک میرے اہلِ بیتؑ ہیں ـــ اگر دُنیا نے قرآن کے ساتھ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دین حاصل کیا ہوتا تو ایسی کتابوں میں ایسی غلط روایتیں نہیں آتیں۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: یہ بتاؤ تم لوگوں میں عوام میں کیا مشہور ہے جناب حوّا کیسے پیدا ہوئیں؟

آپ کے صحابی نے کہا: فرزندِ رسولؐ! مسلمانوں میں تو یہی مشہور ہے کہ پسلی نکالی گئی اس سے جناب حوّا پیدا ہوئیں، اور یہ بات اتنی مشہور ہے کہ اس کے ثبوت میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ آدمی کی پسلیاں گنو، ایک طرف ایک زیادہ نکلے گی، اور ایک طرف ایک کم نکلے گی ـــ اور یہ وہی پسلی ہے جو جناب حوّا کے لئے اللہ نے جنابِ آدمؑ سے نکلوالی تھی۔

تو جب امامؑ کے سامنے بات آئی تو امامؑ نے کہا کہ اس بات کے سوچنے والوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جو مٹی سے جناب آدم کو پیدا کر سکتا ہے اور جو کچھ نہیں تھا اسی سے اس نے ساری دنیا پیدا کر دی، وہ خدا حوّا کے پیدا کرنے میں اتنا کمزور ہو گیا کہ جب تک آدم کا ایک حصہ، ایک جزء الگ نہ کر لیا جائے تب تک وہ حوا کو پیدا نہ کر سکے

مالک آپ ہیں، امام آپ ہیں، محافظ آپ ہیں، تو اگر ہم پر کوئی بلا آنے والی ہے تو ہم میں صلاحیت تو بچانے کی نہیں ہے لہٰذا ہم اپنے کو آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ اور پھر مطمئن ہو کر سو جائیں۔

صلوات

تو بات میں بات نکل آئی۔ ورنہ میں جس پوائنٹ کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ جب بچے سوتے سوتے کہانیاں سنیں گے جس میں بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ذکر ہوگا، مولا علی علیہ السلام کا ذکر ہوگا، جناب عباس علیہ السلام کا ذکر ہوگا تو سوتا ہوا بچہ اس کا ذہن جب تک سوتے میں بھی جاگتا رہے گا تو فاطمہؑ ہی کو دیکھے گا، فاطمہؑ ہی کو سوچے گا، علیؑ کے تذکرے ہی کو سوچے گا۔

بس یہیں پر مجھے یہ بھی کہنے کا موقع ہے کہ اگر آپ نے ٹی۔ وی کھول دیا ہے ٹی، وی دیکھتا ہوا بچہ سویا ہے تو وہ سونے میں بھی ٹی۔ وی ہی دیکھتا رہے گا۔

بات میں راستہ نکالنا ہی تو میرا کام ہے اور ہمیں اس کے علاوہ آتا ہی کیا ہے ۔۔ ہماری ساری ذاکری کا ماحصل یہی ہے کہ بات میں سے بات پیدا کرلینا۔ تو اب میں آپ کی خدمت میں اپنے بیان کو اس مرحلہ پر لانا چاہتا ہوں کہ اگر عورت ماں ہو کے، بہن ہو کے، بیوی ہو کے، خالہ ہو کے، پھوپھی ہو کے، نانی اور دادی ہو کے زندگیوں پر اثر ڈالتی ہے تو اگر یہ عورت دین سے متاثر ہو جائے تو بچپنا بھی دیندار بن جائے گا، جوانی بھی دین دار بن جائے گی۔

اب مرحلہ سامنے یہ آیا کہ عورت کو دین دار کیسے بنایا جائے؟ مسئلہ جو مشکل ہوتا ہے وہ یہی ہوتا ہے۔ وہ پرانا قصہ جو لطیفہ کے طور پر مشہور ہے وہ آپ نے سنا ہی ہوگا کہ بلی چوہے پکڑ لیا کرتی تھی تو چوہوں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ آل چوہا کانفرنس!

اور یہ طے ہوا کہ بلّی کے گلے میں ایک گھنٹی باندھ دی جائے، جب وہ چلے گی ہمیں پتہ چل جائے گا ہم بچ جائیں گے تو ایک چوہے نے پوچھا: وہ کون ہے جو گھنٹی باندھے گا ـــــ؟

تو میرا بیان اب اسی مرحلہ میں پھنسا ہے کہ میں یہاں تک تو سمجھا لایا کہ عورت ماں ہو کے اثر ڈالے گی، بیوی ہو کر اثر ڈالے گی، بہن ہو کر اثر ڈالے گی، پھوپھی ہو کر اثر ڈالے گی اور نانی ہو کے اثر ڈالے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس عورت کو دیندار کیسے بنایا جائے ـــ؟ یعنی وہ کون سورما ہے جو بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا۔ اس لیے کہ یہ تو وہ مشکل جگہ ہے جہاں مولوی صاحب بھی پیچھے ہٹتے نظر آئیں گے۔

تو میں آپ کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ مسئلہ بڑا مشکل ہے اور میں اس مشکل کی وجہ بتاؤں؟ ـــــ اللہ نے مرد و عورت میں جن بہت سی چیزوں میں فرق رکھا ہے ان میں سے دو چیزیں میں خاص طور سے آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس سے مسئلہ کے مشکل ہونے کا آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ عورت مردوں کے مقابلہ میں زیادہ جذباتی ہوتی ہے، جو بات کسی مرد کو کم بُری معلوم ہوگی، عورت کو زیادہ بُری معلوم ہوگی۔ جس چیز کو پا کے مرد کم خوش ہوگا وہی چیز جب عورت کو ملے گی تو عورت زیادہ خوش ہوگی۔ کسی چیز کے کھو جانے پر مرد کو غم ہوگا تو کم غم ہوگا، اسی چیز کے کھو جانے پر عورت کو غم ہوگا تو زیادہ غم ہوگا۔ کسی سے ناراض ہو کے مرد کو غصّہ آئے گا تو کم غصّہ آئیگا اور اگر عورت کو غصّہ آئے گا تو زیادہ آئے گا ـــــ یعنی یہ اس بات کا میں نے آپ کے سامنے نمونہ رکھنا چاہا ہے کہ احساس کے اعتبار سے، جذبات کے اعتبار سے مرد سے عورت کہیں زیادہ جذباتی ہوتی ہے۔

اگر آپ میری اس بات کو محسوس کر چکے ہیں کہ مرد سے زیادہ عورت حسّاس اور

جذباتی ہوتی ہے۔۔۔ ایک فرق مجھے یہ سُنانا تھا اور دوسرا فرق مجھے یہ سنانا ہے کہ لالچ ہر انسان میں ہے، کوئی آدمی لالچ سے خالی نہیں ہے اور یہ لالچ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز ہے۔ مگر اللہ نے لالچ پیدا کی ہے اچھی چیزوں کے لیے۔۔ یعنی اللہ نے جو ہم میں لالچ پیدا کی ہے وہ اس لیے کہ ہم میں نیکی کے لیے لالچ پیدا ہو، تقویٰ کے لیے لالچ پیدا ہو جنت کی نعمتوں کے لیے لالچ پیدا ہو۔۔۔ ہم اگر اس لالچ کو بُری جگہ استعمال کرتے ہیں کہ گناہ کی لالچ پیدا ہو۔ دوسرے کے مال کی لالچ پیدا ہو۔ اللہ کی نافرمانی والے کاموں کی لالچ پیدا ہو۔۔۔ تو چاقو تو چاقو ہے، چاہے آپ اس سے پھل کاٹ لیں چاہے اس سے آپ انگلی کاٹ لیں۔ چاقو بنانے والے نے چاقو بنا دیا ہے، دھار بنا دی ہے اب استعمال کرنے والے کا کام ہے۔ ویسے ہی یہ لالچ ہے کہ اچھی جگہ بھی استعمال ہو سکتی ہے اور یہ بُری جگہ بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ لالچ لاکھ بدنام ہو جائے لیکن اگر اس میں کوئی خوبی نہ ہوتی تو خدا اسے پیدا نہ کرتا۔ اس لالچ کی اچھی جگہ کون سی ہے؟ اس کے لیے آپ قرآن مجید میں پڑھیں کہ اللہ حضور سرورِ کائنات جناب محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہمارا یہ نبیؐ حریص ہے، ان کو شدید لالچ ہے اس بات کی کہ امتؐ کا ایک ایک آدمی دیندار ہو جائے۔ تو نبی کو کس چیز کی لالچ ہے؟ تبلیغ کی لالچ ہے، انسان کو دیندار دیکھنے کی لالچ ہے۔

مومن کو کس چیز کی لالچ ہونا چاہیے؟ خوشنودیِ خدا حاصل کرنے کی لالچ ہونا چاہیے۔ رضائے خدا پانے کی لالچ ہونا چاہیے۔

صلوات

تو میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش کرنا چاہتا تھا کہ لالچ سے کوئی خالی نہیں ہے مگر لالچ بہ نسبت مردوں کے عورتوں میں ذرا زیادہ ہوتی ہے۔ تو میں آپ کو وہ وجہ بھی

سُنا دوں کہ اللہ نے عورت میں زیادہ لالچ کیوں پیدا کی ہے ؟ ان خرابیوں کے لیے نہیں، جہاں عورت اپنی لالچ کو استعمال کرتی ہے۔ عورت میں پیدا کی جانے والی لالچ کا جو صحیح مقصد اور فائدہ ہے جس کے لیے اللہ نے لالچ بڑھائی ہے وہ یہ ہے کہ مرد روزی کماتا ہے اور کمائی ہوئی روزی خرچ ہوتی ہے عورت کے ہاتھوں ___ مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

خوش حالی، آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنا، خوش حالی کا ایک رخ یہ ہے کہ روزی زیادہ کمائی جائے۔ ہزار روپے ملتے ہیں تکلیف سے رہتے ہیں، دو ہزار کمانے لگے آرام سے ہو گئے، پانچ ہزار کمانے لگے اور خوش حالی بڑھ گئی ___ میں لکھنؤ والی خوشحالی کا لفظ بول رہا ہوں، بمبئی میں خوش حالی کے معنی خوشی کے ہو جاتے ہیں۔

ہمیں لوگ ملتے ہیں: "فلاں صاحب کے یہاں خوش حالی ہو گئی ہے"۔

دوسرے نے پوچھا: "کب ہو گئی ؟"

ہم سوچنے لگے، بھائی یہ کون سی بات ہے؟ ہوتے ہوتے ہو گی تو دو چار سال میں ہو گی، معلوم ہوا کل آٹھ بجے ہو گئی ہے۔ تو ہمیں پتہ چلا کہ بچہ پیدا ہوا ہے اس کو خوش حالی کہہ رہے ہیں ___ یہ ہے خوش حالی کا اردو کا وہ لفظ جس کا مطلب ہے کہ رزق وسیع، زیادہ روزی تاکہ آرام کے ساتھ کھانا، پہننا، رہنا سہنا ہو جائے۔

تو مولاؑ نے کہا: خوش حالی کا ایک راستہ ہے زیادہ روزی حاصل کرنا۔ اور خوش حالی کا دوسرا راستہ ہے خرچ میں کفایت کرنا ___ آپ یقین مانیے آمدنی کتنی ہی بڑھتی چلی جائے اگر مٹھی روک کر خرچ نہ کیا جائے تو ہمیشہ گھر میں غربت ہی رہے گی، فاقے ہی رہیں گے چہرے ہمیشہ اُترے ہی دکھائی دیں گے اور اتنے اترے دکھائی دیں گے کہ گھر میں ایک نیا مہمان آجائے گا تو میاں بیوی کو دیکھیں گے، بیوی میاں کو دیکھیں گی ___ یہ کون سا قہر خدا ہے جو نازل ہو گیا ہے۔ بچہ

دوڑا ہوا آیا۔ "اماں! مہمان آئے ہیں۔"

ماں نے گھبرا کے پوچھا: "مہمان آئے ہیں؟!"

دوسرا بچہ دوڑ کے آیا ــــ "پانچ آدمی ہیں!"

شوہر نے بیوی سے کہا: "ایک نہیں، پانچ پانچ ہیں..!!"

یہ ان گھروں میں ہوتا ہے جن گھروں میں آمدنی کتنی ہو مگر خرچ بڑھایا جاتا ہے۔

یہ آج جو زور لگایا جا رہا ہے کہ ہم زندگی کا معیار بڑھا رہے ہیں۔ یہ زندگی کا معیار نہیں بڑھا رہے ہیں، یہ شوق بڑھا رہے ہیں، یہ فیشن بڑھا رہے ہیں، یہ خرچ بڑھا رہے ہیں۔ یعنی یہ غربت بڑھا رہے ہیں، یہ مصیبتیں بڑھا رہے ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر آرام سے نیند آجائے کہ ہم چٹائی پر سو رہے ہیں۔ ڈنلپ گدّے پر سو رہے ہیں اور جب نیند نہ آئے تو ڈنلپ کا گدّا اور زیادہ تکلیف دہ محسوس ہونے لگتا ہے۔

تو میں آپ کی خدمت میں، عورت میں اللہ نے جو لالچ زیادہ پیدا کی ہے، اس کا صحیح مصرف عرض کرنا چاہتا تھا کہ روزی کمائے گا مرد، خرچ کرے گی عورت۔ تو کمانے والے میں ہمت ہونا چاہیے زیادہ کمانے کی، اور خرچ کرنے والے میں مزاج ہونا چاہیے بچا کے خرچ کرنے کا۔ اس بچا کے خرچ کرنے کے لیے اللہ نے لالچ بڑھائی ہے، نہ کہ دوسرے کا حق چھین لینے کے لیے ــــ تو بات وہی ہے کہ لالچ کا جو صحیح مصرف ہے صحیح جگہ ہے وہاں پر رہے گی تو فائدہ پہنچائے گی۔

تو اب آپ میری پوری تقریر کے سلسلہ کو جوڑیں۔ پہلے میں نے آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ عورت زندگی میں بہت جگہ اثر ڈالتی ہے تو اگر یہ دیندار ہو جائے تو سماج دیندار ہو جائے گا، سوسائٹی دین دار ہو جائے گی ــــ پھر میں نے بیان کا دوسرا مرحلہ شروع کیا کہ عورت کو دین دار کیسے بنایا جائے؟ تو میں نے یہ

کہا تھا کہ عورت کو دین دار بنانا ایک بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ اس مشکل کی راہ میں مجھے دو باتیں سُنانا تھیں کہ عورت کا جذباتی ہونا اس کو دین دار بنانے میں رکاوٹ بنتا ہے، اور عورت کا زیادہ لالچی ہونا یہ بھی دیندار بنانے میں رکاوٹ بنتا ہے — مثال کے طور پر پڑوس کے گھر میں جو سامان آجائے وہ تو اپنے گھر میں آجانا ہی چاہیے اور اگر ایسا سامان نہیں آسکتا ہے تو شوہر کو گھر سے باہر نکل جانا ہی چاہیے۔

ہمارے سماج میں جہاں یہ بُرائی ہے، بڑا عظیم جُرم ہے، بڑا سخت ترین گناہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب لڑکی بیاہ کے اپنے گھر میں آئے تو سامان جہیز کی شکل میں لے کر آئے، بالکل جیسے کسی پر دباؤ ڈال کر اس سے زبردستی مال لیا جائے تو یہ مال غصب ہے چھینا ہوا مال ہے۔ ویسے ہی بیٹی کے باپ پر دباؤ ڈال کے ناجائز جو لیا جا رہا ہے جہیز یہ بھی مالِ حرام ہے مالِ حلال نہیں ہے۔

ہماری شمالی ہند والی سوسائٹی بہت زیادہ جہیز سے متاثر ہے اور جب جہیز ملتا جاتا ہے تو اور لاؤ اور لاؤ — زندگی میں آپ روز واقعات پڑھتے رہتے ہیں کہ اس جہیز کے نتیجے میں، ہماری قوم میں نہ سہی مگر ہندوستان کی دوسری قوموں میں عورتیں مار ڈالی جاتی ہیں، عورتیں خودکشیاں کر لیتی ہیں اس لیے کہ جہیز نہیں لا سکتی ہیں، جہیز کے مطالبات پورے نہیں کر سکتی ہیں۔ واقعات آپ پڑھتے رہتے ہیں۔ تو جس سماج میں بھی، جس سوسائٹی میں بھی جہیز مانگا جاتا ہے میں اس سوسائٹی کو انتہائی بے شرم اور بے حیا سوسائٹی کہتا ہوں۔ بدترین اور بے حیا ہے وہ لڑکا جو جہیز مانگتا ہے اور انتہائی ذلیل ہے لڑکے کا باپ وہ۔ جو جہیز مانگتا ہے۔

میں ابھی جملہ سُناتا ہوں، اگر آپ بدل سکیں تو میں جملہ واپس لے لوں گا۔ ہم مجلس پڑھ کے نکلے، ایک اچھا خاصا جوان آدمی، اچھے خاصے کپڑے پہنے ہوئے، اس نے کہا:

"مولوی صاحب! اللہ کی راہ میں ایک روپیہ دے دو۔"

تو ہم اس سے برجستہ کہتے ہیں: "ہاتھ پیر والے ہو، ہٹّے کٹّے ہو، کماتے نہیں ہو؛ مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی ہے" ـــــ تو اگر زمانے کے سارے کما سکنے والے مانگنے والوں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ تم ہٹّے کٹّے، ہاتھ پیر والے ہو، تمھیں مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی ہے، تو جتنے کمانے والے لڑکے ہیں جب وہ جہیز مانگتے ہیں تو میں جملہ پلٹ کر کہنا چاہتا ہوں: "ہٹّے کٹّے ہو مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی ہے۔"

اور جو بات میں نے آپ کے سامنے پہلے کہی ہے اسے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ ہم تو ہر چوراہے پر چندہ مانگتے ہیں۔ مجلس کے بعد لوگ مصافحہ کرنے آتے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ رسید کٹوالی؟ تو بمبئی والوں نے سوچا یہ بارہ سال سے تنظیم المکاتب کے لیے چندہ مانگتے ہیں۔ خمس مانگتے ہیں، زکوٰۃ مانگتے ہیں، فطرہ مانگتے ہیں ـــــ تو ایک آدمی نے مجھ سے ایسا سوال کیا جس سے میرا دل خوش ہو گیا۔ اس نے کہا:

"مولوی صاحب! کوئی ایسی رقم بھی ہے جو تنظیم المکاتب کے لیے نہ لیتے ہوں؟ اس لیے کہ خمس آپ لیتے ہیں، زکوٰۃ آپ لیتے ہیں، فطرہ آپ لیتے ہیں، خیرات آپ لیتے ہیں، صدقات آپ لیتے ہیں، امام ضامن آپ لیتے ہیں ـــــ تو کوئی ایسی رقم بھی ہے جو آپ نہ لیتے ہوں؟"

ہم نے کہا: "ایسی کوئی رقم نہیں ہے" ـــــ تو ہم روز چندہ مانگتے ہیں: اماں خمس نکالا بھائی؟ کب نکلے گا؟ ڈیٹ کب آئی؟ اور جب کوئی راؤنڈ فیگر میں دے جاتا ہے تو ہمیں دو ہی شبہے ہوتے ہیں ـــــ یا تو اس نے صحیح حساب کر کے نہیں نکالا ہے اور یا پھر اس نے کہیں تقسیم کیا ہے ـــــ تو ہم حسنِ ظن یہی قائم کرتے ہیں کہ اس نے صحیح نکالا ہوگا اور کہیں دے آیا ہوگا، ایک حصّہ ہمیں بھی دے رہا ہے۔ تو غرض کہ ہم نے ہر چوراہے پر

ممبری کی فیس مانگی، زکوٰۃ مانگی، خمس مانگا ـــــ ایک دن چار لڑکوں نے کہا، اماں اس مولوی کو پکڑو ـــــ کہنے لگے: "ملّا صاحب! ایک مسئلہ پوچھنا تھا، ذرا ادھر آیئے۔" ہم جو گلی میں مڑ گئے تو دو گلی پر کھڑے ہو گئے۔ جو آیا کہا مولوی صاحب کو لے جاتا ہے۔ کہنے لگے ذرا رُک گئے مسئلہ پوچھنا ہے اور اندر والے دونوں نوجوانوں نے کہا:

"مولوی صاحب! ہم چار آدمی ہیں۔ سو سو کے چار نوٹ نکالو تب تو کہیں جا سکتے ہو ـــــ" بعض لوگ کہہ رہے ہیں مولوی صاحب سے مجلس پڑھوانا ہے۔ کہنے لگے رُک جایئے مسئلہ پوچھ رہے ہیں ـــــ ہم نے دیکھا جا تو سکتے نہیں ہیں۔ دیئے ـــــ تو یہ زبردستی ہے کہ نہیں؟ جائز ہے کہ ناجائز؟ سب کہیں گے ناجائز ہے۔ تو اگر دباؤ ڈال کے لیا جانے والا مال ناجائز ہے تو سماج کا دباؤ ڈال کے زبردستی جہیز لینا کہاں سے جائز ہو جائے گا؟

تو بات آپ بھول بھی گئے ہوں گے مجھے وہ بات یاد ہے کہ ہمارے سماج میں پہلی خرابی یہ پیدا ہوئی ہے کہ بیوی بن کے جب لڑکی اپنے شوہر کے گھر آئے اور باپ کے یہاں سے سامان لے کے آئے اور اس کے بعد اب زندگی بھر شوہر کا فریضہ ہوتا ہے کہ جب مارکیٹ سے، جب فیکٹری سے، جب آفس سے، جب کام کر کے واپس آئے تو اپنے ساتھ سامان لے کے آئے۔ یہ انتقام ہے، یہ بدلا ہے۔ لڑکی نہیں آسکتی جہیز کے بغیر، شوہر نہیں آسکتا بیوی کی فرمائش کے بغیر۔

تو اب میں آپ کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ چوں کہ عورت میں جذبا تیت بھی زیادہ ہے اور لالچ بھی زیادہ ہے تو یہ لالچ کہتی ہے کہ جو پڑوس کے یہاں آگیا ہے یا جو کسی شادی میں کہیں دیکھ لیا ہے تو وہ آ ہی جانا چاہیئے اور جب آ ہی جانا چاہیئے تو چاہے حلال سے آئے چاہے حرام سے آئے اور جب جذباتیت پیدا ہو گئی تو عورت

جس سے خوش ہو گئی اس کی ہر خاطر کے لیے تیار ہے چاہے اللہ کی نافرمانی کیوں نہ ہو، اور اگر عورت ناراض ہو گئی تو اللہ لاکھ کہتا رہے کہ جو مجھ سے رشتہ توڑ دیتا ہے ہم اس سے اپنا رشتہ توڑ دیتے ہیں۔ قطع رحم کرنے والے کی ہم عبادت قبول نہیں کرتے ہیں، سجدہ قبول نہیں کرتے ہیں، دعا قبول نہیں کرتے ہیں۔ مگر بگڑی ہو تو عورت کہتی رہے اللہ قبول کرے یا قبول نہ کرے، ہم کو ان سے ملنا نہیں ہے۔

تو اب مشکل یہی ہے کہ لالچ اور جذباتیت یہ دو چیزیں بے دین بنانے پر آمادہ ہیں اور عورت دین دار بنے تو سوسائٹی دین دار بنے۔ یہ گھنٹی کیسے بندھے؟

آپ کہیں گے اگر نہیں بندھے گی تو چوہوں کی جان تو جاتی رہے گی۔ ہم تجویز لائے ہیں، حل ہے ہمارے پاس۔ وہ تجویز کیا ہے؟ آپ سنیے — عورت کی پوری زندگی جہاں سے شعور اور احساس اور سمجھ کے میدان میں قدم رکھتی ہے وہاں سے لڑکی کا ذہن یہ سوچتا ہے کہ ہم کو اپنی زندگی کو ایسا تیار کرنا ہے کہ جب شادی کا وقت آئے تو ہماری شادی اچھی جگہ ہو جائے اور اچھی جگہ شادی ہونے کے بعد زندگی بھی اچھی گزرے۔ اب میں حل کی طرف آ رہا ہوں یعنی عورت کی زندگی میں، عورت کی زندگی کے پورے سرکل میں جو نقطہ مرکزی ہے، جو بنیادی خیال ہے وہ شادی ہے تو اگر ہمارا سماج ایک کام پر تیار ہو جائے تو عورت اگر دیندار نہ ہو جائے تو میرا ذمہ۔

جب تک شادی کی بنیاد اور معیار دولت رہے گی، خاندان رہے گا، ڈگریاں رہیں گی سروسیں رہیں گی، جہیز رہے گا تب تک عورت بے دین رہے گی اور جب سماج میں یہ انقلاب لایا جائے کہ اس لڑکی کو شادی کے لیے منتخب کیا جائے گا اور اس لڑکی کو شادی کے لیے ترجیح دی جائے گی جو دین دار ہو گی، یعنی دولت کے بجائے، رنگت کے بجائے، حسن و جمال کے بجائے، تعلیم اور سروس کے بجائے اگر دین داری کی بنیاد پر شادیاں ہونے لگیں تو

جب عورت کو یہ محسوس ہوگا کہ دین دار بننے میں ہم کو بہتر شوہر ملے گا اور بہتر زندگی ملے گی وہیں سے مرکزی خیال بدلے گا عورت دین دار بن جائے گی۔

اور اسی مرکزی خیال کی طرف حضورؐ سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ دلائی ہے۔ معصومۂ کونین حضرت فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کو رخصت کرنے کے بعد جب شاہزادی مولا علیؑ کے گھر چلی گئیں تو نبیؐ نے مولاؑ سے پوچھا:

"علیؑ! یہ بتاؤ تم نے فاطمہؑ کو کیسا پایا۔"

جہاں تک سننے والے سن رہے ہیں ان میں سے معمولی سمجھ والا آدمی میری اس بات کو مانے گا کہ فاطمہ صلواۃ اللہ علیہا کو پہچاننے کی ضرورت نبیؐ کو نہیں تھی اور اگر نبیؐ کو پہچاننے کی ضرورت تھی تو نبیؐ خود پہچانتے تھے، باپ تھے پہچانتے تھے، علم غیب رکھتے تھے۔ علیؑ سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سوال و جواب ہماری رہبری کے لیے ہے۔

یہ سوال و جواب یہ بتانے کے لیے ہے کہ شادی کا بیس کیا ہونا چاہیئے بنیاد کیا ہونا چاہیئے۔

نبیؐ نے علیؑ سے پوچھا: "یہ بتاؤ تم نے فاطمہؑ کو کیسا پایا؟"

فرمایا: "یارسولؐ اللہ! میں نے آپ کی بیٹی کو خدا کی اطاعت کرنے میں بہترین مددگار پایا۔"

یہ علیؑ کا جواب نہیں ہے، یہ فاطمہؑ کا کیریکٹر نہیں ہے، یہ نبیؐ کا سوال نہیں ہے یہ تینوں مل جل کے، ہمیں بتا رہے ہیں کہ اگر شادی کا بیس اور بنیاد و معیار تم دینداری کو رکھو گے تو جب بیوی بنے گی دین دار ہوگی، تو جب ماں بنے گی تو دین دار ہوگی، جب بہن بنے گی تو دیندار ہوگی —— تو زندگی میں جہاں جہاں عورت ہوگی دین دار ہوگی اور جب جگہ جگہ دین داری کا سایہ پڑتا جائے گا تو بے دینی کی دھوپ سوسائٹی میں پڑنے ہی نہیں پائے گی۔ سوسائٹی دین دار بن جائے گی۔ لیکن اس کے لیے معیار بدلنا پڑے گا۔

یہ روایت اصل میں خدا کی قدرت پر شک کرنا ہے۔ ایسا نہیں ہے، جیسے مٹی سے جناب آدم کو پیدا کیا ویسے ہی جناب حوّا کو بھی پیدا کر سکتا ہے۔

اور یہیں پر ایک دوسری بات بھی نکل آئی، جو اپنے بچوں کو میں سنا دوں، اس لیے کہ وہ بھی بہت غلط بات ہے جو مشہور ہو گئی۔ پہلا مسئلہ تو یہ پیدا ہوا کہ حوّا کیسے پیدا ہوئیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ تو ایک پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ دوسرا مسئلہ آلِ محمّد علیہم السّلام کے دروازے کو چھوڑ دینے سے یہ پیدا ہوا کہ اب جناب آدمؑ وحوّا سے اولاد ہونا شروع ہوئی۔ کچھ لڑکے پیدا ہوئے، کچھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اب آج یہ اربوں انسان پائے جاتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ جناب آدم کے بعد نسل کیسے چلی؟ نبی کریمؐ نے کہا تھا: میرے اہلِ بیتؑ سے پوچھنا۔ وہاں تو یہ گئے نہیں، تو اب اپنی رائے، اپنے خیال سے انھوں نے ایک راستہ نکالا۔ انھوں نے کہا بھائی بڑی مجبوری تھی۔ نسل چلنا ہی تھی لہٰذا بھائی بہن کی ـــ معاذ اللہ خدانخواستہ ـــ شادی کر دی گئی!!

بھائی بہن کی شادی جیسے آج حرام ہے ویسے ہی کل حرام تھی، ویسے ہی جناب آدمؑ کے سامنے حرام تھی۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے حرام ہونے میں کبھی تبدیلی پیدا ہی نہیں ہوئی ہے۔ جناب آدم کے زمانے سے لے کر آج تک بھائی بہن کی شادی کا حرام ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین ایک رہا ہے ـــ تو لوگوں نے کہا کہ بھائی مجبوری تھی، لہٰذا پہلا مرحلہ یوں ہی طے ہوا کہ بھائی بہن کی شادی ہو گئی۔ پھر اس کے بعد شادیاں ہونے لگیں۔

تو امامؑ نے پھر اپنے ایک صحابی سے پوچھا کہ اس مسئلے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟

کہا: اس میں یہ کہتے ہیں ـــ تو امام علیہ السلام نے استغفار فرماتے ہوئے فرمایا

اور آج صورتِ حال کیا ہے؟ آج صورتِ حال یہ ہے کہ نسبت طے ہونے کے بعد رشتہ طے ہوگیا۔ پھر معلوم ہوا کہ رشتہ چھوٹ گیا ——

بھائی! کیوں چھوڑ دیا؟

کہا: اصل میں مولوی صاحب بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ جس فیملی کی لڑکی ہم لا رہے تھے وہ گھر بڑا بیک ورڈ ہے تو اس بیک ورڈ گھر کی لڑکی ہماری ایڈوانس فیملی میں کیسے آسکتی تھی —— ؟!

ہم نے پوچھا: کیا بیک ورڈ ہے؟

کہا: وہاں صبح اٹھ کے سب سے پہلے قرآن پڑھا جائے گا۔ ہر کام سے پہلے یہ نجس ہے، یہ پاک ہے، یہ حرام ہے یہ حلال ہے .... تو مولوی صاحب اس زمانے میں حلال اور حرام اور نجس اور پاک دیکھنے والی فیملی کی گزر بسر کہاں ہوسکتی ہے۔ لہٰذا چونکہ یہ لوگ پرانے زمانے کے ہیں کہ دین کو مانتے ہیں، ترقی کو نہیں مانتے اس لیے ہم ان کی لڑکی نہیں لائے۔

تو بھائی ابھی تو ہمارا سماج، ہماری سوسائٹی اتنی بے دین ہے، اتنی بے دین ہے کہ دین دار لڑکی کے لیے شوہر ملنا مشکل ہے اور دین دار باپ پریشان ہے کہ بیٹی ہماری جائے تو کہاں؟ لیکن ہم نے اگر اس سوسائٹی کو زندہ رکھا، اگر ہم اس سوسائٹی کے اس کیریکٹر اور مزاج کو نہیں بدلا تو آپ یقین مانیے کل خدا کے سامنے سخت ترین ہمارا حساب ہوگا اور بدترین ہماری سزا ہوگی، عذاب ہوگا کہ تم نے رشتے اس لیے چھوڑ دیے کہ انھوں نے ہم سے رشتہ جوڑا تھا۔ تم نے ان سے رشتے کیے جنھوں نے ہم سے رشتہ توڑ لیا تھا۔

اور میں آپ سے سچ کہنا چاہتا ہوں کہ جتنی ایڈوانس فیملیاں ہیں، اگر آپ ان خاندانوں میں جھانک کے زندگی کو اندر سے دیکھیں گے تو سب انگاروں پر لوٹ رہے ہیں —— سب انگاروں پر لوٹ رہے ہیں —— کیوں؟ اس لیے کہ بیوی اپنی آزادی کھونے

پر تیار نہیں ہے، شوہر اپنی آزادی کھونے پر تیار نہیں ہے، لڑکی اپنی آزادی کھونے پر تیار نہیں ہے۔ تو اب آپ سوچیے اگر سارے پارٹس الگ ہو جائیں تو باقی کیا رہ جائے گا؟

خدا کی قسم! بہترین فیملیاں وہ ہیں جہاں رشتے جُڑے ہوئے ہیں اور ان رشتوں کو کوئی چیز نہیں جوڑ سکتی ہے سوائے اس بات کے کہ ہمیں یہ یاد رہے کہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اگر ہم کو اس سے رشتہ باقی رکھنا ہے تو اس نے جس سے رشتہ رکھا ہے اس رشتہ کو ہمیں باقی رکھنا ہے۔

تو جب تک ہم اپنی سوسائٹی کے بدترین مزاج کو بدلیں گے نہیں تب تک عورت دین دار بنے گی نہیں!

اب مرحلہ کیا ہے؟ آج میں اس بات کو مکمل کر دینا چاہتا ہوں۔ مرحلہ یہ ہے کہ بگڑی ہوئی سوسائٹی کو سنوارنا ہو یا بنی ہوئی سوسائٹی کو بگاڑنا ہو۔ پہلا کام ایک اکیلا آدمی کرتا ہے اور جو آدمی اکیلا پہلا کام کرتا ہے لوگ اسے پاگل بھی کہتے ہیں، وہ سماج میں اور سوسائٹی میں نکّو بھی بن جاتا ہے۔ لیکن ہمّت کرنے والا آگے بڑھتا ہے اور بتاتے ہوئے بڑھتا ہے کہ دیکھو ہم اس لیے بڑھ رہے ہیں کہ زندگی کے دوزخ سے نکل کے زندگی کی جنّت کی طرف جانا چاہتے ہیں ــــ تو سارا سماج تو پاگل کہتا ہے مگر اس کے ساتھ دو اور پاگل ہو جاتے ہیں، پھر اُن کے ساتھ دس بیس اور پاگل ہو جاتے ہیں اور جب یہ پچاس پاگلوں کی ایک جماعت بن جاتی ہے تو وہ بھی ایک سوسائٹی بن جاتی ہے اور پھر جب بدلنا شروع ہوتے ہیں تو پھر جو پہلا پاگل نکلا تھا جو نکّو بنا دیا گیا تھا، تو جب تاریخ آگے بڑھتی ہے تو وہ ہیرو بن جاتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اسلام پیش کیا تھا تو بتوں

سے انکار کرنے والے اور نظر نہ آنے والے خدا کو سجدہ کرنے والے جو پہلے مسلمان تھے وہ اس بُت پرست، کافر سوسائٹی میں پاگل قرار دیے گئے تھے، نکّو قرار دیے گئے تھے لیکن جب سوسائٹی بنتی گئی تو کیسے بنتی گئی؟ مکّہ کے تیرہ سال میں پونے تین سو مسلمان ہوئے اور مدینہ کے دس سال میں ۲۴ لاکھ مسلمان ہوئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ پہلا آدمی دیر میں بنا دو آدمی بعد میں دیر میں بنے، پھر دس بنے، پھر دس کے ساتھ بیس بنے۔ تو معلوم ہوا کہ سوسائٹی پہلے ایک آدمی سے بنتی ہے اور اسی کے پیچھے پیچھے رفتہ رفتہ لوگ آتے ہیں۔ پھر نتیجہ کیا ہوتا تھا، سردار مسلمان ہوتا تھا تو پورا قبیلہ مسلمان ہو جاتا تھا۔

آپ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ..." روز پڑھتے ہیں، اس میں خدا نے یہی کہا ہے کہ جب اللہ کی طرف سے مدد آجائے گی تو ایسی کامیابی حاصل ہوگی کہ اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوں گے۔

تو جیسے اس جاہل، ظالم، بے رحم، قاتل، جاہلیت والی سوسائٹی کو نبیؐ نے بدلا تو بدلتے بدلتے پورا عرب اور اس سے باہر تک اسلام پھیل گیا ویسے ہی آج بھی کوئی نبیؐ والا ہونا چاہیے، کوئی علیؑ والا ہونا چاہیے، کوئی فاطمہؑ والا ہونا چاہیے، کوئی آلِ محمدؐ والا ہونا چاہیے جو اس بگڑی سوسائٹی کو بدلنے کے لیے مضبوط کلیجے کے ساتھ آگے بڑھے کہ۔

——— میں بیٹے کو بیاہوں گا اس لڑکی کے ساتھ جو دیندار ہوگی۔

——— میں اس لڑکے کو داماد بناؤں گا جو دین دار ہوگا۔

دنیا پاگل کہے گی! لیکن ——— اتنا تو سوچو اگر ہم مال کی بنا پر شادی کر سکتے ہیں، اگر ہم ڈگری کی بنا پر شادی کر سکتے ہیں اور اس دنیا میں جی سکتے ہیں تو جب خدا کی خوشنودی کے لیے شادی کریں گے تو وہ اپنی طاقتیں ہمارے ساتھ کر دے گا تو ہم انقلاب کیوں نہیں لا سکیں گے؟ ہمّت چاہیے۔

کل ہمّت حاصل کرنے کے لیے واقعۂ کربلا تک جانا پڑتا تھا۔ آج جلدی ہمّت حاصل کرنے کے لیے انقلاب اسلامی ایران ہمارے سامنے ہے۔ وہاں نوجوان دین دار بن گئے ہیں وہاں عورتیں دین دار بن گئی ہیں۔ یہ سینے کے زور پر بندوق کی نالیں موڑ کے انقلاب آیا ہے۔ یہ اس طرح انقلاب آیا ہے کہ جب گولیاں چلی ہیں اور ننھے بچّے مارے گئے ہیں تو مائیں اپنے بچوں کی لاشیں لے کے جلوس میں نکلی ہیں۔ ایک بیٹا میدان سے مر کے آتا ہے تو دوسرا بھائی مرنے کے لیے جاتا ہے۔ آج ساری دنیا ایران کے خلاف ہے مگر ایران مضبوطی کے ساتھ بغیر کسی کے سہارے — اپنی طاقت پر کیوں کھڑا ہے؟ اس لیے کھڑا ہے کہ جس بیٹے کے مرنے کی خبر آتی ہے تو ماں کہتی ہے:

"مجھے پُرسہ دینے مت آؤ، مجھے مُبارک باد دینے آؤ کہ میرا بیٹا راہِ خدا میں کام تو آگیا"۔

تو جب عورتیں اس طرح دین دار بنتی ہیں، اس طرح نوجوان دین دار بنتے ہیں تو سوسائٹی بدلتی ہے انقلاب آتا ہے۔ اگر آج ایران کا شیعہ انقلاب لا سکتا ہے اور ہندستان کا شیعہ انقلاب نہیں لا سکتا ہے تو ہمیں ایک بات یاد رکھنا چاہیے کہ کل جب ہم میدانِ محشر میں پہونچیں گے تو چودہ کے چودہ معصومینؑ کہیں گے ایران کے شیعوں تم میرے پاس آؤ اس لیے کہ تم نے دنیا میں ہمارا ساتھ دیا تھا۔ ہندوستان کے شیعوں تم ہمارے سامنے سے ہٹ جاؤ اس لیے کہ تم زمانے کا ساتھ دے رہے تھے ہمارا ساتھ نہیں دے رہے تھے

اگر ان خیالات کو ہم اپنے دل و دماغ میں جگہ دیں تو روح میں وہ گرمی پیدا ہوگی، خیالات میں وہ نرمی پیدا ہوگی، عزم و حوصلے میں وہ جان پیدا ہوگی کہ ہم اس بے دین سوسائٹی کو بدل کے دین دار بنا سکیں گے۔

صلوات

بس! میں نے اپنی بات مکمل کر دی، ختم کر دیا میں نے اپنے تذکرے کو۔ میرے آج کے بیان کا خلاصہ اور ماحصل یہی ہے کہ شادی کا معیار اگر دین داری کو قرار دے دیا جائے تو عورتیں دین دار ہو جائیں، اور عورتیں دین دار ہو جائیں تو سوسائٹی دین دار ہو جائے۔ اور اگر عورتیں دین دار ہونا چاہتی ہیں تو میں ان کو آواز دوں گا ـــــ

میں ان کو آواز دوں گا کہ آنکھیں بند کر کے تصوّر کرو۔ سامنے زینبؑ نظر آ رہی ہیں۔ میری بہنو! آنکھ بند کر کے سوچو تو صدیوں سے آگے جب نگاہ جائے گی تو عالم تصوّر میں ہم دیکھیں گے زینبؑ نظر آ رہی ہیں ـــــ کون زینبؑ؟ جن کے سینے سے لگی ایک چھوٹی سی بچّی بیٹھی ہے جس کا نام ہے سکینہؑ! اور یہ اس لیے پھوپھی کے سینے سے لپٹی بیٹھی ہے کہ یہ کبھی باپ کے سینے پر سویا کرتی تھی۔ تو سکینہؑ زینبؑ کے کلیجے سے ویسی ہی لگی بیٹھی ہے جیسے کربلا کے میدان میں حسینؑ جا رہے تھے۔ اکبرؑ آگے آگے چل رہے تھے تو حسینؑ پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ویسے ہی آج قافلہ اس طرح چل رہا ہے کہ زینبؑ کی گود میں سکینہؑ آگے بیٹھی ہوئی ہیں، زینبؑ پیچھے بیٹھی ہوئی ہیں۔

میں تصوّر پیش کر رہا ہوں۔ کسی کتاب کے حوالے سے کوئی روایت نہیں پڑھ رہا ہوں جب میں تصوّر کرتا ہوں تو سکینہؑ سامنے نظر آتی ہیں زینبؑ کی گود میں بیٹھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ادھر امّ کلثومؑ بیٹھی ہیں، ادھر ربابؑ بیٹھی ہیں۔ اور پھر سارے قیدی بیٹھے ہیں اور یہ سارے قیدی پوری شیعہ قوم کی عورتوں اور مردوں سے ایک ہی بات پوچھ رہے ہیں ـــــ

ـــ کیا تم کو یاد نہیں ہے کہ ہم نے تازیانے کھائے؟

ـــ کیا تم کو یاد نہیں ہے کہ ہمارے بچّوں نے طمانچے کھائے؟

ـــ کیا تمھیں یاد نہیں ہے کہ ہم فاطمہؑ کی اولاد ہو کے مجمع میں لائے گئے؟

تو، اگر تمھیں یاد ہے تو پھر ہماری قربانیوں کی قیمت ادا کرو کہ سوسائٹی کو دین دار بناؤ۔

کبھی بھی اگر ہم زینبؑ کا دل واقعات کی روشنی میں پڑھ سکیں تو زینبؑ نام ہے اس دل والی عورت کا جس کے لیے مرجانا بہت آسان تھا مگر بغیر چادر کے باہر نکلنا بہت مشکل تھا۔
میں نے بھی سُنایا ہے، ہر ذاکر نے بھی سُنایا ہے اور آپ نے بارہا سنا ہے کہ جلتے ہوئے آخری خیمہ میں زینبؑ یہ پوچھ رہی تھیں :

"بیٹا! زمانے کے امام اب تم ہو، تمھارا باپ مارا جا چکا ہے۔ آخری خیمہ جل رہا ہے بتاؤ تمھاری پھوپھی بغیر چادر کے ہے، اب باہر نکلے یا جل کر مرجائے۔"

زینبؑ کے لیے کتنا مشکل تھا بغیر چادر کے باہر آنا۔ اس کا آخری موقع میں اپنے بیان میں یاد دلا دوں اور مجلس تمام کر دوں کہ ـــ جب قیدی ساری زحمتیں جھیل کے یزیدؔ کے دربار میں لے جائے جانے کے لیے ذرا دیر کے لیے بٹھا دیے گئے تھے اور تھوڑی دیر بعد آنے والے شمر ملعون نے کہا:

"قیدیو! اب چلو۔ اس لیے کہ درباری آچکے ہیں، سب کرسیوں پر بیٹھ چکے ہیں، یزید بھی آگیا ہے۔"

بس ایک مرتبہ شہزادی زینبؑ نے کہا۔ اب زینبؑ نہ جائے گی۔ زینبؑ نے بڑے دُکھ جھیلے ہیں، جلتے ہوئے خیمے سے بغیر چادر کے باہر نکل آئی ـــ ابنِ زیاد کے دربار میں لائی گئی، اور لانے کے بعد بھجوائی گئی ـــ یہ رسُول کی بڑی نواسی ہے ـــ مجھے بھجوایا گیا۔ میں فاطمہؑ کی بیٹی ہوں ـــ مجھے بتلایا گیا میں علیؑ کی لاڈلی ہوں ـــ تو اب میں یزید کے دربار میں نہ جاؤں گی۔

شمرؔ کے پاس کچھ نہ تھا، سوائے اس کے کہ وہ ہاتھ میں تازیانہ لے کر آگے بڑھا اور کہا۔ چلو قیدیو! اگر نہیں چلو گے تو ایک ایک بچّے کو، ایک ایک بی بی کو میں کوڑے مار کے، تازیانوں سے زخمی کر کے تڑپا دوں گا۔

بس ایک مرتبہ عباسؑ کی بہن کو غیظ آ گیا۔ کہا: تو یہ نہ سمجھ لے کہ میرا بھائی مار ڈالا گیا ہے۔ تو یہ نہ سمجھ لے کہ زینبؑ کے پاس اب نہ اکبرؑ ہے، نہ عباسؑ ہے نہ قاسمؑ ہے، نہ عونؑ و محمدؑ ہیں، نہ حبیبؑ ہیں، نہ زہیرؑ ہیں، نہ اصحاب ہیں نہ اعزّا ہیں، نہ بنی ہاشم ہیں، نہ سید الشہداءؑ ہیں ــ بس یاد رکھ! میں اب بھی فاطمہؑ کی بیٹی ہوں، میں اب بھی علیؑ کی لاڈلی ہوں، میں اب بھی رسولؐ کی نواسی ہوں ــ ابھی میں بددعا کروں گی عذاب نازل ہو جائیگا نہیں جاؤں گی بھرے دربار میں ــــ یہ کہہ کے آپ نے آواز دی ــ

"بی بیو! میرے قریب آ جاؤ۔ میں بددعا کرنا چاہتی ہوں" ــ

بس اسی وقت سامنے سے سرِ حسینؑ نظر آیا، جہاں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے زینبؑ بددعا کرنا بھول گئیں ــ کہا: بھیّا! اب کیوں رو رہے ہو؟

کہا: میری بہن! امتحان کی آخری کڑی منزل جھیل جاؤ۔ بددعا نہ کرو۔

زینبؑ نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، رِضاً بِقَضَآئِہٖ وَتَسْلِیْماً لِاَمْرِہٖ ط

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ...

مجلس

۵

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

قَالَ اللہُ تبارکَ و تعالیٰ:

تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

صلوات

میں روزانہ آپ کے سامنے اللہ کے اس ارشاد کو دُہراتا ہوں جس میں اس نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے ساتھی بنو، لیکن گناہ میں، نافرمانی، سرکشی میں کبھی کسی کا ساتھ مت دو۔

کئی دن سے میں آپ کے سامنے جس بات کو بیان کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ سوسائٹی اور سماج ایک بہت طاقت ور چیز ہے۔ یہ اگر مدد کرے تو بہترین مددگار بھی ہے اور اگر یہ رکاوٹیں ڈالیں تو اس کی ڈالی ہوئی رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مقابلہ کرنے والوں کو بڑی ہمت درکار ہے۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ سامنے پہاڑ ہے اور ہم کو پہاڑ کے پیچھے جانا ہے، تو اس کا راستہ یہ اختیار کریں کہ پوری طاقت خرچ کریں، پہاڑ پر چڑھیں اور چڑھنے میں جتنی طاقت

خرچ ہو، اتنی ہی طاقت اپنے کو سنبھال کے اتارنے میں خرچ ہوتی ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم اس پہاڑ کو تھوڑا تھوڑا کاٹنا شروع کریں۔ تو پہاڑ بہت بڑا ہے اور ہم بہت چھوٹے ہیں۔ جب ہم اس پر کدال ماریں گے تو خالی پہاڑ کے پتھر پر چوٹ لگے گی اور نشان بھی نہیں آئے گا۔ لیکن ہم آپ رات دن دیکھتے رہتے ہیں کہ اگر ہمّت والے پتھر توڑتے رہتے ہیں تو ایک دن ایسا بھی آجاتا ہے کہ چڑھنے اور اُترنے کی زحمت کے بجائے اس پہاڑ سے ہم اپنا راستہ بنا لیتے ہیں۔ اور جب راستہ بناتے ہیں تو پہاڑ دونوں طرف سے ہماری حفاظت کرنے لگتا ہے۔

تو یہ مثال میں نے اس لیے دینا چاہی ہے کہ اگر ایک آدمی دیندار ہے، نیکی کرنا چاہتا ہے اور اس لیے نیکی کرنا چاہتا ہے کہ خدا سے ڈرتا ہے، اس لیے نیکی کرنا چاہتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں جلنا بھُننا پھُکنا نہیں چاہتا۔ اس لیے نیکی کرنا چاہتا ہے کہ جنّت کی بہترین نعمتوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مگر! یہ دین دار آدمی جس ماحول میں ہے جس سوسائٹی میں ہے وہ ماحول اور سوسائٹی بے دین ہے۔ تو یہاں بھی ہمارے سامنے دین دار آدمی کو دوزخ سے بچ کر جنّت تک جانے کے لیے یہ سوسائٹی کا پہاڑ ہے جو روک رہا ہے ـــــ اس سوسائٹی کے پہاڑ سے گزرنے کے لیے صرف دو ہی راستے ہیں کہ ہم اتنی محنت کریں کہ اس پہاڑ پر چڑھ جائیں اور دوسری طرف اتر جائیں ـــ جنّت کی طرف ـــ اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسرا راستہ یہ بھی ہے کہ ہم اس سوسائٹی کو بدلنا شروع کریں، اسے تھوڑا تھوڑا دین دار بنانا شروع کریں۔ تو جب سوسائٹی دین دار بن جائے گی تو جیسے پہاڑ راستہ دے دیتا ہے بلکہ دُشمن سے ہماری حفاظت کرتا ہے، ویسے ہی جب سوسائٹی دین دار بن جائے گی تو اس سوسائٹی میں رہنے والے ہر شخص کے لیے دین دار بننا آسان ہو جائے گا۔

تو اب یہ سوسائٹی دین دار کیسے بنائی جائے ___؟ تو اس سوسائٹی کو دین دار بنانے کے لیے میں پچھلے تین دنوں سے آپ کے سامنے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ جب تک ہم زندگی کو آگے رکھیں گے اور دین کو پیچھے رکھیں گے تب تک ہماری سوسائٹی بے دین رہے گی۔ اور اگر دین دار ہوگی بھی تو کہیں دین دار رہے گی اور کہیں بے دین رہے گی۔ لیکن اگر ہم دین کو مقدم کر دیں، دین کو آگے کر دیں، دین کو سردار مان لیں اور زندگی کو اس دین کے پیچھے چلنے کا پابند کر دیں تو سوسائٹی خود بخود دین دار بن جائے گی۔

میں نے اس بات کی تفصیل میں آپ کے سامنے ایک دن یہ بیان کیا تھا کہ بچّے کو جب ہم تعلیم کے لیے بھیجتے ہیں تو وہاں بھی ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ تعلیم پر دین مقدم ہے۔ جب ہم زندگی میں روزی کمانے کے مرحلہ پر آئیں تو وہاں بھی یہ دیکھنا چاہیئے کہ روزی کمانا ہے اور بے شک کمانا ہے اور روزی تو ملنے ہی والی ہے لیکن جس طرح، جس ذریعہ سے ہم کو روزی حاصل کرنا ہے اس میں روزی مل جانے کی لالچ کو آگے نہیں کرنا ہے بلکہ دین کو آگے کرنا ہے۔

میری کل کی تقریر اگر آپ کے پیشِ نظر ہے، ذہنوں میں محفوظ ہے، میری کہی ہوئی باتیں آپ ایک دن میں بھول نہیں گئے ہیں، تو میں نے بڑی تفصیل سے آپ کے سامنے یہ بات کہی ہے کہ مذہب وہاں سے نگرانی کرنا چاہتا ہے جہاں سے زندگی جنم لینا شروع کرتی ہے یہیں سے ماحول دین دار رہے، یہ جو زندگی جنم لے رہی ہے یہ ذکرِ خدا کے درمیان جنم لے، یہ زندگی جب جنم لے رہی ہو تو اس وقت حیوانیت نہیں پیدا ہو جائے، بلکہ حیوانیت پر اس وقت بھی روحانیت طاری رہے۔ اس وقت یہ تصور نہ پیدا ہو جائے کہ ہم آزاد ہو گئے ہیں بلکہ تصوّر یہ رہے کہ ہم احکامِ الٰہی کے مطابق ایک عبادت انجام دے رہے ہیں۔

"ان لوگوں کو یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ خدا ایک نامناسب، ایک انتہائی غلط اور حرام کام کی اجازت دے دے گا، اور اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا؟"

کہا: مولا پھر بتایئے کہ آدمؑ کی اولاد آگے کیسے بڑھی۔ ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم دوسروں کو بتائیں۔

فرمایا: ہم نے تم سے پوچھا ہی اسی لیے ہے تاکہ تم ہم سے سنو اور دوسروں تک پہونچاؤ۔ ورنہ ہم تو جانتے ہی ہیں۔ کہا: اللہ نے ایک حور بلائی اور اس سے جناب آدمؑ کے ایک بیٹے کی شادی کر دی۔ ایک عورت جنوں میں سے بلائی اور اس سے ایک بیٹے کی شادی کر دی۔ اور یوں دونوں سے اولادیں چلیں اور اس کے بعد نسل بڑھتی چلی گئی۔

تو میں نے یہ دو باتیں جو میرے اس وقت کے موضوع سے متعلق نہیں نہیں، فقط اس لیے سنادیں کہ واقفیت اور معلومات میں یہ بات رہے تاکہ اگر کبھی بھی ہمارے بچّوں کے سامنے غلط روایت پیش کی جائے تو انھیں معلوم ہو کہ آلِ محمدؐ نے ہمیں کیا تعلیم دی ہے۔

صلوات

بہر حال جہاں سے میں نے بات شروع کی تھی وہ یہ تھی کہ آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا ہے۔ جناب آدمؑ جنّت میں اکیلے تھے تو جب تک حوّا پیدا نہیں ہوئیں تب تک آپ کو جنت میں رہنے کا مزہ نہیں آیا، اور آپ کتابوں میں یہ بھی پڑھیں گے کہ جب جناب آدم اور جناب حوّا زمین پر بھیجے گئے تو آدمؑ الگ بھیجے گئے حوّا الگ بھیجی گئیں۔ جناب حوّا کی قبر آج بھی جدّہ میں ہے۔ جدّہ ایک لفظ ہے جس کے معنی ہیں دادی۔ جد یعنی دادا، جدّہ یعنی دادی۔ تو جدہ کا نام ہی اسی لیے پڑا ہے

کل کی اور پرسوں کی اور اس سے پہلے دنوں کی تقریروں کو میں آپ کے سامنے آج دُہرانا نہیں چاہتا لیکن میری عادت ہے کہ میں اپنی پچھلی تقریروں کا ایک ضروری خلاصہ اپنی تقریر کے شروع میں اس لیے بیان کرتا ہوں تاکہ نئے آنے والے ذہنوں کو ایک رابطہ پیدا ہو جائے کہ میں کیا کہہ چکا ہوں اور پُرانے سننے والوں کو پچھلی باتیں تھوڑی بہت یاد آجائیں پھر اگلا سبق شروع ہو۔

تو اتنے تذکرے کے بعد آج میں آپ کے سامنے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سوسائٹی کو دین دار بنانے کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ سماج کے دو گروپ اور دو طبقے ایسے ہیں کہ اگر ان کو دین دار بنا دیا جائے تو سوسائٹی کو دین دار بنانا بہت آسان ہوتا ہے۔ ایک قوم کے نوجوان اور نوجوانوں کو دین دار بنا دیا گیا اور دوسری قوم کی عورتوں کو دین دار بنا دیا گیا۔ آپ یقین مانیے کہ سماج میں بڑا حصہ ہوتا ہے عورتوں کا اور سماج میں بڑا حصہ ہوتا ہے نوجوانوں کا ــــ جتنی قومیں بنی اور بگڑی ہیں اگر آپ ان کی تاریخ پڑھیں گے تو جس قوم کی عورتیں بگڑ جاتی ہیں وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ جس قوم کے نوجوان بگڑ جاتے ہیں وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے اور جس قوم کے نوجوانوں میں زندگی نئی اُمنگوں کے ساتھ ابھرتی ہے وہ مُردہ قوم دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے اور جس قوم کی عورتیں حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھتی ہیں وہ قوم پھر کبھی پیچھے نہیں ہٹتی۔

تو میں اس سلسلے میں آج کی تقریر میں خاص طور سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری توجہ ہونا چاہیئے اس بات کی طرف خاص طور سے کہ ہمارا نوجوان دین دار بن رہا ہے یا نہیں بن رہا ہے اور ہمیں اس بات کی بھی نگرانی کرنا چاہیئے اور یہ بھی دیکھتے رہنا چاہیئے اور بالکل کھلی آنکھوں کے ساتھ جیسے کوئی سخت پہرا دینے والا چوکنا ہو کر پہرا دیتا رہتا ہے اور نگرانی کرتا رہتا ہے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے گھروں کی عورتیں دیندار

بن رہی ہیں یا نہیں ؟ یہ دو باتیں کہنے کے لیے آج میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں۔ اگر ان دو باتوں کو بیان کر سکا تو پھر کوئی تیسری بات بیان کروں گا ورنہ آج کی تقریر میں کم از کم ان دو باتوں کو مکمل کرنا چاہوں گا۔

صلوات

میں اپنے تذکرہ میں سب سے پہلے اس نکتہ کو آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں کہ نوجوان اور جوان کا دین دار ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بات میں اس لئے کہتا ہوں کہ ہمارا سماج بگڑتے بگڑتے ـــــ بگڑتے بگڑتے اس منزل پر آگیا ہے کہ نوجوان کو نوجوانی میں ہر طرح کی آزادی حاصل ہونا اس کا حق قرار دیا گیا ہے۔ یہ باتیں کہاں سے پیدا ہوتی ہیں؟ کبھی ماں باپ ناراض ہوتے ہیں لڑکا نالائق ہو گیا۔ لیکن لڑکا بڑی دیر میں نالائق بنتا ہے۔ پہلے ماں باپ اس کو نالائق کرنا شروع کرتے ہیں۔ ایک صاحب سے میں نے پوچھا:

"کہیئے۔ آپ کا بچّہ نماز پڑھتا ہے؟" تو جواب دینے کے بجائے وہ ہنس دیے۔

ہم نے پوچھا: آپ کا بچّہ نماز پڑھتا ہے۔ ۱۵ سال کا ہو گیا ہے نماز واجب ہے۔ ۱۶ سال کا ہو گیا ہے نماز واجب ہے۔ ۱۷ سال کا ہو گیا ہے نماز واجب ہوئے تین سال ہو گئے ہیں، دو سال ہو گئے ہیں، نماز پڑھتا ہے؟

تو جواب دینے کے بجائے وہ ہنسے تو ہم کو رُکنا پڑا کہ کوئی بڑی اہم بات سامنے آنے والی ہے۔ ہم نے کہا:

"ہنسے کیوں؟"

کہا: ابھی کیسے پڑھے گا؟"

ہم نے کہا: "بالغ ہو گیا ہے نماز واجب ہے۔"

کہا: "یہ بات تو ٹھیک ہے۔ مگر ہمارا لڑکا ہے، جب ہم نے بالغ ہو کر نہیں پڑھی

اب جب بڑھاپا شروع ہوا ہے تو ہم نے پڑھی ہے تو یہ بھی جب ہماری طرح بوڑھا ہو گا تو یہ بھی پڑھ لے گا۔"

تو یہ بات کیا ہے ___ ؟ یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں یہ وہ سلوپوائزن ہے جو ہم اپنے مذاق میں، اپنی تفریح میں، اپنی باتوں میں کہتے ہیں لیکن یہ چھوٹے چھوٹے، ننھے ننھے بچے دماغ ان باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ میں خود اگر آج اس سن تک پہونچا ہوں تو ایسا نہیں ہے کہ میری عمر ہمیشہ یہی تھی۔ جو میرے سامنے نوجوان بیٹھے ہیں، بچے بیٹھے ہیں، تو میں بھی بچہ رہا ہوں، میں بھی کبھی نوجوان رہا ہوں ___ تو آپ یقین مانیے کہ میں اپنی خوش قسمتی سے ایسے ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا تھا جنھوں نے میری پیدائش سے پہلے یہ تمنا کی تھی کہ اگر لڑکا ہو گیا تو ہم اسے علم دین سکھائیں گے اور میں آپ کے سامنے اس بات کی وضاحت بھی کر دوں گا کہ میرے باپ عالم دین نہیں تھے۔ وہ سنہ ۸ء اور سنہ ۹ء کے علی گڑھ کے بی۔ اے پاس تھے، وہ انسپکٹر آف اسکولس تھے۔ لیکن ان کے دل و دماغ میں یہ تمنا پیدا ہو گئی تھی، اس لیے کہ مجھ سے پہلے ان کی جتنی اولادیں پیدا ہوئیں یا وہ بیٹے تھے جو مر گئے یا وہ بیٹیاں تھیں جو زندہ رہیں! ___ تو ان کے دل میں پیدائش سے پہلے یہ تصور پیدا ہو گیا تھا یہ تمنا پیدا ہو گئی تھی کہ پالنے والے! اگر تو نے لڑکا دے دیا تو میں اسے علم دین سکھاؤں گا۔

میں آپ سے یہ کہتے ہوئے نہیں شرماؤں گا کہ میرا پورا خاندان کل بھی انگریزی داں تھا اور آج بھی انگریزی داں ہے۔ میرے خاندان کے اکثر افراد کل بھی اچھی اچھی سروسوں پر تھے آج بھی اچھی سروسوں پر ہیں ___ تو ہم اپنے خاندان سے ذرا ہٹ کے راستے پر چلے۔ جب ہٹ کے راستہ پر چلے تو کیسے چلے؟ اس لیے چلے کہ ہمارے ماں باپ نے ہماری پیدائش سے پہلے یہ نیت کی تھی کہ وہ ہم کو علم دین سکھائیں گے۔

آپ کو حیرت ہو گی، مگر حیرت نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں میں اپنے مرحوم والدین کے

حالات کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ تذکرہ اس لیے کر رہا ہوں کہ وہ مجھے پال گئے ہیں اور جو آج پال رہے ہیں وہ سُنیں اور سیکھیں کہ کیسے پالنا چاہیے اور والدین کی نیت اور ارادوں کا اثر اولاد پر کتنا پڑتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بچپنے سے ہماری نگرانی اس طرح کی کہ کبھی کسی ایسے کھیل میں شرکت کی اجازت ہی نہیں دی جو ذہن کو دین سے دُور کر سکے۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ لکھنؤ کا رہنے والا، لکھنؤ کے ضلع اور دیہات کا رہنے والا آدمی اور میں اپنے بچپنے میں پتنگ بھی نہیں اڑا سکا۔ اس لیے کہ میرے باپ نے نگرانی کی کہ اگر ہم اس کو سماج کے، سوسائٹی کے دھارے میں جانے دیں گے تو یہ کچّا دل اُدھر متاثر ہو جائے گا۔ تو جس مقصد کی طرف ہم اس کو لے جانا چاہتے ہیں ادھر نہیں جائے گا۔ اس وقت میں جو انگریزی لباس قرار دیا جاتا تھا انھوں نے مجھے کبھی پہننے نہیں دیا۔ یعنی میں اب تو مولوی ہو گیا مگر جب میں مولوی نہیں تھا تو میں نے زندگی میں کبھی کوٹ نہیں پہنا۔ اور اب تو میں دُنیا سے چلا جاؤں گا پتلون پہننے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

تو میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتی تھیں، لیکن آج سمجھ میں آتی ہیں کہ انھوں نے لباس پر پابندی کی۔ کبھی میرے بال انھوں نے بڑے نہیں ہونے دیے۔ جیسے مولویوں کے چھوٹے بال ہوتے ہیں گھٹا ہوا سر، ویسا ہی انھوں نے بال رکھے۔ یعنی وہ نگرانی کرنا چاہتے تھے کہ اگر ہمیں علم دین پڑھوانا ہے تو ہم کو اپنے بچّے کو بچپنے سے اس ماحول سے الگ رکھنا ہے جو اس کے ذہن کو دین و دُنیا میں ملا کے ایسا مبہوت کر دے کہ یہ طے نہ کر سکے کہ کدھر جانا ہے۔ ___ تو بس اسی طرح سے ہم میں سے ہر ماں ہر باپ کو یہ بات دھیان میں رکھنا چاہیے کہ اگر ہم اپنی اولاد کو دین کے ذریعہ جنت تک پہونچانا چاہتے ہیں تو یہ نہیں ہے کہ جب ستّر سال کا ہو جائے گا، جب چالیس سال کا ہو جائے گا تب پابند دین بنے گا نہیں! پہلے ماں کو، باپ کو خود دین دار بننا پڑے گا، وہیں سے یہ نگرانی کرنا پڑیگی ___

کہ ہمارے بچے کی زندگی کے کسی دروازے سے، کسی کھڑکی سے، کہیں سے اس کی زندگی میں بے دینی داخل نہ ہونے پائے۔

تو میں آپ کی خدمت میں جو گزارش کر رہا تھا وہ بات درمیان میں رہ گئی۔ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں بھی جب بچپنے اور نوجوانی کی حدوں میں تھا تو میں نماز اس لیے پڑھتا تھا کہ میرے گھر میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ اور ان ماں باپ کی نگرانی میں جو مجھ کو علمِ دین پڑھوانا چاہتے تھے، یہ ممکن ہی نہ تھا کہ میں نماز نہ پڑھوں ـــــ لیکن ٹھہریے! مجھے اپنا ذہن یاد ہے مجھے اپنا وہ دماغ یاد ہے کہ جب میں نماز پڑھتا تھا اور اپنی عمر کے دوسرے ہم سن لڑکوں کو نماز پڑھتے نہیں دیکھتا تھا ـــــ یہ چچا کا لڑکا ہے نماز نہیں پڑھتا ہے ـــ وہ ماموں کا لڑکا ہے نماز نہیں پڑھتا ہے۔ وہ اور رشتہ دار ہے نماز نہیں پڑھتا ہے۔ پندرہ ہماری عمر والے ہیں، ہم نماز پڑھ رہے ہیں بقیہ نماز نہیں پڑھ رہے ہیں ـــــ تو ہمارا ذہن سوچتا تھا کہ اگر نماز نہ پڑھنے سے کوئی نقصان ہوتا تو یہ کیوں نہ پڑھتے۔ وہ تو ہمارے ماں باپ کی سخت نگرانی تھی جو ہم نے نماز نہیں چھوڑی۔

تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب سب نماز پڑھنے والے ہوں گے تو بچہ یہ سوچے گا کہ اگر ہم نماز نہیں پڑھیں گے تو ہم کوئی برائی کریں گے اور جب سب نماز نہ پڑھنے والے ہوں گے تو آدمی یہ سوچے گا کہ جب ان کا بیڑا پار لگ جائے گا تو ہمارا بیڑا بھی پار لگ جائے گا ـــــ تو میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم سوسائٹی کو دین دار بنانا چاہتے ہیں تو انگریز کی چھوڑی ہوئی بدترین تہذیب کے نتیجے میں جو ہم نوجوانوں کو کنسیشن دیتے ہیں یہ کنسیشن دینے کے بجائے ان کو بچپن ہی سے، نوجوانی ہی سے پابندِ دین بنائیں۔

صلوات

عزیزانِ گرامی!

زندگی میں جو سابقے آتے ہیں ___ ایک جُملہ یاد آگیا ہے سُنا دیں آپ کا موڈ اچھا ہو جائے۔ بچّوں کا کیا ذکر ہے۔ ہم نے کہا، یہ بچّہ نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے۔؟ خیر! یہ تو ابھی بچّہ ہی ہے۔ مولوی صاحب! یہ پوچھئے کہ اس کا باپ بھی نماز پڑھتا ہے؟ ہم نے کہا اچھا باپ ہی سے پوچھ لیتے ہیں۔

کہا: "مولوی صاحب! کبھی پڑھ بھی لیتے ہیں، کبھی نہیں بھی پڑھتے ہیں"۔

اس جُملے کا مطلب ہم سمجھتے ہیں "کبھی پڑھ بھی لیتے ہیں کبھی نہیں بھی پڑھتے ہیں" اس جملے کا مطلب یہ ہے نہیں پڑھتے ہیں کبھی پڑھ لیتے ہیں۔ تو ہم نے کہا: بھائی نماز واجب ہے۔ کہا: صحیح ہے نماز واجب ہے۔ کون کہتا ہے کہ نماز واجب نہیں ہے۔ ہم نے کہا: روزہ نہ رکھو تو گناہ بھی ہے، قضا بھی ہے، کفارہ بھی ہے۔ کہا: ہاں ہاں۔ ہم کب کہتے ہیں کہ نہیں ہے۔ ہم نے کہا: کماتے ہو تو زکاۃ، فطرہ، خمس نکالو۔ کہا: ہاں ہاں صحیح فرماتے ہیں آپ۔! تو ہم نے پوچھا: تو آپ کرتے کیوں نہیں ہیں؟ تو جب ہم رات دن ان کو لگے تو ایک دن انھوں نے کہا:

"جناب! ہم کوئی مُلّا مولوی ہیں؟ روز آپ صبح و شام دوڑائے رہتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکاۃ نکالو، خمس نکالو۔ یہ کرو اور وہ کرو۔ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے۔ یہ نجس ہے اور یہ پاک ہے ___ تو جناب، آپ مُلّا مولوی ہیں، آپ کا فریضہ ہے اور آپ کی ڈیوٹی ہے۔ آپ منبر پر جاتے ہیں تو آپ حرام اور حلال کو دیکھیں، ہر واجب کو ادا کریں، ہر گناہ کو چھوڑ دیں۔"

"جناب! ہم کوئی مُلّا مولوی ہیں؟"

اور یہ سماج جب اور بگڑا تو پہلے مومن نے کہا: ہم تو مجلس سننے والے مومن ہیں، کوئی

مُلّا مولوی تھوڑے ہیں جو بالکل دین کے پابند ہو جائیں۔

جب ہمارے ایسے بے عمل آدمی منبر پر آنے لگے تو بات اور آگے بڑھ گئی ــــ "جناب! ہم تو مجلس پڑھتے ہیں نماز تو نہیں پڑھاتے؟!"

سوسائٹی نے تصدیق کر دی کہ جناب وہ تو خطیب ہے اس کے کیریکٹر کو کیا دیکھنا ہے، خالی خطابت کو دیکھنا ہے! تو آپ سوچیے جب مذہب خالی خطابت بن جائیگا تو عمل کہاں سے پیدا ہو گا، دین داری کہاں سے پیدا ہو گی؟!

کوئی صاحب منبر پر آتے ہیں، نماز نہیں پڑھاتے ہیں تو ان کو کنسیشن مل گیا۔ آپ مُلّا مولوی نہیں ہیں آپ کو کنسیشن مل گیا اور ہم مُلا مولوی ہیں مگر خطیب ہیں، ذاکر ہیں تو ہمیں کنسیشن مل گیا۔ اب باقی کون بچا؟ بے چارہ پیش نماز۔!!

تو جتنا آپ سرکل سمیٹتے جائیں گے اتنی ہی سوسائٹی بے دین ہوتی جائے گی۔ مذہب ہم سے کیا کہتا ہے؟ مذہب ہم سے یہ کہتا ہے کہ ہر مسلمان کا پابند دین ہونا ضروری ہے۔ خالی مُلا مولوی کا پابندِ دین ہونا کافی نہیں ہے۔ میں ایک لفظ آپ کو یاد دلاؤں ــــ؟ کوئی بھی آدمی پیش نماز ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ اگر تین شرطیں نہیں پائی جاتیں تو پیش نماز نہیں ہو سکتا۔ نماز جماعت نہیں پڑھا سکتا۔ اور اگر تین شرطیں پائی جائیں تو جس میں وہ تین شرطیں پائی جائیں وہ نماز جماعت پڑھا سکتا ہے۔ وہ تین شرطیں کیا ہیں؟

پہلی شرط یہ ہے کہ خود نماز صحیح پڑھتا ہو۔ اگر کوئی آدمی نماز صحیح نہیں پڑھتا ہے تو اسے پیش نمازی کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس میں بات آپ یہاں تک سنیں گے کہ اگر نماز پڑھانے والا کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، کوئی تکلیف ہے تو وہ ان لوگوں کا پیش نماز نہیں ہو سکتا جو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ اگر ایک آدمی ایسا ہے جو مجبوری کی بنا پر

وضو نہیں کر سکتا ہے، غسل نہیں کر سکتا ہے، تیمم سے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ ان لوگوں کا پیش نماز نہیں بن سکتا جو وضو اور غسل کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یعنی جو عبادت خدا میں آگے ہیں ان کا پیش نماز وہ نہیں بن سکتا ہے جو عبادتِ خدا میں پیچھے ہے۔ اور یہاں بھی مذہب نے "لیڈیز فرسٹ" والی بات الٹ دی۔ مرد، مردوں کو بھی نمازِ جماعت پڑھا سکتا ہے اور عورتوں کو بھی نمازِ جماعت پڑھا سکتا ہے لیکن عورت، عورتوں کو نمازِ جماعت پڑھا سکتی ہے، مردوں کو نمازِ جماعت نہیں پڑھا سکتی۔ تو کم سے کم اس مسئلہ سے اتنا تو پتہ چلا کہ پیش نماز عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ تو میری بہنو! کیا اچھا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں وہ عورتیں پیدا ہو جائیں جو پیش نمازی کر سکیں ___ سوچیے اگر پیش نماز عورتوں کی گود میں بچے پلیں گے تو وہ بے دین کیسے ہوں گے۔ دین دار ہی تو ہوں گے۔ صلوات

اور یہاں بھی لیڈیز فرسٹ کا اصول الٹ جائے گا کہ اگر جماعت برابر کھڑی ہو تو جہاں تک نمازِ جماعت ہو گی، مردوں کی جماعت آگے ہو گی، عورتوں کو ان کے پیچھے کھڑا ہونا ہے۔ اور دیکھیں یہاں بھی مذہب کی نگاہیں کدھر جا رہی ہیں؟ اگر عورتوں کو آگے کھڑا کر دیا جائے اور مرد پیچھے کھڑے ہوں تو نماز میں بھی قلب و دماغ میں ایسے بدترین خیالات آ جائیں گے کہ یہ محسوس نہیں ہو سکے گا کہ ہم کسی مسجد میں عبادت کے لیے جمع ہوئے ہیں یا معاذ اللہ کسی پکچر ہال میں کھڑے ہیں؟

اور اگر درمیان میں پردہ ڈال دیا جائے تب بھی نماز ہو جائے گی۔ مردوں کی نمازِ جماعت میں درمیان میں اگر کوئی چیز حائل ہو جائے کہ سلسلہ ٹوٹ جائے تو جن کا سلسلہ ٹوٹ جائے ان کی نماز نہیں ہو گی اور اس سلسلے کے ٹوٹ جانے کے سلسلے میں ایک مسئلہ سننے کے قابل ہے وہ یہ کہ اگر مثلاً اگلی صف میں ___ اگلی صف کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ پچھلی صف والا اپنے آگے سے بھی جوڑ سکتا ہے اپنے کو اور اپنے برابر والے سے بھی جوڑ سکتا ہے اپنے کو۔ لیکن

اگلی صف والا اپنے برابر والے سے جوڑ سکتا ہے۔ اس کے آگے تو کوئی ہے نہیں۔ تو کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان ایک آدمی بیٹھ جائے تو فاصلہ زیادہ نہیں ہے نماز صحیح رہے گی۔ لیکن اگر یہ بیٹھنے والا آدمی مثلاً اگر اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور چار رکعت نماز کی جماعت ہو رہی ہے، دو رکعت نماز ادا کر کے کوئی اپنی فرادی نماز شروع کر دے تو یہ اس کی فرادی نماز حائل ہو جائے گی اس کے آگے جو لوگ ہیں ان کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ تو مردوں میں اگر حائل پیدا ہو جائے تو جماعت ختم ہو جاتی ہے لیکن عورتوں کے لیے پردہ بھی اگر ہو تو نماز صحیح رہے گی۔ وہ پیچھے پڑھیں یا اوپر کی منزل میں پڑھیں نماز صحیح رہے گی۔

تو بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔ میں آپ کی خدمت میں یہ بات عرض کرنا چاہتا تھا کہ پیش نماز میں تین باتیں ہونا چاہئیں۔ پہلی بات یہ ہونا چاہیے کہ نماز صحیح پڑھتا ہو۔ صحیح نماز پڑھنے کے سلسلے میں میں نے آپ کے سامنے چند باتیں بیان کیں کہ پیچھے نماز پڑھنے والا کوئی ایسا نہیں ہونا چاہیے جس سے یہ آگے بڑھانے والا کمزور پڑ جائے۔ مثلاً ایک آدمی ہے جو ہکلا کے بولتا ہے، جلدی نہیں بول پاتا ہے، بولنا چاہتا ہے تو دو مرتبہ "بو-بو" بولتا ہے پھر "بو" بولتا ہے۔ تو اب ظاہر ہے کہ جب وہ نماز پڑھے گا تو ایسے ہی پڑھے گا: "اَل...اَل... اللہ اکبر" تو وہ جتنے ہکلے ہیں ان کی جماعت پڑھا سکتا ہے لیکن جو صاف زبان والے ہیں ان کی جماعت نہیں پڑھا سکتا۔ یعنی جو آگے کھڑا ہو رہا ہے اس کی کوالٹی پیچھے کھڑے ہونے والے سے کمزور نہ ہونے پائے۔

ذرا سوچیے جس مذہب میں نماز جماعت کے پیش نماز کو جماعت سے کمتر نہیں رکھا گیا ہے اس مذہب میں اس کی کہاں گنجائش ہے کہ اس کا نبی یا امام اُمّت سے کمزور پڑ جائے۔!

صلوات

تو میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ پیش نماز ہونے کی پہلی شرط یہ ہے

کہ نماز اس کی صحیح ہو ....

کچھ تو بولیے! کبھی کبھی ہم مجمع کو بلواتے اس لیے ہیں کہ جب مجمع بولتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہم آپ ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ہم بھی منبر پر بیٹھے ہیں آپ بھی مسجد میں بیٹھے ہیں مگر ہمارا بھی دماغ چل رہا ہے اور آپ کا ذہن بھی چل رہا ہے۔ دماغ چل جانا اُردو میں غلط محاورہ بھی ہے، مثلاً کہا کہ "فلاں آدمی کا دماغ چل گیا ہے"۔ یعنی وہ پاگل ہو گیا ہے۔

ہماری طرف جہاں بہت سی غلط باتیں رائج ہیں وہاں ایک بات یہ بھی رائج ہے کہ جب مولوی صاحب لڑکی کے پاس اجازت کے لیے جاتے ہیں کہ میں تمہارا نکاح فلاں کے ساتھ پڑھ دوں، تم مجھے وکیل کرتی ہو۔ تو بے شرمی ہے اگر وہ جلدی سے اجازت دے دے۔ میں یہاں کی بات نہیں جانتا، اپنے یہاں کی بات جانتا ہوں۔ تو اس وقت جب مولوی صاحب اجازت لینے کے لیے پہونچیں گے تو آپا جان اور پھوپھی جان اور خالہ جان اور نانی جان اور جتنی جان ہیں سب لڑکی کو گھیرے ہوئے ہیں کہ جلدی 'ہاں' نہ کرنے پائے یعنی شادی طے ہوئی ہے لڑکی کو معلوم ہے کوئی بے شرمی نہیں ہے، ہونے والے شوہر کا فوٹو دکھا دیا گیا ہے کوئی بے شرمی نہیں ہے۔ بارات آگئی ہے کوئی بے شرمی نہیں ہے اور اب ہماری بات تو چھوڑ دیئے بمبئی کی بات سُنیے! یہاں تو نسبت طے ہونے کے بعد انگوٹھی اور ساڑی ___ اگر انگوٹھی اور ساڑی آپ کو بُری لگ گئی ہو تو میں آپ سے معافی مانگے لیتا ہوں ___ سوری (Sorry) ___ لیکن اس سوری کے بعد بھی مجھے ساڑی کی بات کرنا ہے۔ تو یہ کیا ہوا ہے کہ ابھی شادی نہیں ہوئی، کہا کہ لڑکی اور لڑکا گھومنے گئے ہیں۔ تو یہ اس سے بدتر، یہ اس سے بدتر ہے۔ میں ایک جملہ کہوں گا سمجھنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی آدمی سمندر میں غوطہ لگانا چاہتا ہے اور اس کو پانی میں ڈوبے

کہ اس کے نزدیک جناب حوّا کی قبر ہے، اور روایتوں میں جناب آدمؑ کے اُترنے کے سلسلے میں جو تذکرہ ہے ان میں بہت سے مقامات ہیں، لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ جناب آدم جو اُتارے گئے تھے وہ لنکا یا اس کے قریب کی کوئی جگہ تھی جہاں آپ تشریف لائے تھے۔ بہرحال، تو اب جنّت میں ساتھ رہنے والے الگ ہو گئے، تو جناب آدم حوّا کو یاد کر کے روتے تھے اور حوا جناب آدم کو یاد کر کے روتی تھیں۔

یہ بات پھر میں اس لیے سُنا رہا ہوں کہ آدمی اکیلے رہنے میں تکلیف محسوس کرتا ہے، تو جب ساتھ رہنے والے الگ الگ ہوئے تو پھر انھوں نے تکلیف محسوس کی۔ میں اس بنیادی بات کے بعد آپ کی خدمت میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا ہے تو وہ ساتھی ڈھونڈھتا ہے —— دو آدمی ہو گئے، کسی بات میں ساتھ ہو گئے، ساتھ ہو گیا۔ اسی بات میں چار آدمی ہو گئے، چاروں کا ساتھ ہو گیا۔ مثال کے طور پر مجلس میں آنے کے لیے چلے۔ ایک آدمی کہیں سے چلا، ایک آدمی کہیں سے چلا لیکن سب کو امامباڑہ آنا تھا تو آتے آتے کوئی اِدھر سے آ رہا ہے کوئی اُدھر سے آ رہا ہے تو سب امامباڑہ میں آ کے جمع ہو گئے یا نہیں ہو گئے۔ چلنے والے الگ الگ جگہ سے چلے تھے لیکن چوں کہ درمیان میں ایک بات تھی کہ سب کو امامباڑہ کی مجلس میں آنا تھا، لہٰذا کوئی کہیں سے بھی چلا تھا یہاں آ کے جمع ہو گیا تو معلوم ہوا کہ جمع ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ اور جمع تبھی ہو گا جب دو آدمیوں کے درمیان یا دو سو آدمیوں کے درمیان یا دو کروڑ آدمیوں کے درمیان یا پوری دنیا کے آدمیوں کے درمیان کوئی ایک چیز ایسی ہو جو سب کے اندر پائی جاتی ہو —— جب آپ یہاں سے

گھنٹے، چھ گھنٹے، دس گھنٹے رہنا ہے تو وہ ایسا واٹر پروف لباس پہنتا ہے کہ وہ پانی کے اندر رہے مگر بھیگنے نہ پائے۔ تو بس اتنا یاد رکھیے گا کہ اگر ہم عورتوں اور مردوں کو ملنے کی جگہ دینا چاہتے ہیں تو دین کا اتنا واٹر پروف تقوی زندگی پر ہونا چاہیے کہ زندگی ملے مگر گناہ سے بھیگنے نہ پائے۔

تو بات کہیں سے کہیں نکل گئی ـــ کبھی مجمع نہیں بولتا، تو میں اس مجمع سے کہتا ہوں کہ جب ہم ایسی جگہ اجازت لینے جاتے ہیں تو جلدی ہم نے پوچھا کہ بھائی لڑکی اجازت نہیں دیتی کیا کریں؟ تو شریف بولتے ہیں شریف کہ ہمارے یہاں جلدی اجازت نہیں دی جاتی۔ بہت اچھا۔ دو مرتبہ پوچھا، چار مرتبہ پوچھا، چھ مرتبہ پوچھا تو ایک مرتبہ لڑکی نے کہا، "ہوں"۔ تو جب کبھی ہمیں ایسا مجمع مل جاتا ہے کہ جو ہماری مجلس میں ہمارے بلوانے پر بھی نہیں بولتا ہے تو ہم اس سے کہا کرتے ہیں کہ جب ہم کنواری لڑکیوں سے "ہوں" کرا لیتے ہیں تو آپ کوئی ان سے زیادہ اونچے تو نہیں جو نہیں بولیں گے۔

صلوات

تو بات میں بات نکل آئی تاکہ آپ کا موڈ ٹھیک رہے، ورنہ میں گزارش کر رہا تھا کہ پیش نماز ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ نماز صحیح ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو نماز سے متعلق مسائل معلوم ہوں۔ اب ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اسے یہی پتہ نہیں ہے کہ اگر رکعتوں میں شک ہو جائے تو کیا کرے۔ ایک آدمی آگے نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا اسے یہی پتہ نہیں ہے کہ سجدۂ سہو کہاں واجب ہوتا ہے، نماز احتیاط کیسے پڑھی جاتی ہے تو ایسے آدمی کو حق نہیں پہونچتا کہ وہ پیش نمازی کرے۔ دو باتیں ہو گئیں نماز صحیح پڑھتا ہو اور مسائل نماز جانتا ہو ـــ اب تیسری شرط کیا ہے وہ سنیئے۔ اسی کو سنانے کے لیے مجھے اتنی دیر لگ گئی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیش نماز عادل ہو۔

عادل ہونے کے معنی کیا ہیں؟ عادل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گناہِ کبیرہ نہ کرتا ہو۔ گناہ کبیرہ یعنی بڑے گناہ، ان کی عام مشہور ترین تعریف یہ کی گئی ہے کہ جن گناہوں کی سزا میں اللہ نے یہ تذکرہ کیا ہے کہ اس گناہ کرنے والے کو آگ میں ڈال جائے گا۔ تو جن گناہوں کی سزا آگ ہے آگ تو وہ گناہ کبیرہ ہیں اور جن گناہوں کی سزا میں آگ کا تذکرہ نہیں ہے وہ گناہِ صغیرہ ہیں، چھوٹے گناہ ہیں۔

ایک مرتبہ امامؑ کے سامنے یہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ یہ چھوٹے گناہ ہیں، یہ بڑے گناہ ہیں۔ کہا: مگر چھوٹے گناہ کو کبھی چھوٹا گناہ مت سمجھنا بلکہ یہ سوچنا کہ کس بڑے کا گناہ کر رہے ہیں۔ میں بات سمجھا دوں مثال سے ـــ میرے سامنے بارہ سال کا بچہ بیٹھا ہے، میں نے اس کے سر پر ٹیپ ماری۔ بُرا کیا کہ نہیں کیا؟ بلا وجہ بچّے کو مارا۔ مگر لوگ کہیں گے خیر، مولوی صاحب ہیں، بچہ ہے۔ ہم آگے بڑھے ایک ۱۸ سال کا لڑکا تھا، ایک ہاتھ اسکے سر پر مار دیا۔ لڑکے نے غور سے دیکھا، ابھی نواکھیں کئی مجلسیں پڑھنا باقی ہیں ـــ خیر جانے دو مُلّا صاحب ہیں ـــ آگے ایک آدمی کھڑا تھا پچاس سال کا بوڑھا، اب ہمارا ہاتھ تو صاف ہو چکا ہے ـــ تو سارا مجمع گھورنے لگا کہ ہوا کیا ہے۔ تو خدانخواستہ، خدانخواستہ اگر میں کسی عالمِ دین کے طمانچہ مار دوں تو دیکھئے میں نے بچّہ کو بھی مارا ہے، میں نے لڑکے کو بھی مارا ہے میں نے ۵۰ سال کے بوڑھے کو بھی مارا ہے اور میں نے عالمِ دین کو بھی مارا ہے تو پوری سوسائٹی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ خطا ایک ہے مگر جتنے بڑے کو مارا اتنا ہی گناہ بڑھتا چلا گیا۔

تو معصومؑ نے کہا کہ ٹھیک ہے تم نے عام آدمی کی خطا کی وہ بھی گناہ ہے، ماں باپ کی خطا کی وہ بھی گناہ ہے۔ مگر چھوٹی سے چھوٹی خطا کی مگر اس خدا کی جو سب سے بڑا ہے۔ تو چھوٹی خطا کو بھی نہ سوچنا کہ چھوٹی خطا ہے۔ تو یہ سوچو کہ کس بڑے کا جرم کر رہے ہو، کس

بڑے کے حکم کی نافرمانی کر رہے ہو۔ صلوات

تو بات میں بات پھر نکل آئی ——— اور جو میں کہنا چاہتا تھا وہ بات ابھی تک نامکمل رہ گئی۔ نامکمل کو مکمل کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تیسری شرط پیش نماز کی یہ ہے کہ عادل ہو۔ یعنی گناہ کبیرہ نہ کرتا ہو اور گناہ صغیرہ اگر ایک مرتبہ ہو جائے تو دوبارہ اس سے نہ ہو ——— یہ کس کی شرط ہے؟ پیش نماز کی۔ اور ہم کہاں سے چلے ——— کہ بچّہ کی جب بات ہوئی تو ہم نے کہا کہ جناب ابھی تو یہ بچّہ ہے۔ جب بچّے کے باپ کی بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ جناب ہم کوئی مُلّا مولوی ہیں۔ جب مُلّا مولوی کی بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ جناب ہم کوئی نماز پڑھاتے ہیں ——— یہ سارے کنسیشن غلط ہیں۔

پیش نماز کے لیے جس عدالت کی شرط ہے، مذہب کہتا ہے ہر مسلمان کا کیریکٹر ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ عادل ہو۔ اسلام میں جو عادل نہیں ہے اس کی گواہی قبول نہیں۔ علماء کی نگاہ میں جو شخص عادل نہیں ہے اس کا یہ فریضہ ہے کہ وہ طلاق میں گواہ بنایا جائے تو نہ بیٹھے۔ اس لیے کہ دو عادلوں کی گواہی میں طلاق ہو گا لہٰذا اس کو وہاں سے اُٹھ جانا چاہیئے اگر وہ خود عادل نہیں ہے۔

تو ہم جس کو پیش نماز قرار دینا چاہتے ہیں، شریعت اور مذہب اور خدا اور نبیؐ اور امامؑ ہر مسلمان مرد اور عورت کو اتنا ہی دین دار دیکھنا چاہتے ہیں جتنا ہم پیش نماز کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ذرا سوچیے! وہ سوسائٹی کتنی اونچی سوسائٹی ہو گی جس میں ہر مسلمان کا کیریکٹر پیش نمازی کے برابر ہو گا تو پھر اس سوسائٹی کا پیش نماز کیسا ہو گا۔

یہ بات روز آتی ہے۔ ۲۲ سال ہو گئے ہم کو مسلسل محرم میں بمبئی میں مجلس پڑھتے ہوئے، یہ بات روز آتی ہے کہ جناب ہم تو کوئی مُلّا مولوی نہیں ہیں۔ کیسے کیسے ملتے ہیں! کمر لاؔ لیے جا رہے ہیں، مُلّا ڈلیے جا رہے ہیں۔ نہیں ہم مثال دیتے ہیں کسی واقعہ کو نہ سوچیے

کہا: "مولوی صاحب چائے پیجیے گا؟"

ہم نے پوچھا: "یہاں کہاں چائے ملے گی؟"

"یہ سامنے سُندرلال ٹی اسٹال ہے تو! اور مولوی صاحب ہم جب کبھی اس لائن سے گزرتے ہیں یہاں ضرور پیتے ہیں، بڑی مزے دار ہوتی ہے ___ لائیں مولوی صاحب آپ کے لیے۔؟"

یہ ہمیں لائے ہیں مجلس پڑھوانے کے لیے، یہ ہمیں پہونچانے آئیں گے مجلس پڑھوانے کے بعد اور ان کو اس پورے سفر میں یہ خیال نہیں کہ جس کے لیے ہم مجلس پڑھوا رہے ہیں اس نے کہا ہے کہ نجس نہ کھانا۔ تو ہم نے کہا:

"بھائی! ہم نجس چائے نہیں پیتے۔"

کہا: "ہاں... ہاں ... ہم بھول گئے۔ مُلّا صاحب تو مُلّا صاحب ہیں"۔

ہم نے کہا: ملا صاحب ہی نہیں، آپ کے لیے بھی نجس چیز کا کھانا حرام ہے۔"

کہا: "وہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر اپُن کوئی مُلّا نہیں ہے۔"

تو ہم نے کہا کہ نجس نہ کھاؤ۔ جواب ملا، ہم کوئی مُلّا نہیں ہیں۔ ہم نے کہا نماز قضا نہ ہونے پائے۔ کہا، بات ٹھیک ہے جناب، کوئی ہم مُلّا مولوی تو نہیں۔ ہم نے کہا: حج واجب ادا کرنے کے لیے جاؤ۔ کہا: کرلیں گے۔ کوئی ہم ملا مولوی تو نہیں ہیں ___

تو، ساری زندگی جب ہم نے دین کی بات کی، ہماری سوسائٹی نے ہم سے کہا ہم کوئی ملاّ مولوی تو نہیں ہیں ___ تو کل میدانِ محشر میں جب مر کے زندہ کیے گئے اور ہم آپ سب جنّت کی طرف چلے تو ملائکہ نے کہا:

مُلاّ مولوی الگ ہو جائیں، بقیہ الگ ہو جائیں ___ اور جو مُلاّ مولوی تھے ان سے کہا: ذرا آپ پیچھے ہٹ کے دور کھڑے ہوں ___ تو لوگ خوش ہوئے کہ آج تو ملاّ پیچھے ہٹا

اب یہ آگے بڑھنا شروع ہوئے ـــــ "کہاں جاؤ گے؟"

کہا: جنّت جائیں گے۔"

کہا: "کیا کوئی مُلّا مولوی ہو جو جنّت میں جاؤ گے؟"

تو یا تو یہ طے کر لیجیے کہ جنّت میں فقط مُلّا مولوی جائے گا، اگر آپ ریزرویشن کرا دیں تو مجھے کوئی انکار نہیں ہے۔ اور اگر جنّت میں فقط مُلّا مولوی کو نہیں جانا ہے بلکہ ہر شیعہ کو جانا ہے ہر اثنا عشری کو جانا ہے، ہر مومن کو جانا ہے، ہر مسلمان کو جانا ہے۔ تو خالی مُلّا مولوی کو دین دار نہیں ہونا ہے، سماج اور سوسائٹی کے ہر ممبر کو دین دار ہونا ہے۔

صلوات

میں نے چاہا تھا آج کی مجلس میں دونوں باتیں مکمل کر دوں کہ سوسائٹی کو دیندار بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم بچّہ کی نگرانی کریں کہ جب وہ نوجوان ہو تو دین دار ہو۔ میں نے ایک بات نا مکمل چھوڑ دی تھی اسے مکمل کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کو انگریز جو شیطانی تہذیب ورثے میں دے کر گئے ہیں اس میں یہ تصوّر پیدا کر دیا گیا ہے کہ جب تک لڑکا، لڑکا رہتا ہے اس کو بہت سی چیزوں کی چھوٹ رہتی ہے ـــــ کسی نے کسی کو گالی دیدی' ہم نے کہا: یہ کون ہے جو گالی دے رہا ہے؟ کہا: "ارے مولوی صاحب لڑکے ہیں"۔ ـــــ مولوی صاحب لڑکے نہیں ہیں ـــــ یعنی چھوٹ دلائی کہ یہ لڑکے ہیں ـــــ اور اب لڑکوں کا مزاج کیا پیدا ہو گیا؟ ہم چوں کہ سال بھر ہندوستان میں سفر کرتے رہتے ہیں لاکھ ریزرویشن کے ساتھ سفر کریں، مگر جب دو بلائیں آتی ہیں ... تو ہم زندگی میں روز سفر کرنے والے بھی گھبرا جاتے ہیں۔ یعنی جب ڈبّے میں نوجوان آنا شروع ہوتے ہیں اسٹوڈنٹ، تو آپ یقین مانیے ہم کو سمٹنا پڑتا ہے جہاں تک ہم سمٹ سکتے ہیں' اور ہم کو سُننا پڑتا ہے جہاں تک ہم سُن سکتے ہیں اور ہم کو دُعا مانگنی پڑتی ہے پالنے والے

وہ اسٹیشن جلدی آجائے جہاں یہ اُتر جائیں۔ اور دوسری اس سے بڑی بلا ہے ڈیلی پسنجر۔ ہم ریزرویشن کرا کے لکھنؤ کے لئے چلے اور ڈیلی پسنجر کو مناؤ تک جانا ہے، کیسا ریزرویشن؟ اور جتنے آئیں گے سب سلیپر کلاس میں، اس لیے کہ انہیں روز چلنا ہے۔ ڈھائی گھنٹے چلنا ہے، تین گھنٹے چلنا ہے تو یہ تکلیف کیسے اٹھائیں ــــ توہم تو کبھی ان سے بولتے نہیں ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ ہم نے ان کا حشر دیکھا ہے جو اُن سے بولتے ہیں۔ یہ ہماری سوسائٹی میں ایک نئی فرعونیت پیدا ہوئی ہے جس کا نام ہے میجارٹی! ــــ جب کسی کو یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ ہم میجارٹی میں ہیں تو وہ نہ قانون کو قانون سمجھتا ہے، نہ دین کو دین سمجھتا ہے، نہ وہ آدمی کو آدمی سمجھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم میجارٹی میں ہیں، اکثریت میں ہیں، جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ تو جمہوریت اچھی چیز ہے، مگر اس جمہوریت نے جس اکثریت کے تصوّر کو جنم دیا یہ بڑی نالائق اولاد ہے جمہوریت کی، جو آج پورے ملک کو تباہ و برباد کر رہی ہے۔

یہی میجارٹی مسجدوں میں بھی آتی ہے، یہی اکثریت مجلسوں میں بھی آجاتی ہے۔ ماتمی جلوسوں میں بھی آجاتی ہے ــــ اور جب آجاتی ہے تو جھگڑا ہوتا ہے۔ آپ کیسے اذان دیں گے؟ آپ یہاں کیسے نماز پڑھیں گے؟ آپ کیسے نوحہ پڑھیں گے ـ؟ آپ کیسے مجلس پڑھیں گے؟ میجارٹی میں ہم ہیں!!

اسلام کہتا ہے میجارٹی کوئی چیز نہیں ہے۔ سب سے طاقتور چیز حق ہے حق! ــــ اور کربلا والوں نے یزیدیت سے ٹکرا کر بتایا کہ ہم اکثریت کا ساتھ نہیں دیتے ہیں ہم حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

صلوات

تو میں اپنے بچّوں سے خاص طور سے کہنا چاہوں گا کہ آج اگر دوسری قوموں کے

بچے اکثریت کے چکر میں آ کے قانون اور دین اور شرافت چھوڑنا شروع کریں تو تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ تم حسینی بچے ہو، تم حسینی نوجوان ہو تم کو میجارٹی کی شیطنت میں نہیں آنا چاہیئے، تم کو حق کی دیانت اور ایمان داری میں آنا چاہیے۔

تو بات میں بات نکلتی گئی۔ میں آپ کی خدمت میں خاص طور سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو انگریز کی چھوڑی ہوئی تہذیب ہے کہ نوجوانوں کو، اسٹوڈنٹس کو کنیشن دے دیا جاتا ہے، چھوٹ دے دی جاتی ہے، یہ جس کو چاہیں ستادیں یہ جس کو چاہیں چھیڑ دیں، یہ جس کا چاہیں مال کھا جائیں۔ یہ سوسائٹی وہ سوسائٹی ہے کہ آپ یاد رکھیں جب ۱۲ برس سے لے کر ۲۲ برس تک ہمارا بچہ اسکول سے لے کے یونیورسٹی تک پڑھے گا اور اس کو یہ خیال رہے گا کہ ہمیں آزادی حاصل ہے ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں ــــــ جُملے بتائیں آپ کو ـــ؟!

مسجد میں ایک آدمی نے جاتے جاتے ۔ (مثال سُنا رہا ہوں)۔ دوسرے آدمی کی جیب سے ایک پن نکال لیا۔ سارا مجمع اس کی جان کو آجائے گا ــــ "چور ہے، چور ہے چور ہے ـــ" اور چھ لڑکے ایک ڈبّہ میں گھُسے اور ایک مسافر کی جیب سے پن نکال لائے، جب اسٹیشن پر اُترے تو کہا کہ یہ دیکھو پن مار کر لائے ہیں۔ یعنی دُنیا کے سارے سماج کا کوئی آدمی چوری کرے تو وہ چوری ہے لیکن نوجوان چوری کرے تو وہ چوری نہیں ہے۔ تو یہ کیا ہے ـ؟ ہم آپ کا کھانا کھا جائیں، کہا: مولوی صاحب عجیب آدمی ہیں!! اور لڑکے سارے پسنجرس کا کھانا کھا جائیں۔ ہم نے کہا، یہ کیا ہے؟ کہا: یہ تو ان کی ایکٹیوٹیز ہیں۔!

تو میں آپ کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کو اگر سوسائٹی کو دین دار بنانا ہے تو انگریز کی چھوڑی ہوئی اس شیطانی سوسائٹی سے ہم کو اپنے بچّوں کو بچانا

پڑے گا اور انھیں یہ بتانا پڑے گا کہ تم پیدا ہوئے ہو اللہ کے بندے ہو کر کے، تم پیدا ہوئے ہو نبی کا کلمہ پڑھ کر کے، تم پیدا ہوئے ہو بارہ اماموں کو امام مان کر کے۔ تو تم نوجوان بھی ہو تو آزاد نہیں ہو۔ اور سوچو اگر تم بارہؔ سال آزاد رہو گے تو اگلی زندگی میں بھی یہ آزادی دبی رہے گی، کسی نہ کسی شکل میں چوری کرتے رہو گے، دوسرے کا مال کھاتے رہو گے۔ لیکن بچّے کو اگر بچپنے ہی سے بتا دیا گیا کہ نجس نہ کھانا، ناجائز نہ کھانا غیر کے مال پر ہاتھ نہ ڈالنا ___ تو پھر یہ زندگی شروع ہی سے اتنی سیدھی جائے گی کہ موت تک صراط مستقیم پر انشاءاللہ یہ قدم چلتے رہیں گے۔

صلوات

میں آج کی تقریر میں اپنے بیان کو مکمل نہیں کر سکا۔ میں عورتوں کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا اس کی گنجائش نہیں رہی لیکن میں آپ کی خدمت میں آج کی بات یہیں پر مکمل کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم سماج اور سوسائٹی کو دین دار بنانا چاہتے ہیں تقوے اور نیکی کی بنیاد پر سوسائٹی بنانا چاہتے ہیں، گناہ اور سرکشی والی سوسائٹی نہیں بنانا چاہتے ہیں تو ہمارا فریضہ ہے کہ اپنی سوسائٹی کے نوجوانوں کو سب سے پہلے دین دار بنائیں۔ اور آپ کی خدمت میں اس تذکرہ کو جو آپ نے ہزاروں مرتبہ سنا ہے، اپنے بیان کے آخری حصّہ میں نقل کرنا چاہتا ہوں کہ بڑھاپے کی عبادت، بڑھاپے میں دین کے ماننے کا جو ثواب ملتا ہے، اس سے کہیں زیادہ ثواب اسے ملتا ہے جو نوجوانی میں دین مان لیتا ہے۔

میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو یہ حدیث سنائی ہے اور آج بھی موقع ہے اس حدیث کے سنانے کا کہ معصومینؑ نے ہم سے کہا: جب تمہارا بچہؔ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا پابند بناؤ۔ نماز سکھاؤ۔ جب سات سال کا

بچّہ ہو جائے، لڑکا ہو یا لڑکی تو اسے نماز سکھاؤ ___ میں ابھی کیا تذکرہ کر رہا تھا "ابھی تو بچّہ ہے، ابھی یہ نماز کہاں پڑھے گا؟" ___ اس کے بجائے معصومؑ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ بچّہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز سکھاؤ، اور آٹھ سال کا ہو جائے تو اسے پابند بناؤ نماز کا۔ اور اگر وہ پابندی نہ کرے تو نماز نہ پڑھنے پر سزا دو۔ اس لیے کہ ابھی کچّا دماغ ہے نا! تو دین کی پابندی کی ڈائی میں یہ بچّہ اگر بنے گا تو یہ ہمیشہ دین دار رہے گا۔ اور اس کے بعد جو حدیث کا تیسرا فقرہ ہے، وہ سننے سنانے اور سمجھنے کے قابل ہے کہ جب تمھارے بچے دس سال کے ہو جائیں تو کبھی اپنے دو بچوں کو ایک ساتھ ایک بستر میں مت سُلانا۔ دو بھائی، دو بہن، ایک بھائی، ایک بہن جو ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں ان کے لیے بھی شریعت یہ کہتی ہے کہ جب یہ دس سال کے ہو جائیں تو انھیں ایک بستر میں مت سُلانا۔ یعنی کہیں سے وہ راستہ پیدا ہی نہ ہونے پائے زندگی کی دیوار میں کہیں سے تری اور نمی نہ آنے پائے۔ یہاں سے مذہب نگرانی کرنا چاہتا ہے۔ تو آج کی میری تقریر کا پیغام یہ ہے کہ نوجوانوں کو دین دار ہونا چاہیے۔

اسی لیے امام حسین علیہ السّلام کربلا میں ایک بڑی تعداد نوجوانوں کی لائے تھے اس میں بڑی اہمیت کے ساتھ۔ (ہمارے آپ کے سامنے ہے یہ بات) کہ بڑی اہمیت کے ساتھ دو کا تذکرہ بہت زیادہ ہوتا ہے، ایک جناب قاسمؑ کا ایک جناب علی اکبرؑ کا۔ میں نہیں جانتا کہ کن بزرگوں نے عشرۂ محرم کی راتوں کو شہدا کے ناموں سے منسوب کیا۔ یہ سماجی بات ہے، رسمی بات ہے، مذہب کی طرف سے نہیں آیا ہے کہ ساتویں کی رات ہے تو قاسمؑ کی رات ہے، اور آٹھویں کی رات ہے تو علی اکبرؑ کی رات ہے جناب عباسؑ کی رات ہے، نویں کی رات ہے تو علی اکبرؑ کی رات ہے ___ ہمارے بزرگوں نے کبھی طے کیا، مگر انھوں نے قاسمؑ اور علی اکبرؑ کے لیے ایک ایک رات

مخصوص کر کے سوسائٹی کو ہمیشہ کے لیے چوکنا کر دیا کہ دیکھو! اگر تم دین دار سوسائٹی بنانا چاہتے ہو، اگر یہ چاہتے ہو کہ ہماری سوسائٹی میں پیدا ہونے والا دین دار رہے۔۔۔ دوزخ سے بچے اور جنت میں جائے ۔۔۔ تو ان دو نوجوانوں کی راتوں کو اہمیت دے کے خاص طور سے قاسمؑ اور علی اکبرؑ کا تذکرہ کرنا۔ ایک وہ ہے جو جوان ہو گیا ہے اور ایک وہ ہے جو ابھی نوجوان ہے۔

اور یہی پل میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ شبِ عاشور ۔۔۔ جب امام حسینؑ بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ چلے جاؤ۔ چلے جاؤ، کل موت کا دن ہے، شہادت کا دن ہے، گلوں کے کٹنے کا دن ہے، لاشوں کے پامال ہونے کا دن ہے۔ میرے ساتھ رہو گے تو نہیں بچو گے ۔۔۔ میں تم سے راضی ہوں، چلے جاؤ۔ میرے راضی ہونے کی سند یہ ہے کہ تم جاؤ اور میرے گھر سے ایک ایک عزیز ساتھ لیتے جاؤ تا کہ وہ بھی بچ جائے اور تم بھی بچ جاؤ ۔۔۔ تو حسین علیہ السلام کی اس تقریر کے بعد اٹھنے والے اٹھنا شروع ہوئے۔ سب سے پہلے ابوالفضل العباسؑ اٹھے اور کہا:

”مولا! موت آسکتی ہے بڑی آسانی کے ساتھ مگر ہم آپ کو چھوڑ کے چلے جائیں نہیں ممکن!“

سارے اصحاب، سارے اعزا، یکے بعد دیگرے اٹھتے رہے اور حسینؑ بار بار یہ کہتے رہے کہ ٹھیک ہے تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ لیکن یہ سمجھ لو کہ کل موت کا دن ہے۔ ۔۔۔ تو کوئی ضرورت نہیں تھی مگر ہم کو سمجھانے کے لیے کہ نوجوان کو سوسائٹی میں ہمیں کیسا بنانا چاہیے ۔۔۔ ایک مرتبہ جناب قاسمؑ اٹھے اور جناب قاسمؑ نے اٹھنے کے بعد کہا:

”چچا! آپ بڑی دیر سے موت کا تذکرہ کر رہے ہیں، یہ بتائیے کہ ہماری موت

سوچیں گے تو یہ بات محسوس کریں گے کہ سوسائٹی یہیں سے پیدا ہوتی ہے، سماج یہیں سے پیدا ہوتا ہے، معاشرہ یہیں سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک خیال کے آدمی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں وہ چاہے دس ملکوں میں پائے جائیں لیکن ان کا خیال ایک ہوتا ہے، دس شہروں میں پائے جائیں لیکن ان کا خیال ایک ہوتا ہے۔ دس فیملیوں میں پائے جائیں خیال ایک ہوتا ہے۔ اور ایک ہی فیملی میں دو خیال والے آدمی رہتے ہیں تو ساتھ ساتھ رہتے ہیں مگر دل الگ رہتا ہے دماغ الگ رہتا ہے۔ ساتھ رہتے ہیں مگر ایک دوسرے کو دیکھ کے بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا درمیان میں جب تک دونوں کا خیال ایک نہیں ہوگا تب تک ساتھ مضبوط نہیں ہوگا، رہنے میں مزہ نہیں آئے گا۔

تو اللہ نے کہا: سوسائٹی کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ جمع ہوں کسی ایک خیال پر، تو وہ کیا ہونا چاہیئے؟ اللہ نے پوری دُنیا کے لیے پیغام دیا ہے کہ وہ سوسائٹی انسانوں کی جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو سماج اور معاشرہ آدمیوں کا دیکھنا چاہتے ہیں اس کی بنیاد یہ ہے کہ ایک دوسرے کا ساتھ گناہ اور سرکشی میں نہ دینا۔ یعنی اللہ اس سوسائٹی کو نہیں دیکھنا چاہتا ہے جس میں گناہ میں ساتھ دیا جا رہا ہو۔ اللہ اس سوسائٹی کو نہیں دیکھنا چاہتا ہے جس میں اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں ساتھ دیا جا رہا ہو۔۔۔ اللہ اس سوسائٹی کو دیکھنا چاہتا ہے جس میں نیکی میں ساتھ دیا جا رہا ہو، تقوے اور پرہیزگاری میں ساتھ دیا جا رہا ہو۔

صلوات

مجھے ابھی مصائب نہیں پڑھنا ہے، مجھے ابھی مجلس ختم نہیں کرنا ہے لیکن میں اپنی بات کو اپنے سننے والے بچّوں کے دلوں میں اور اپنی بیٹیوں کے دلوں میں اتارنے

حق پر ہے یا نہیں؟"

مَیں اُس کو انتہائی ناسمجھ سمجھوں گا جو جناب قاسمؑ کے سوال کو یہ سمجھے کہ قاسمؑ پوچھ رہے ہیں اور قاسمؑ کے سوال کے جواب میں حُسینؑ کہیں کہ ہاں بیٹا! ہماری موت حق پر ہوگی، کہ وہ سوال کا جواب سمجھے حسینؑ کی بات کو۔ تو نہ یہ قاسمؑ سوال کر رہے ہیں، نہ حسینؑ جواب دے رہے ہیں۔ قاسمؑ بھی جانتے ہیں، ہماری موت حق پر ہے اور حسینؑ کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ بیٹا ہماری موت حق پر ہے۔ نہیں! قاسمؑ اس لیے سوال کر رہے ہیں کہ حسینؑ کو ماننے والی قوم پہچانے کہ نوجوان کیسا ہونا چاہیے۔

کہا: "چچا! آپ بڑی دیر سے موت کا تذکرہ کر رہے ہیں، یہ بتایئے کہ ہماری موت حق پر ہوگی یا نہیں"۔ قاسمؑ سوال نہیں کر رہے ہیں میرے نوجوانو! تمھیں پیغام دے رہے ہیں کہ چودہؔ سال کے سن میں بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم حق پر زندہ ہیں یا نہیں، اور ابھی اگر موت آجائے تو ہماری موت حق پر ہوگی یا نہیں؟

حسینؑ نے کہا: "بیٹا قاسمؑ! اس میں کیا شبہ ہے کہ ہماری مَوت حق پر ہوگی"۔

تو میں ہزار مرتبہ سُنے ہوئے فقرہ کو اپنے نوجوانوں کے دماغ میں اللہ کی تائید سے اتارنے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ اور ضرورت نہیں تھی کہ قاسمؑ، حسینؑ کے سامنے کچھ کہتے، اور قاسمؑ جیسے بھتیجے کو حسینؑ کے سامنے ۔۔۔ جو امام بھی ہیں، چچا بھی ہیں ۔۔۔ کچھ اظہارِ خیال کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ یہ اظہارِ خیال حسینؑ کے سامنے نہیں ہو رہا ہے، یہ حسینی نوجوانوں کے نام قاسمؑ پیغام دے رہے ہیں: "جب مَوت حق پر ہوگی تو شہد میں وہ مٹھاس نہیں ہے جو حق پر مرنے میں ہے"۔ آپ نے یہ جملہ ہزاروں مرتبہ سُنا ہے، مگر میں آج یہ جملہ سُنا کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قاسمؑ نے ہم سے کہا کہ دیکھو! تم دین کو چھوڑ کے جو زندگی بسر کر رہے ہو، یہ بڑی کڑوی زندگی ہے۔ آج تمھیں اندازہ نہیں

ہوگا لیکن مرنے کے بعد جب سخت سزائیں تمھارے سامنے آئیں گی تب تمھیں اندازہ ہوگا کہ جو تم نے حق کو چھوڑ کے زندگی بسر کی تھی کتنی کڑوی تھی ـــ تو نوجوانوں کو قاسمؑ آواز دے رہے ہیں کہ دین دار رہو ـ دین دار رہو ـــ دین دار جیو، دین دار مرو ـ تاکہ تم کو یہ اندازہ ہو کہ دین دار زندگی میں کتنی مٹھاس ہے ـــ دُنیا کی کسی سوسائٹی کا نوجوان کسی چیز کی مٹھاس اور مزا محسوس کرے لیکن حُسینی نوجوان کو قاسمؑ کے راستے پر چلتے ہوئے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ زندگی کا ٹیسٹ، زندگی کا مزا، زندگی کی مٹھاس دین دار ہونے میں ہے اور حق پر ہونے میں ہے ـ

مجلس تمام ہوگئی، تقریر مکمل ہوگئی، پیغام اور میسج میں نے آپ کے حوالے کردیا، اب مجھے ایک دو منٹ اور چاہیئے تاکہ میں مصائبُ کا حق بھی ادا کرسکوں ـ جب جناب قاسمؑ یہ کہہ چکے کہ چچا شہد سے زیادہ میٹھی ہے وہ موت جو حق پر ہو ـ کہا: بیٹا! یہ تو صحیح ہے مگر یہ بھی سُن لو کہ کل کوئی نہیں بچے گا اور حد یہ ہے کہ تمھارا ننھا بھائی اصغر بھی نہیں بچے گا ـــ تمھارا بھائی اصغرؑ نہ بچے گا ـــ

میں ہزاروں مرتبہ کے سُنے ہوئے واقعہ کو سُنا رہا ہوں اور اب میں مصائب کی طرف بڑھ رہا ہوں لہٰذا پلٹ کے بار بار جو اس واقعہ میں جو پیغام ہے اس کو آپ کے سمجھنے کے حوالے کرنا چاہتا ہوں اور تشریح نہیں کروں گا ـــ ایک مرتبہ قاسمؑ کھڑے ہوگئے اور قاسمؑ نے کھڑے ہو کر کہا کہ "چچا! میں تو اس لیے شہید ہوں گا کہ میں کربلا کے میدان میں دشمن سے لڑنے کے لیے جاؤں گا، میرا چچا تو اس لیے شہید ہوگا کہ وہ دشمن کے سروں کو کاٹنے کے لیے جائے گا، میرا بھائی اکبرؑ تو اس لیے شہید ہوگا کہ وہ دشمن کو ڈھکیلتا ہوا پیچھے لے جائے گا، مگر میرا ننھا بھائی علی اصغرؑ وہ تو نہ گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہے، نہ تلوار چلا سکتا ہے، نہ خنجر چلا سکتا ہے، نہ کمان اٹھا سکتا ہے ـ تو یہ چچا

کہیں ایسا تو نہیں ہوگا، کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ دشمن خیمہ تک آجائیں ــــ؟!
یعنی قاسمؑ یہ بے چینی ظاہر نہیں کر رہے ہیں بلکہ حسینی قوم کے نوجوانوں کو پیغام دے رہے ہیں کہ نوجوانی میں بھی تمھاری غیرت اتنی تازہ اور زندہ رہنا چاہیے کہ یہ تصوّر بے چین کر دینے کے لیے کافی ہو کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دشمن خیموں تک آجائیں۔ غیر، سیدانیوں تک پہنچ جائیں؟ زینب کے قریب کوئی دشمن آجائے ــــ؟ یہ تصوّر ہے جو بے چین کر رہا ہے۔

امامؑ نے کہا: "نہیں بیٹا! میں اصغرؑ کو کربلا کے میدان میں خود لے جاؤں گا۔ ہاتھوں پر اٹھا کر پانی مانگوں گا، اور بجائے پانی پانے کے اس کے گلے پر تیر مارا جائے گا۔"
قاسمؑ بیٹھ گئے ــــ قاسمؑ بیٹھ گئے، مگر؟ یہ سخت ترین امتحان ــــ یہ سخت ترین امتحان ہمارا سیّد سجّاد بیمار امامؑ دے رہا تھا، جس کی آج شہادت کا دن گزر رہا ہے۔

کون سیّد سجّادؑ؟ جس نے اپنی آنکھوں سے وہ دیکھا جو حسینؑ نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ حسینؑ نے کیا دیکھا تھا؟ حسینؑ نے خیمے دیکھے تھے، حسینؑ نے عباسؑ کو دیکھا تھا، حسینؑ نے شہیدوں کو دیکھا تھا۔ حُسینؑ نے اپنی شہادت سے پہلے دیکھا عباسؑ کے شانے کٹے ہوئے ہیں، اکبرؑ کے کلیجے پر نیزے کا پھل لگا ہوا ہے، قاسمؑ زندگی میں پامال ہو گئے ہیں، اصغر کی میّت ہم نے دفنا دی ہے ــــ تو جو کچھ حسینؑ نے دیکھا تھا، وہ سب سیّد سجّاد بھی دیکھ رہے تھے۔ لیکن جب حسینؑ نے جامِ شہادت پی لیا تو اب سیّد سجّادؑ کیا کیا دیکھ رہے ہیں؟ انھوں نے اکہتّر کٹے ہوئے گلے دیکھے تھے۔ سیّد سجّادؑ نے ۷۲ کٹے ہوئے گلے دیکھے۔ حسینؑ نے ایک مرتبہ دیکھا تھا۔ سیّد سجّادؑ نے کربلا سے کوفہ تک دیکھا، کوفہ سے شام تک دیکھا، دربار میں کٹے ہوئے سروں کو دیکھا، بازار میں کٹے ہوئے سروں کو دیکھا۔ حسینؑ نے، حسینؑ نے صرف لاشیں

دیکھی تھیں، اور انھوں نے دیکھا کبھی سر نوکِ نیزہ پر ہے، کبھی تنور میں رکھا جارہا ہے، کبھی گھوڑے کی گردن میں لٹکایا جارہا ہے، کبھی نیزہ ٹوٹ کے گرتا ہے اور سرزمین پر آجاتا ہے۔ اللہ! ــــ کیسا تھا میرا صابر امامؑ جو ان منازل کو دیکھ کر بھی دل سنبھالے بیٹھا تھا۔ اور اس سے زیادہ مشکل مرحلہ وہ تھا...

بس میری بہنو! میری بیٹو! میرے بھائیو! میرے بچّو! آخری فقرہ پڑھ کے مجلس تمام کرنا چاہتا ہوں ــ اس سے زیادہ سخت موقع وہ تھا، جب بیمار اُٹھ کے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ میری ماں پر کوڑا پڑ رہا ہے، یہ میری پھوپھی پر تازیانہ مارا جارہا ہے۔ ارے یہ میری بہن ہے جو طمانچے کھا رہی ہے اور بلک بلک کے یہ آواز دے رہی ہے:

"بابا کہاں ہو ــ چچا کہاں ہو ــ بھیّا کہاں ہو ــ" اور بھائی زندہ بیٹھا موجود ہے اور اپنی بہن کی مدد نہیں کرسکتا۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

مجلس

⑥

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی:

تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۖ

صلوات

اللہ نے ہم کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ نیکی اور پرہیز گاری اور تقوے میں ایک دوسرے کے ساتھی بنو اور دوسرے کی مدد کرو۔ اس سے نیکی انجام پائے اور اسے پرہیز گار بننے میں مدد ملے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ ہرگز کسی کے گناہ میں، جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کر رہا ہو تو نہ اس کا ساتھ دینا اور نہ اس کی مدد کرنا۔ مثال کے طور پر مومن کی غیبت حرام ہے، میں اس سلسلہ میں کچھ باتیں آپ سے کہہ چکا ہوں ___ تو اگر ہمارے سامنے کسی مومن کی غیبت شروع ہو، اس میں وہ عیب پایا جاتا ہے مگر وہ اس لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کی عزّت کم ہو جائے تو سننے والے کی ڈیوٹی یہ ہے کہ اگر حالات میں گنجائش ہے تو بالکل ڈائرکٹ، براہِ راست صاف صاف کہے کہ غیبت حرام ہے۔ ہم سننا نہیں چاہتے۔

اس بات کے کہنے میں دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک فائدہ تو خود کہنے والے کو حاصل ہوگا کہ اس کی اِنرجی، طاقت و ہمت بڑھے گی کہ ہم اپنے کو گناہ سے بچانے کی طاقت و ہمّت رکھتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ سُننے والے کو کم سے کم یہ تو محسوس ہوگا کہ سب نہ سہی مگر ایک آدمی تو ایسا ہے جو میری اس بات کو بُرا سمجھتا ہے۔ لیکن اگر ایسی صورتِ حال ہے کہ ہم صاف صاف اسے ٹوک نہیں سکتے ہیں، تب بھی ہم کو غیبت سُننے اور سنانے میں چوں کہ مدد نہیں کرنا ہے تو اس کا دوسرا راستہ یہ ہے جو میں اپنی بہنوں اور بھائیوں کو بتاتا ہوں کہ جب کوئی کسی مومن کی غیبت کرنے لگے، تو آپ درمیان میں کوئی نئی بات شروع کر دیں۔ میں اس کے لیے ایک لفظ کہا کرتا ہوں، اس کو اگر میرے بچّے یاد رکھیں تو کافی ہے کہ جب کوئی آدمی غیبت شروع کرے تو آپ گیئر بدل دیں اور گیئر چینج کرنا کوئی دشوار نہیں ہے۔

انھوں نے غیبت شروع کی — ہم نے کہا: بھائی یہ تو بتاؤ آج بجلی تو نہیں چلی جائے گی۔ یا دنیا کا کوئی دوسرا تذکرہ شروع کر دیجیے یا اگر دیکھا کہ گیئر بدلنے کے بعد بھی بعض بڑے ضدّی ہوتے ہیں۔ ہم نے کہا: آپ نے سُنا فلاں واقعہ کیا ہوا۔ کہا: ہاں سُنا ہے اور میں یہ کہہ رہا تھا۔۔۔۔ یعنی انھوں نے بھی گیئر بدلا، وہ پھر اسی غیبت کے پوائنٹ پر آگئے۔ تو پھر آخری راستہ یہ ہے کہ ہم وہاں سے اٹھ جائیں۔

اُٹھ جانے کے بھی دو طریقے ہیں۔ ایک اٹھ جانا تو یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو ہم یہ محسوس کرا دیں کہ ہم اس لیے اُٹھ رہے ہیں کہ غیبت گناہ ہے اور ہم گناہ میں شرکت نہیں کرنا چاہتے اور اگر کبھی ایسے حالات ہیں کہ یہ ظاہر بھی نہیں کر سکتے ہیں تو کوئی نیا کام کر سکتے ہیں، نیا کام بتا سکتے ہیں جس کے لیے اُٹھ گئے ہیں۔

میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مذہب ہم سے دو باتیں کہتا ہے کہ نیکی دیکھو، تو

ساتھ دو۔ یہ بات میں آپ سے روز کہتا ہوں کہ نیکی دیکھو تو ساتھ دو۔ آج اس میں اتنی بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ نیکی میں اگر ہم ساتھ نہ دیں گے تو نیکی کمزور ہو جائیگی۔ گناہ میں اگر ہم ساتھ دیں گے تو گناہ طاقت ور ہو جائے گا۔ تو جیسے خدا کو ناپسند ہے کہ گناہ کو طاقت پہونچے، ویسے ہی خدا کو ناپسند ہے کہ نیکی کمزور ہو جائے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چھوٹا اچھی بات کہتا ہے اور کوئی بڑا کوئی غلط بات کہتا ہے تو ہماری سوسائٹی میں یہ جو چھوٹے بڑے کا فرق ہے اس کی بنا پر چھوٹا دوڑا لیا جاتا ہے کہ اچھا اب تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ ہمارے سامنے بولتے ہو۔ تو وہاں پر ضرورت ہے کہ اس چھوٹے سے دل سے لیں جس نے بڑا سا حوصلہ کیا ہے۔ اس کے حوصلے کو بڑھایا جائے کم نہ ہونے دیا جائے۔ کہیں وہ چھوٹا ہے آپ بڑے ہیں مگر بات تو ٹھیک کہہ رہا ہے اور اگر اس کی بات چھوٹی ہے اس لیے کہ وہ چھوٹا ہے تو ہم بھی وہی بات کہہ رہے ہیں اب تو ہم آپ برابر ہو گئے۔

میں یہ مثالیں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ آپ اور ہم سب اپنے اس فریضے اور ڈیوٹی کو محسوس کریں کہ نیکی کو قوت پہونچاتے رہنا۔ نیکی کو بڑھنے، پھولنے پھلنے کا موقع دیتے رہنا، دلوں میں خوفِ خدا کو بڑھنے کا موقع دینا۔ یہ ہم میں سے ہر شخص کی ڈیوٹی ہے۔ خود بھی ڈرنا چاہیے، خود بھی نیکی کرنا چاہیے، دوسروں کو بھی خدا سے ڈرانا چاہیے اور دوسروں کو نیکی کے راستے پر لے جانا چاہیے۔ ویسے ہی یہ بھی ڈیوٹی ہے کہ ہم خود بھی گناہ نہ کریں اور دوسروں کو بھی گناہ کرنے سے روکیں۔ یہ بھی ہماری ڈیوٹی ہے کہ ہم خود بھی خدا کے سامنے سرتابی نہ کریں، سرکشی نہ کریں، نافرمانی نہ کریں اور نافرمانی کرنے والوں کی ہمت شکنی کریں اور ان کا ساتھ نہ دیں۔

آج میں اس تمہید کے بعد اپنی آج کی تقریر کو پچھلی تقریروں سے جوڑتے

ہوئے پچھلے تین دن کی باتوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ دو دن میں نے مسلسل آپ کے سامنے یہ بات کہی ہے کہ اس دنیا میں سوسائٹی بڑی طاقت ور اور پاورفل چیز ہے، اور آج میں پھر اس بات کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ سوسائٹی اتنی طاقت ور چیز ہے، اتنی پاورفل چیز ہے کہ جب سوسائٹی بدلتی ہے تو حکومت بدل جاتی ہے، گورنمنٹ بدل جاتی ہے۔ مگر گورنمنٹ سوسائٹی کو نہیں بدل سکتی۔ تو جب سماج، معاشرہ اور سوسائٹی اتنی طاقت ور چیز ہے تو ہم سب کا فریضہ ہے کہ ہم بے دین سوسائٹی کو مٹائیں، گھٹائیں اور دین دار سوسائٹی کو بنائیں اور بڑھائیں۔

صلوات

یہ وہ بات ہے جو میں نے دو دن آپ کے سامنے مسلسل کہی۔ کل میں نے آپ کے سامنے کہنا چاہا تھا کہ ہمیں دین دار سوسائٹی بنانے کے لیے اور بے دین سوسائٹی مٹانے کے لیے کچھ کام کرنا پڑیں گے اور اس سلسلے میں اگر کل کا میرا بیان آپ کے ذہنوں میں محفوظ ہے تو میں نے خاص طور سے دو باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہم کو اپنے بچوں کی تعلیم اور ایجوکیشن پر اس طرح سے نظر ڈالنی ہوگی۔ بچہ پڑھا لکھا ہو، ایجوکیٹڈ ہو۔ بالکل صحیح بات ہے، ضروری بات ہے۔ لیکن مقدم بات یہ ہے کہ دین دار ہے کہ نہیں ہے ؟ اب کل والا جملہ پھر یاد کیجئے کہ صحیح راستہ یہ ہے کہ دین مقدم رہے زندگی اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ تعلیم ہو، روزی ہو، شادی ہو، رشتے ہوں، دوستی ہو، کچھ بھی ہو۔ یہ سب زندگی کے مرحلے ہیں تو ان سب کو دین کے پیچھے پیچھے چلنا ہے۔ دین کو ہماری زندگی کے پیچھے پیچھے نہیں چلنا ہے۔

آج میں جس خاص بات پر توجہ دلانے والا ہوں اس طرف بڑھنے سے پہلے چونکہ میں بمبئی میں سنڈے کی اہمیت سے باخبر ہوں، یعنی بہت سے مسلمان سنڈے ہی کو

مسلمان ہوتے ہیں، کچھ جمعہ والے مسلمان ہیں، کچھ سنڈے والے مسلمان ہیں، اس میں کوئی مذمت کی بات نہیں ہے۔ نہیں موقع ملا۔ تو وہ آدمی بھی قابلِ قدر ہے جسے چھ دن موقع نہیں ملا ہے، ایک دن موقع ملا تو وہ آگیا۔ تو جب میں مجلس پڑھتا ہوں تو جو سننے والے آتے ہیں ان کا اور میرا رشتہ یہ ہے کہ وہ میرے مہمان ہوتے ہیں، میں ان کا میزبان ہوتا ہوں۔

تو جس طرح میزبان کی ڈیوٹی ہے کہ مہمان کی جہاں تک ممکن ہو خاطر کر سکے، ویسے ہی ذاکر کی ڈیوٹی ہے کہ سننے والوں کی جہاں تک ممکن ہو خدمت کر سکے۔ بس فرق یہ ہوتا ہے کہ گھر پر کوئی مہمان آتا ہے تو اسکے سامنے چائے لاتے ہیں، شربت لاتے ہیں، کھانا لاتے ہیں میٹھی چیزیں لاتے ہیں نمکین چیزیں لاتے ہیں اور کبھی کبھی مرچ بھی۔ تو یہاں بھی یہ فریضہ ہے کہ یہاں ایک رُوحانی دسترخوان بچھتا ہے۔ یہاں آنے والوں کی ضیافت اور میزبانی کے فرائض اس طرح انجام دیے جائیں کہ ان کے سامنے ان تذکروں کو زیادہ سے زیادہ پیش کیا جائے جن سے ان کے قلب و دماغ میں روشنی پیدا ہو، ان کے گھروں میں اُجالا پیدا ہو، ان کی زندگیوں میں اُجالا پیدا ہو۔

تو جو باتیں کل بھی میں کہہ چکا ہوں، ان سے بھی اپنے بیان کو تھوڑا اتھوڑا ٹچ کرتا ہوا، ذرا ذرا سا تذکرہ کرتا ہوا آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

کل میں نے آپ کے سامنے خاص طور سے دُو باتیں کہی تھیں کہ جب تک ہم اپنے بچوں کی تعلیم کا خود انتظام نہیں کریں گے تب تک ہمارے بچّے ہمارے نہیں رہ سکتے۔ یہ جو سب سے بڑی غلطی ہے وہ یہی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو اتنی آرزوؤں میں پھنسا لیا ہے، ہم نے اپنی زندگی کے کام اتنے بڑھا لیے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں ہم نے زندگی کا لیول اونچا کرتے کرتے اپنے اوپر اتنا بوجھ ڈال دیا ہے کہ آج ہمارے گھروں کی صحیح پوزیشن یہ ہے کہ سب سے پہلے جو بچّہ اسکول بھیجا جاتا ہے اس کے پیچھے یہ وجہ ہوتی ہے کہ اب یہ تین سال کا ہو گیا ہے، اس کی تعلیم شروع ہو جائے، بلکہ یہ صبح صبح اسکول چلا جائے تاکہ

۶ گھنٹے اسکول میں رہے گا تو اس کی اماں کو آرام رہے گا۔ یہ بات ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ہے ورنہ میرے بچپنے سے پہلے کیریکٹر یہی تھا، تدبیر بدلی ہوئی تھی۔ تو بچہ جاگے گا دُودھ پلانا پڑے گا۔ اب نئی ماں کو دُودھ پلانے کی ضرورت نہیں ہے، جب اللہ نے بھینس پیدا کر دی ہے تو کیا ضرورت ہے۔ مگر اتنا یاد رکھیے گا کہ دودھ کوئی تاثیر رکھتا ہے تو ماں دُودھ پلائے گی تو ماں کا اثر آئے گا، اور بھینس دُودھ پلائے گی تو بھینس کا اثر آئے گا۔

تو یہ کیریکٹر پہلے بھی پایا جاتا تھا کہ اگر بچہ جاگتا رہے گا تو دُودھ پلانا پڑے گا۔ بچہ جاگتا رہے گا تو ضد کرے گا، روئے گا بہلانا پڑے گا۔ تو اس وقت کی غلط مائیں ذرا سی افیون بچے کو کھلا دیتی تھیں۔ اب وہ سو رہے ہیں، انھیں آزادی حاصل ہو گئی۔ تو کل کی جاہل ماں اپنی زندگی کو بچے پر محنت کرنے سے بچانے کے لیے، کام چوری کے لیے افیون کھلا دیتی تھیں۔ آج خالی سسٹم بدل گیا ہے۔ ہم ڈھائی سال کے بچے کو کے۔جی (K.G) میں بھی نہیں، اس سے پہلے نرسری میں اس لیے بھیج دیتے ہیں کہ وہاں جو نوکری کر رہی ہیں وہ اسے سنبھالیں۔ ہم ذرا آرام سے رہیں۔

اتنا یاد رکھیے گا اگر آج کی ماں کو بچہ بوجھ محسوس ہوتا ہے تو کل جب تم بوڑھی ہوگی تو یہ تم کو بوجھ محسوس کرے گا، اگر آج تم اسے اپنے کلیجے سے لگاؤ گی تو کل یہ زندگی چھوڑ کے تم کو اپنے لیے اتنی بڑی نعمت سمجھے گا کہ تمھارے پیروں کو چومنا اپنا فریضہ سمجھے گا۔ اور اگر آپ مذہب کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں، تو میں کل سے لے کر آج تک اس بات کا تذکرہ کر رہا ہوں کہ ہم کو اپنے بچوں کی ایجوکیشن پر توجہ کرنا چاہیے کہ مقدم بات یہ رہے کہ وہ دین دار ہو۔ مسلمان ہو، متقی ہو، پرہیزگار ہو۔ مذہب تو وہاں سے دیکھنا شروع کرنا ہے جہاں سے کوئی دیکھتا نہیں۔ یہ ایک ایسا مرحلہ ہے جسے مجھے بیان کرنا ہے اور آپ کو

کے لیے کہتا ہوں کہ یزید کی فوج والے بھی جمع تھے اور حسین علیہ السلام کے ساتھی بھی جمع تھے یزید کی فوج والے جو جمع تھے وہ تو پھر بھی ساتھ چھوڑ کے ہٹ جاتے تھے، لیکن حسین علیہ السّلام کے ساتھی جو جمع تھے وہ ایسی مضبوطی کے ساتھ جمع ہوئے تھے کہ امام نے عاشور کی رات اگر ان سے جانے کے لیے کہا تب بھی وہ نہیں گئے۔

تو یزید والے جو جمع تھے وہ کس بات پر جمع تھے اور حسینؑ والے جو تھے وہ کس بات پر جمع تھے — یزید والے جمع ہوئے تھے گناہ پر، سرکشی پر — اور حسینؑ والے جمع ہوئے تھے نیکی پر، تقوے اور پرہیزگاری پر!! یہ بات ایسی ہے جو ہر سمجھدار بچہ سمجھ جائے گا کہ امام حسین علیہ السّلام کے ساتھ جتنے ساتھی تھے، جیسے حبیب ابنِ مظاہر ہوں، جناب زہیر ہوں، بریر ہوں، اصحاب ہوں، بنی ہاشم ہوں، شہید ہونے والے ہوں یا شہید ہونے کے بعد جو قیدی ہوئے تھے وہ چھوٹے ہوں، بڑے ہوں، غلام ہوں، آزاد ہوں، عورتیں ہوں، مرد ہوں، بیمار ہوں — جتنے بھی کربلا میں جمع ہوئے تھے وہ نیکی پر جمع ہوئے تھے اور تقوے اور پرہیزگاری پر جمع ہوئے تھے — اور یزید کے ساتھ کربلا میں جو فوج آئی تھی۔ جو کوفہ میں ساتھی تھے وہ، جو راستے میں ساتھی تھے وہ، جو دمشق میں اس کے دربار میں ساتھی تھے وہ — یہ سب گناہ پر جمع ہوئے تھے اور اللہ کی نافرمانی اور سرکشی پر جمع ہوئے تھے۔

میں نے آپ کے سامنے یہ بات کس لیے کہنا چاہی ہے؟ یہ میں نے اس لیے کہنا چاہی ہے کہ اگر کبھی بھی ہم تاریخ میں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ نیکی اور پرہیزگاری پر کیسی سوسائٹی بنتی ہے تو ہم کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کو کربلا میں دیکھنا پڑے گا۔

سننا ہے۔ مگر اس میں مشکل یہ ہے کہ مجھے کچھ کہنا ہے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔ جو نہیں کہنا ہے وہ آپ کو سمجھنا ہے۔ یعنی بچہ پیدا ہو گا تب پرورش شروع ہوگی۔ تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ مذہب اس وقت بھی نگرانی کرنا چاہتا ہے۔ ابھی بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہے، اگر ماں کا ماحول دین دار رہے گا تو پیٹ میں رہنے والا بچہ بھی دین دار رہے گا اور اگر ماں کی سوسائٹی بے دین رہے گی تو ابھی جو دنیا میں نہیں آیا ہے، گود میں نہیں آیا ہے تو اس پر ماں کی بے دینی کے اثرات پڑتے رہتے ہیں۔

میں جب اس موضوع کا تذکرہ کرتا ہوں تو میں اس مشہور واقعہ کو بیان کرتا ہوں کہ دو گورے ماں باپ کے یہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا (یہ بڑی اہمیت کا حامل واقعہ ہے) جو شکل وصورت اور رنگ کے اعتبار سے نہ صرف کالا تھا بلکہ حبشی تھا۔ ماں باپ گورے یہ کالا۔ وہ خوبصورت یہ حبشی، بدشکل۔ تو ڈاکٹروں کو اس بات کی فکر ہوئی کہ یہ گوروں کے یہاں کالا کیسے پیدا ہو گیا، اور یہ خوبصورتوں کے یہاں حبشی کیسے پیدا ہو گیا؟ ریسرچ ہوئی، تحقیق شروع ہوئی، ماں اور باپ کی لائف کا بیک گراؤنڈ پڑھا گیا۔ خاندان دیکھا گیا۔ کیا دلچسپیاں ہیں وہ پڑھی گئیں تو بڑی تلاش کے بعد وہ پوائنٹ ملا جس نے ان گوروں کے گھر میں حبشی پیدا کیا۔ وہ پوائنٹ کیا تھا، وہ پوائنٹ یہ تھا کہ گھر کے جس کمرے میں ماں رہتی تھی جس کے پیٹ میں بچہ تھا، اس کمرے کے ڈیکوریشن میں ایک حبشی کا اسٹیچو رکھا ہوا تھا اور وہ اسٹیچو ایسی پوزیشن میں رکھا ہوا تھا کہ اس کمرے میں جب تک وہ عورت رہتی تھی اس کی نگاہ اس اسٹیچو پر پڑا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ دیکھنے والی ماں خالی اسٹیچو ہی دیکھتی تھی۔ لیکن حبشی کے اسٹیچو کے مسلسل دیکھتے رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماں تو وہی رہی لیکن بچہ حبشی بن گیا۔

تو معلوم ہوا کہ ماں کی گود میں آنے کے بعد بچہ کو دین دار بنانے کا جو کام شروع ہوتا ہے اس سے پہلے بچے کو دین دار بنانے کا کام اس وقت شروع ہونا چاہیے جب ماں کے

پیٹ میں ہوتا ہے اس لیے کہ اپنے بچّوں کو ہم دوزخ کی آگ میں جلتا بھُنتا دیکھنا نہیں چاہتے ہیں تو ہم کو اپنے گھروں کے ڈیکوریشن کو بدلنا ہوگا۔ اگر برہنہ تصویریں گھر میں لگی ہوں گی۔ اگر ایسے کلنڈر لگے ہیں جو سیکس میں اضافہ کرتے ہیں، انسان میں جنسی ہیجان پیدا کرتے ہیں تو آپ یقین مانیے کہ جب ان چیزوں کو دیکھ کر ماں کے اندر وہ اثرات پیدا ہوتے رہیں گے تو یہ اثرات بچے میں بھی منتقل ہوتے رہیں گے

تو اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ شریف ہو تو ہمارے سامنے جتنی چیزیں لگی ہوں وہ ساری وہ چیزیں ہوں جو شرافت پیدا کرتی ہوں تا کہ ہماری نگاہ شریف بنے، اس نگاہ کے نیچے پلنے والا بچہ شریف بنے۔ لیکن شیطان اپنا کام کرتا ہے۔ ابھی ہندوستان بگڑ کے بھی ذرا کچھ کم بگڑا ہے اس لیے کہ ابھی اس کے پاس بگڑنے کا سامان کم ہے ـــــ بڑھتا جا رہا ہے، کوئی کمی نہیں ہے۔ جیسے جیسے ملک ترقی کر رہا ہے ویسے ویسے شیطان اپنا سامان بڑھاتا جا رہا ہے۔ مثلاً تھوڑے دن پہلے خالی ریکارڈ سے گانا سُنا جا سکتا تھا۔ بچے نہیں جانیں گے لیکن میری عمر والے جانتے ہیں کہ ایک ایڈورٹائز ہوتا تھا جس میں وہ ریکارڈ بجانے، سنانے والی مشین ہوتی تھی اور اس میں لگا ہوا ہارن ہوتا تھا اور اس کے پاس بیٹھا ہوا ایک کتّا ہوتا تھا اور اس کے آگے لکھا ہوتا تھا کہ یہ اپنے مالک کی آواز سُن رہا ہے ـــــ سامان اور آگے بڑھا، تو اب اس میں کیا تھا؟ جہاں ریکارڈنگ مشین ہے، گانا وہیں سُنا جا سکتا ہے۔ ریڈیو ایجاد ہوگیا۔ ریڈیو تک تو پھر بھی یہ مجبوری تھی کہ جہاں رکھا ہوا ہے وہاں جاؤ تو سنو ـــــ ٹرانزسٹر ایجاد ہوگیا۔ تو جیسے کبھی مسلمان قرآن لٹکائے گھومتے تھے، ویسے نئے زمانے کا نوجوان ٹرانزسٹر لٹکائے ہے۔

آپ نے نہیں دیکھا ہوگا، میں نے دیکھا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو سولہ سولہ بیس بیس کلومیٹر سائیکل چلا کے سامان لے جاتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہیں تو میں نے

ایسے جانے والوں کو دیکھا ہے کہ ان کی سائیکل میں ٹرانزسٹر لٹکا رہتا ہے، وہ مسلسل بجتا رہتا ہے اور یہ مسلسل سنتے رہتے ہیں ـــ یعنی یہ ایک نشہ ہے جو ٹرانزسٹر کے ذریعہ قلب و دماغ میں اترتا جا رہا ہے۔ اس کے بعد بھی دقّت تھی۔ کیا دقّت تھی؟ ٹاکیز تک جانا پڑتا تھا، ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا، اس میں کپڑے بھی پھٹ جاتے تھے۔ ہم نے دیکھا ہے اور جب ہم ایسی باتیں سناتے ہیں تو کوئی ہم سے کہتا ہے کہ آپ کو کیسے پتہ لگ گیا۔؟ تو ہم اُردو کا ایک محاورہ کہتے ہیں: ـــ "اگر شادی نہیں ہوئی ہے تو کیا بارات نہیں دیکھی ہے؟" سینما کے ٹکٹ کے لیے آدمی پر آدمی کھڑا نظر آتا ہے۔ آپ یقین مانیے، پہلے جو لائن پر پہونچا تھا وہ نیچے دبا ہے، اس کے کندھے پر دوسرا کھڑا ہے، اس کے کندھے پر تیسرا کھڑا ہے، وہ کندھے سے جھک کے ونڈو میں گھس گیا ہے۔ یعنی ایک دوسرے سے زیادہ زور لگا رہے ہیں کہ پہلے کون دوزخ میں پہونچتا ہے۔

مٹھی میں ٹکٹ دبائے ہوئے واپس آرہے ہیں ـــ "مِل گیا۔ مِل گیا" یعنی دوزخ میں ریزرویشن ہوگیا، ہوگیا!!

دوسرے نے بڑی حسرت سے پوچھا: "آپ کو مِل گیا۔؟" یعنی انھیں صدمہ ہے کہ دوزخ میں نہیں پہونچے ـــ پھر اندر جا کے بھی زحمتیں ہوتی تھیں، کس کلاس کا ٹکٹ ہے۔ آپ جو چاہیں میرے اور میرے ریمارک کے بارے میں کہیں، میں تیار ہوں مگر میں ساری ڈیٹیلس گئے بغیر جانتا ہوں۔ اس لیے کہ اتنے جانے والے ملتے ہیں کہ کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہے۔

اچھا پوچھیں بھی کیوں؟ ہم ریل میں بیٹھے ہیں، ڈیٹیل سُن رہے ہیں۔ ہم بس میں بیٹھے ہیں ڈیٹیل سُن رہے ہیں۔ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ہے۔ ظاہر ہے کوئی میرا مومن بھائی تو مجھے آپ کے بتائے گا نہیں، بلکہ اگر باتیں کر رہے ہوں تو چپ

ہو جائیں گے ۔ تو خیر! وہاں بھی جھگڑے ہوتے ہیں، نکلنے میں بھی جھگڑے ہوتے ہیں۔ جانے میں بھی جھگڑے ہوتے ہیں۔

شیطان نے کہا: "میرے پیارے بچو! میں تمہارے لیے ایسا آرام دہ انتظام کرتا ہوں کہ نہ ٹکٹ کی لائن لگے گی، نہ کپڑے پھٹیں گے، نہ تمھیں اوپر چڑھنا پڑے گا۔ کچھ نہیں ہوگا۔ گھر میں بیٹھو۔ ٹی وی کھولو۔ سینما گھر میں آگیا ہے ____ اور دیکھیے! وہ کتنا واقف ہے سب سے اونچا پروگرام شب جمعہ کو لاتا ہے۔ اور ٹی. وی کا پروگرام صحیح اس وقت شروع ہوتا ہے جس وقت اللہ کی طرف سے موذّن اذان دینے والا ہوتا ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ بہت اچھا ہے کہ مغرب کے وقت ٹی. وی کا پروگرام شروع ہوتا ہے تاکہ خدا آواز دے کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم رحمان کی طرف آتے ہو یا شیطان کی طرف جاتے ہو۔ کوئی اور ٹائم ہوتا تو دونوں کو کور کرنے کی فکر ہوتی۔ مسجد میں جلدی جلدی نماز بھی پڑھ لو، ٹی وی کا پروگرام بھی چل کے دیکھ لو۔

شیطان سے یہ چوک ہو گئی، غلطی ہو گئی جو اس نے ٹائم سے ٹائم لڑا دیا۔ اور آپ کے یہاں ٹی. وی پر جو کچھ پروگرام آرہے ہیں وہ تو ابھی دیکھے بھی جا سکتے ہیں لیکن جہاں شیطان بہت دن سے راج کر رہا ہے وہاں وہ پروگرام آتے ہیں اور ایسے ایسے سبجکٹ پر ڈسکیشن ہوتا ہے کہ آپ تصوّر بھی نہیں کر سکتے ہیں اور اس کے پیچھے ساری گندگی ساری بے ہودگی، ساری کمینگی، ساری رذالت کے پیچھے ایک لفظ ہے کہ ہم ٹی. وی کے پیچھے ایجوکیشن دے رہے ہیں۔ جیب کیسے کاٹی جائے اس کی بھی ایجوکیشن ہے. گناہ کیسے کیا جائے اس کی بھی ایجوکیشن ہے ___ تو یہ ایجوکیشن نہیں ہے، یہ ایجوکیشن کے ذریعہ بے دین بنانے کا ذریعہ ہے۔ تو آپ اتنی دیر میں فراموش بھی کر گئے ہوں گے بھول بھی گئے ہوں، خیالات کا سلسلہ ٹوٹ بھی گیا ہو۔ تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب

ماں کے پیٹ میں بچہ ہے اور وہ ٹی۔ وی کا پروگرام دیکھتی رہے گی تو اس کا اثر بچے پر پڑے گا یا نہیں پڑے گا؟

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے دین دار بچے بن کے پیدا ہوں، تو ہمارا بچہ دین دار نہیں ہو سکے گا جب تک کہ اس سے پہلے ماں دین دار نہیں بنے گی۔ اور ابھی مجھے اس سے اور آگے بڑھنا ہے، ذرا اور مشکل مرحلہ۔ ابھی تک تو میں نے سنبھال سنبھال کے تذکرے کو یہاں تک پہونچایا ہے کہ بچہ جب ماں کے حوالے ہو جائے گا تو ماں کی ڈیوٹی ہے کہ اپنے دل و دماغ کو، اپنی نگاہ اور نظر کو ان ساری چیزوں سے الگ رکھے جو اس کو بے دین بنا سکیں، گناہگار بنا سکیں تاکہ اس کا اثر بچے میں نہ آنے پائے۔

مجھے بیان کرنا ہے اور میں جانتا ہوں کہ شریعت میں وہ بیان واجب ہے جس کے بیان کے بغیر گمراہی نہ مٹتی ہو۔ شریعت سب سے زیادہ شرم و حیا کی حمایت کرتی ہے لیکن شریعت اس شرم و حیا کی سخت ترین اور بد ترین مخالفت کرتی ہے جہاں شرم گمراہی کا ذریعہ بن جائے۔ مثال کے طور پر ایک بچی کو یہ بتانا کہ بالغ ہونے کے بعد وہ اپنے کو کیسے پہچانے کہ بالغ ہوئی اور بالغ ہونے کے بعد اس کے اوپر کیسی کیسی ڈیوٹیاں آتی ہیں۔ ہماری شرمیلی سوسائٹی سینما میں بد ترین سین دیکھتے ہوئے نہیں شرماتی ہے لیکن شرعی مسائل بتاتے ہوئے شرماتی ہے۔ یہ شرم نہیں ہے، یہ بھی شیطان کا ہتھیار ہے۔

میں آپ کی خدمت میں جو بات کہنے جا رہا تھا اس سے پہلے رک کے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کل میں نے مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد آپ کے سامنے نقل کیا تھا کہ عورت کو پہچاننا ہے تو پہچانو ــــ کہ اس کو میراث میں کم حصہ ملتا ہے۔ وہ عقل رکھتی ہے لیکن مرد کے مقابلے میں اس کی عقل یوں کمزور پڑتی ہے کہ وہ زندگی بھر شک میں مبتلا رہتی ہے۔ اور میری اس بات کو وہ تو بہر حال مان

لیں گے جن کی شادی ہو چکی ہے اس لیے کہ ہر شوہر کو ذاتی تجربہ ہے کہ اس کی بیوی ساری زندگی اس سے مطمئن نہیں ہوتی ہے، کسی نہ کسی شک میں مبتلا رہتی ہے۔ کبھی شک ہوتا ہے کوئی اور عورت تو نہیں ہے۔ کبھی شک ہوتا ہے کہ بہن کا خیال تو زیادہ نہیں ہے۔ کبھی شک ہوتا ہے ماں باپ کا خیال تو زیادہ نہیں ہے۔ یعنی شک، شک ہی رہتا ہے۔ اور عورت کا یہ شک، شک رہتا ہے چاہے وہ پرائم منسٹر کیوں نہ ہو جائے۔ وہ ہر ایک کو مشکوک نگاہ سے دیکھتی ہے تو یہ عقل کی کمزوری ہے۔

اور تیسرا فقرہ میں نے آپ کے سامنے نقل کیا تھا کہ عبادت میں بھی اس کا حصہ کم ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کل والا فقرہ دہرا دوں تاکہ جو آج آئے ہیں وہ بھی پہچان جائیں مرد پورے مہینے مسلسل عبادت کرتا ہے لیکن عورت کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ میں یہاں پر ایک مسئلہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ مسئلہ معلوم ہو جائے تو ہمارے سماج میں بہت سی باتیں جو جہالت کی بنا پر پیدا ہو گئی ہیں وہ دور ہو جائیں ___ جس زمانے میں عورت کے لیئے نماز کا پڑھنا حرام قرار دیا جاتا ہے، جس زمانے میں عورت کا روزہ رکھنا جائز نہیں رہتا ہے۔ مذہب اور مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر ___ اس لیے کہ ہمارے گھروں میں سب لٹریچر ملے گا مگر توضیح المسائل نہیں ملے گی۔ اب توضیح المسائل اردو میں بھی موجود ہے، گجراتی میں بھی موجود انگریزی میں بھی موجود ہے۔ تو آج ہمارا کوئی گھر ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں توضیح المسائل موجود نہ ہو۔ لیکن توضیح المسائل کو خدا کے واسطے قرآن کے برابر نہ کیجیے گا۔ آپ کہیں گے ہم کہاں توضیح المسائل کو قرآن کے برابر کریں گے، قرآن اللہ کی کتاب ہے ___ نہیں، پہلے ہمارے جملے کا مطلب سمجھیے۔ ہمارے گھروں میں قرآن برکت کے لیے رکھا جاتا ہے پڑھنے کے لیے نہیں رکھا جاتا ہے۔ تو میرے جملے کا مقصد یہ ہے کہ توضیح المسائل خرید کے برکت کے لیے نہیں رکھیے گا پڑھیے گا۔ تو چوں کہ ہم توضیح المسائل نہیں رکھتے ہیں، نہیں پڑھتے

ہیں تو نتیجہ کیا ہے کہ جب یہ روزے اور نماز سے روک دینے والا زمانہ آتا ہے تو ہمارا سماج عورت کے ذہن کو یہ سمجھاتا ہے کہ اس وقت تم سوسائٹی سے الگ کوئی چیز ہو۔ یہاں تک، میں آپ کے سامنے کہنے پر تیار ہوں کہ مجھ سے مسائل پوچھے جاتے ہیں کہ اگر امام کے نام پر نذر دی گئی ہو تو نذر پر ایسی عورت کا سایہ پڑ سکتا ہے یا نہیں پڑ سکتا۔ یہ جہالت ہے یہ ناواقفیت ہے۔ مذہب نے کیا کہا ہے ہم سے سنیئے اور مذہب کی بات پہچانیئے اس لیے کہ مذہب اس نے بھیجا ہے جو پیدا کرنے والا ہے۔ پیدا کرنے والے سے زیادہ ہمارے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ انسان کے بارے میں مکمل نالج، مکمل جان کاری فقط اللہ کے پاس ہے یا اللہ کے ان بندوں کے پاس ہے جن کو اللہ نے اپنے علم کا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ مذہب کی ہدایت یہ ہے کہ جس زمانے میں نماز کا پڑھنا حرام ہو اس زمانے میں سُنّت یہ ہے، واجب نہیں۔ سُنّت یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو عورت جا نماز پر، مصلے پر بیٹھے اور اتنی دیر تک ذکرِ خدا میں مصروف رہے، تسبیح پڑھتی رہے، سُبحان اللہ پڑھے، اللہ اکبر پڑھے، صلوات پڑھے لا الہٰ الا اللہ پڑھے، تسبیحات اربعہ پڑھے۔ یعنی جتنا ٹائم نمازِ ظہر و عصر میں ہوتا ہے اتنی دیر وہ مصلے پر رہ کر ذکرِ خدا کرتی رہے۔

تو اب ذرا پہچانیے کہ ہمارا جاہلانہ تصوّر یہ ہے کہ اس زمانے میں عورت اتنا دُور ہو گئی ہے کہ وہ امام باڑے میں نہیں جا سکتی ہے۔ قریب سے نہیں گزر سکتی ہے۔ اور مذہب یہ کہتا ہے کہ نہیں، اگر کوئی خطا ایسی ہوتی کہ نجاست تمھاری وجہ سے پیدا ہوئی ہوتی تو تم کو نجس قرار بھی دیا جا سکتا تھا۔ یہ تو فطرت نے تم کو اس راستے پر لگا دیا ہے۔ تو جب فطرت نے اس راستے پر لگایا ہے تو خدا سے فاصلہ کیسے پیدا ہو گا خدا سے رشتہ تو ویسا ہی برقرار رہے گا۔

مستحب کیوں کیا؟ اس لیے کہ مستحب اس لیے ہے کہ کرو تو بہتر ہے نہ کرو تو گنہگار نہیں۔ مجھے ایک مرتبہ سوچنا پڑا___

پالنے والے! جب اتنے دن کی نماز معاف ہو گئی ہے تو اب تو نے یہ ڈیوٹی کیوں لگائی ہے؟ — کہا: دیکھو! ہم جانتے ہیں، مثلاً تین دن نماز نہیں پڑھی، اس لیے کہ تین دن سے کم کی مدّت نہیں ہو سکتی ہے اور دس دن سے زیادہ کی مدّت نہیں ہو سکتی ہے۔ تین دن سے کم کی مدّت ہو تو پھر یہ وہ زمانہ نہیں ہے جس زمانہ میں نماز حرام ہو جاتی ہے اور مُدّت اگر دس دن سے بڑھ جائے تو یہ وہ زمانہ نہیں ہے جب نماز حرام ہو جاتی ہے۔ یعنی اس سے کم ہو یا اس سے زیادہ ہو تو احکام بدل جائیں گے۔

تو میں جو گذارش کرنا چاہتا تھا وہ یہ کہ اللہ نے کہا اگر تین دن نماز نہیں پڑھی ہے، سات دن نماز نہیں پڑھی ہے، تو دن نماز نہیں پڑھی ہے، تو ایسا نہ ہو کہ نو دن نہ پڑھنے کی بنا پر ایک مزاج بن جائے کہ پھر دسویں دن بھی نہ پڑھے۔ تو جیسے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلاس ٹیچر نہیں آتا ہے تو اٹینڈنس کے لیے بچّے کو آنا پڑتا ہے تاکہ اسکول آنے کا مزاج باقی رہے۔ ویسے ہی خدا نے کہا: نماز ہم نے اٹھا لی ہے مگر ہمارا دربار کھلا ہے آتے رہو اور جاتے رہو۔ ذکرِ خدا کرنے کے لیے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جس وقت ذکرِ خدا حرام ہو۔

صلوات

میں صرف وہم اور شک کو ذہن سے دُور کرنے کے لیے اور مذہب کی حقیقتوں سے ذہن کو قریب کرنے کے لیے آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ جب ہم اپنے گھر کے اس حصّہ میں جاتے ہیں جو گھر کا سب سے زیادہ گندا حصّہ ہوتا ہے وہاں بھی ہم کو نیچر لے جاتا ہے۔ 'مُرادجی' تو خیر نہیں جاتے ہیں۔ انھیں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ان کے ہاتھ میں گلاس ہے۔ لیکن جو گلاس والا نہیں ہے وہ تو جائے گا نا۔

میں نے چاہا کہ بغیر گندگی کے آپ کو بات سمجھا دوں۔ تو وہاں بھی یہ تصوّر نہ کیجئے گا کہ ہم ایک گندی جگہ جا رہے ہیں۔ گھناؤنی جگہ جا رہے ہیں، یہاں ہم ذکرِ خدا نہیں کر سکتے۔ نہیں! ذکرِ خدا تو وہاں اور ضروری ہے اس لیے کہ جب جسمانی گندگی قریب ہو رہی ہو تو روحانی طہارت میں اور اضافہ ہو جائے۔

کیوں؟ اگر کسی جگہ بدبو نہیں آ رہی ہے تو ہم بیٹھے رہتے ہیں۔ لیکن اگر بدبو آ رہی ہوتی ہے تو ہم خود ہی کہتے ہیں: ارے بھائی! کم سے کم اگربتّی تو سلگا دو تا کہ بدبو کا مقابلہ تو کیا جا سکے۔

تو آپ احکام شریعت پڑھیں کہ بیت الخلاء میں جاتے وقت اور آتے وقت کیا کہنا چاہیے۔ جاتے وقت کہنا چاہیے: اَسْتَغْفِرُاللهَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ اور آتے وقت کہنا چاہیے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" —— یعنی جاتے وقت گناہوں کی توبہ کرتا ہوا جائے اور آتے ہوئے شکرِ خدا ادا کرتا جائے کہ اللہ نے صحت دے دی ہے اللہ نے گندگی سے پاک کر دیا ہے، اللہ نے کم سے کم ۲۴ گھنٹے کے لیے راحت دے دی ہے۔

اور نئے سامعین آتے ہیں، ایک آدھ آدمی کے سونے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ میں کبھی کبھی یہ کہا کرتا ہوں کہ بہت سے ڈاکٹروں کو ذاکروں سے اختلاف اسلیے ہو جاتا ہے کہ ان کی نیند آنے والی گولیاں نہیں بکتی ہیں، مجلسیں انھیں سُلا دیتی ہیں۔

صلوات

جیسے جیسے نئے حالات سامنے آتے ہیں ویسے ویسے مذہب کے احکام دلوں کی گہرائیوں میں اترتے جاتے ہیں۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اگر ہم بیت الخلاء بھی جا رہے ہیں تو وہاں بھی ذکرِ خدا ہماری زبان پر جاری رہنا چاہیے۔ جاتے ہوئے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے

اور آتے ہوئے شکرِ خدا ادا کرتے ہوئے۔

میں نے اس کی جو نئی اہمیت محسوس کی وہ اس وقت محسوس کی جب ہمارے سامنے واقعات آنے لگے کہ اچانک ہارٹ اٹیک ہو کے جن کا ہارٹ فیل ہوتا ہے ان کے اکثر واقعات یہیں ہوتے ہیں۔ اللہ نے کہا: موت یہاں بھی ہو سکتی ہے۔ تو مالک کی یاد یہاں بھی باقی رہے، لہٰذا وہاں کی موت خراب موت نہ بننے پائے۔

کوئی مرحلہ ایسا نہیں ہے جہاں ذکرِ خدا حرام ہو جائے۔ ہاں اگر وہ زمانہ آ گیا کہ اب نماز نہیں پڑھ سکتیں۔ اب روزہ نہیں رکھ سکتیں۔ اور صرف اس زمانے میں عورت مسجد کے اندر نہیں جا سکتی ہے، قرآن کے حروف نہیں چھو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ایسی مقدس چیز نہیں ہے جسے نہ چھو سکے۔

یہ تذکرے میں نے اس لیے کیے ہیں کہ اگر یہ شک دور ہو جائیں تو جو ہمارے سماج میں ایسی مذہب سے دُوری پیدا کر دی جاتی ہے اس کے بجائے مذہبی قربت پیدا ہو جائے

صلوات

آپ بھول بھی گئے ہوں گے کہ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں چلی گئی مگر مجھے یاد ہے۔ میں بچوں کی ایجوکیشن کی بات کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ بچوں کو اسکول بھیجنے کے وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ دین دار بنیں۔ یہ تو بہت بعد کی بات ہے۔ بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تب بھی مذہب چاہتا ہے کہ وہ ساری چیزیں نگاہوں سے ہٹ جائیں جو اس کو بے دین بنانے والی ہیں اور وہ ساری چیزیں نگاہوں کے سامنے آ جائیں جو اس کو دین دار بنانے والی ہیں۔ اور پہچاننے کا بہترین موقع یہ ہے کہ جیسے ہی بچہ ماں کے پیٹ سے دنیا میں آتا ہے، کہا: اس سے کوئی بات نہ کرنا، اس کے کان میں پہلے میرا نام لے لو۔ ایک کان میں اذان دے دو، دوسرے کان میں اقامت کہہ دو تا کہ

اور اگر آدمی کو یہ دیکھنا ہے کہ گناہ، سرکشی اور نافرمانی پر کیسی سوسائٹی پیدا ہوتی ہے تو یزیدیوں کو دیکھنا پڑے گا۔

یہ بات میں نے کس لیے کہی ہے؟ یہ بات میں نے اس لیے کہی ہے کہ میں اپنی ہر تقریر میں، ہر مجلس میں ایک پیغام، ایک میسیج دینا چاہتا ہوں۔ اپنی ہر بیٹی کو، اپنی ہر بہن کو، اپنے ہر بچے کو، اپنے ہر بھائی کو۔ کہ یہ مجلسیں صرف ہمارے کان میں آواز بن کر نہیں پڑیں بلکہ آواز کان تک جائے، دماغ تک خیال جائے اور جذبۂ عمل دل تک آئے جو ہمارے کیرکٹر اور کردار میں تبدیلی پیدا کرے۔

تو معلوم ہوا کہ حسین علیہ السلام کے ساتھ وہ ہیں جن کی سوسائٹی ہے نیکی اور تقوے والی، اور یزیدیوں کی سوسائٹی وہ ہے جس کی بنیاد ہے گناہ اور سرکشی۔

اب اس کے بعد ہم کسی سے بھی پوچھیں کہ ہم آپ حسینی ہیں یا معاذ اللہ خدا نخواستہ یزیدی ہیں۔ تو سب کہیں گے کہ مولوی صاحب! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ بھلا ہم یزیدی ہو سکتے ہیں؟ ہم تو بہر حال حسینی ہیں۔ ہمارے حسینی ہونے کے بارے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

تو بے شک ہم حسینی ہیں۔ لیکن ہم کو خود بھی اپنا حساب کرنا پڑے گا کہ اگر ہم ایک دوسرے کو گناہ کرنے میں مدد دے رہے ہیں تو ہم اپنے کو لاکھ حسینی کہیں، مگر ہماری سوسائٹی یزید والی سوسائٹی ہے۔

اگر ہم ایک دوسرے کو نیکی کرنے سے روک رہے ہیں تو اپنے کو لاکھ حسینی کہیں، مگر ہمارا راستہ حسین علیہ السلام کا راستہ نہیں ہے، ہمارا راستہ یزید کا راستہ ہے۔

بلکہ اگر ہم نیکی کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں، تقوے اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کریں تو پھر یہ حسینؑ کا راستہ ہے۔

صلوات

تمھیں پتہ چلے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ دونوں کانوں میں جب میرا تذکرہ ہو جائے تو میں نے لائف کی لائن مقرر کر دی ہے تاکہ دین کے اندر بچہ پلے دین کے باہر نہ پلے۔

درمیان میں ایک بات آگئی تھی، میں ادھر متوجہ ہو گیا ورنہ جس آخری پوائنٹ تک میں اپنے سمجھ دار مجمع کو لے جانا چاہتا ہوں کہ دین داری کی نگرانی کہاں سے ہونا چاہیے اور مذہب کہاں سے نگرانی کرتا ہے۔ ایک جملہ میں کہوں گا اور میرا سمجھ دار مجمع متوجہ ہو جائے گا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ اب تک میں نے وہ باتیں بیان کی ہیں کہ بچہ جب ماں کی امانت بن جائے تب کیا حالات پیدا کیے جائیں کہ بچہ دین دار بنے۔ مذہب نے اس کے آگے بھی ہدایتیں دینا شروع کیں کہ جب بچے کو ماں کی امانت میں دیے جانے کا وقت ہو تو اس وقت بھی مذہب ایسی نگرانی چاہتا ہے کہ شیطان شریک نہ ہونے پائے، شیطانی خیالات پیدا نہ ہونے پائیں تاکہ جہاں سے زندگی کا فاؤنڈیشن رکھا گیا ہے وہ نیکی پر رکھا جائے، وہ تقوے پر رکھا جائے۔ وہ گناہ اور سرکشی پر نہ رکھا جائے۔

میں آپ کی خدمت میں مذہب کی اس آواز کو سنانا چاہتا ہوں کہ میں نے جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے مذہب نے اس کو عبادت قرار دیا ہے۔ یہ ہماری زندگی کا انتہائی مخفی اور پوشیدہ کام ہوتا ہے۔ پالنے والے! تو اسے عبادت کیوں قرار دے رہا ہے؟

کہا: تم نے پہچانا نہیں۔ یہیں سے نئی زندگی جنم لینے والی ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ گناہ سے زندگی نہ پیدا ہو۔ عبادت سے زندگی پیدا ہو۔ میں نے آپ کے سامنے تھوڑی دیر پہلے ایک فقرہ کہا تھا کہ ہم جہاں سے بچے کی تعلیم دیکھتے ہیں وہ دیکھتے ہیں اسکول سے اور جہاں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں مذہب وہاں سے دیکھتا ہے۔ یہ فقرہ میں کہہ چکا ہوں اور دوبارہ سنا دیا، اب اس سے جو فائدہ ہمیں اٹھانا ہے وہ سنیے ــــــ

یعنی جب ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں مذہب اس

وقت بھی آواز دیتا ہے کہ ایمان کی آنکھیں کھولو۔ مذہب نے کہا: زندگی کا کوئی کام اللہ کا نام یعنی بسم اللہ کہے بغیر شروع کروگے تو وہ کام نامکمل رہے گا، خراب ہوگا۔ تو جہاں زندگی جنم لینے والی ہے وہاں بھی بسم اللہ کی ہدایت ہے۔ یعنی انسان جب بالکل ان منزلوں میں آجاتا ہے جہاں انسان کو اور جانور کو فرق کرنا دشوار ہوجاتا ہے مذہب نے وہاں بھی ذکرِ خدا کا حکم دے کر کہ یہ دُعا پڑھو، یہ سورہ پڑھو، بسم اللہ کہو۔ یعنی یہ فرق باقی رہے کہ جہاں جانور فقط جانور رہتا ہے وہاں بھی انسان، انسان رہے اور جب اس وقت خدا یاد رہے گا تو ایسے یادِ خدا کے ماحول میں جو امانت ماں کے حوالے باپ کرے گا وہ انشاءاللہ دین دار امانت ہوگی اور یہیں سے وہ فاؤنڈیشن پیدا ہوگا جو بِرّ اور تقوے پر ہوگا۔ گناہ اور عدوان پر نہیں ہوگا۔

صلوات

جیسے بیماری شروع ہو اور بیماری چیک ہوجائے تو بہت تھوڑی سی دوا میں فائدہ ہوجاتا ہے اور اگر بیماری لمبی ہوجائے، پُرانی ہوجائے تو پھر بہت علاج کے باوجود بھی شفا مشکل سے ملتی ہے، تو ویسے ہی لڑکا بیس سال کا جب ہوگیا اور وہ پیدا اس ماحول میں ہوا جب آدمی آدمی نہیں رہا تھا جانور ہوگیا تھا، وہ ماں کے پیٹ میں تب رہا جب وہ مسلمان بچے کی ماں نہیں تھی بلکہ فیشن کی ماری ہوئی ماں تھی۔ جب بچہ ماں کی گود میں آیا تو اس نے دین دار ماحول میں آنکھ نہیں کھولی، اس کے کان میں اگرچہ ایک مرتبہ اذان کی آواز بھی آئی ہو تو چوبیس گھنٹے میں چار سو مرتبہ گانے کی آواز آئی۔ اس کے بعد ماں نے زندگی کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لیئے، پروگراموں میں شرکت کرنے کے لیئے ملاقاتوں کے لیئے موقع نکالنے کے لیے کم سن بچے کو اسکول بھیج دیا۔ بچہ وہاں سے نکلا دوسرے اسکول چلا گیا، وہاں سے نکلا تیسرے اسکول چلا گیا۔ باپ کو فقط اتنی فکر ہے کہ مارکس اچھے آرہے ہیں یا نہیں۔ اس کے دماغ میں کفر کے کیسے کیسے پوائزن پیدا

ہو رہے ہیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اب بیس سال کا لڑکا ہوگیا، بیس سال کی لڑکی ہوگئی ــــ میں ختم کر رہا ہوں، وقت پورا ہو رہا ہے، لیکن اس آخری بات کو سن تو لیجیے ــــ تو اب لڑکی یا لڑکا بے قابو ہو کے ایسی شادی پر تیار ہو گئے ہیں جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے۔

غیر مسلم سے لڑکا شادی کرنا چاہتا ہے۔ لڑکی غیر مسلم سے شادی کرنا چاہتی ہے تو اب گھبرائے ہوئے ماں باپ مولوی صاحب کے پاس آتے ہیں۔ "مولوی صاحب! مجلس میں کچھ بیان کر دیجیے۔ شاید لڑکی ڈر جائے، شاید لڑکا ڈر جائے۔" تو آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب بیماری بہت بڑھ جاتی ہے تو جلدی علاج نہیں ہو سکتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ بیماری جہاں پیدا ہو رہی ہے وہیں پر انتظام کیا جائے۔ تو بچے کی پیدائش کے وقت بچے کی پیدائش سے پہلے، بچے کی پیدائش کے بعد پوری نگرانی کیجیے دینی تعلیم کی۔ تو اگر اس طرح سے بچے پیدا ہوں گے تو دین دار پیدا ہوں گے۔

اور انقلاب سے پہلے ۲۵ سال میں ایران کے علماء نے یہی کوشش کی تھی کہ جو ماں کے پیٹ میں بچے جائیں وہ دین دار جائیں، جو ماں کی گود میں بچے آئیں وہ دین دار آئیں۔ جب وہ جوان ہوئے تو انھوں نے پورے ایران کو، پورے ملک کو اسلامی بنا دیا، اور ایسا اسلامی بنا دیا کہ آج ایران کے ذریعہ اسلام باہر پہونچ رہا ہے۔

تو ہم بھی اس راستے پر چل سکتے ہیں، ہم بھی اپنی سوسائٹی کو دین دار بنا سکتے ہیں اور اسی لیے ہم ۱۳ سال سے تنظیم المکاتب کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہم کو زندگی میں کبھی کبھی ایک بات یاد آتی ہے۔ ایک بچی کی بسم اللہ ہمیں کرنا تھی۔ مُلّا کے تو بہت کام ہیں نا۔ بس جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں، نماز میں سب باتیں یاد آتی ہیں علاوہ اس بات کے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں، ویسے مُلّا سے سب کام لیے جاتے ہیں سوائے اس کے کہ

مسئلہ نہ پوچھا جائے۔ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو کہتے ہیں مسئلہ کبھی پوچھنا ہی نہیں چاہیے پوچھ کے پھنسنے سے کیا فائدہ۔ تو تعویذ چاہیے ملّا سے، استخارہ چاہیے۔ نہیں آتا ہے تو گھما پھرا کے لا دیجیے۔ تو اب میں آپ کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ ملّا کے کاموں میں سے ایک کام یہ بھی ہوتا ہے کہ بسم اللہ کرا دے۔

بہت سی سوسائیٹوں میں بسم اللہ بھی ایک فیشن ہے۔ بچے کو اچھے کپڑے پہنائے جائیں گے، خاندان والے جمع ہوں گے، اس کو تحفہ دیں گے۔ ایک بچی کی مجھے بسم اللہ کرانا تھی تو ہار پھول پہنے، نئے کپڑے پہنے ادھر بھی دیکھ رہی ہے کہ مٹھائی رکھی ہوئی ہے، تو وہ بار بار پوچھتی تھی کہ اماں! بسم اللہ کیوں نہیں ہوئی۔ کہا: ابھی مولانا نہیں آئے ہیں، بسم اللہ کرانے کے لیے۔ اچھا، اتفاق سے میں رشتے میں اس کا عزیز اور بھائی ہوتا تھا تو جیسے ہی میں پہونچا ویسے ہی وہ دوڑتی ہوئی اماں کے پاس پہونچ گئی۔

"اماں! بسم اللہ والا آگیا۔"

تو آج میں اپنے مجمع کو یہ خبر دینے آیا ہوں کہ تنظیم والا آگیا۔ چندہ لینے والا آگیا، خمس مانگنے والا آگیا۔ اور یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں صرف ۲۸ نومبر تک بمبئی میں رہ سکوں گا، تو ظاہر ہے کہ جیسے میں گھر گھر پہونچا کرتا تھا، دُکان دُکان پہونچا کرتا تھا، نہیں پہونچ سکوں گا۔ تو آپ سے میری درخواست ہے کہ میں کبھی آپ تک پہونچا کرتا تھا، اب آپ مجھ تک پہونچ جائیں۔ اس لیے کہ کام بڑھتا جاتا ہے۔ کبھی ہمارا بجٹ کم تھا۔ اب ہمارا بجٹ ۶ لاکھ تک پہونچ گیا ہے اور ہمیں اس سال ایک بلڈنگ بھی خریدنا ہے جس میں تین لاکھ ستّر ہزار روپے خرچ ہوں گے۔ الحمد للہ ایک لاکھ ستّر ہزار جمع ہو گئے، دو لاکھ کی اس میں کمی ہے۔ تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ہم کو اگلے سال آٹھ لاکھ روپے جمع کرنا ہیں۔ اور آپ یقین مانیے آٹھ لاکھ نہیں اٹھارہ لاکھ بھی جمع کرنا

ہوں تو ہمارا دل چھوٹا نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بارہ سال کا تجربہ ہے، یہ تیرھواں سال شروع ہوا ہے۔ مولاؑ کہتے ہیں تم کام کا حوصلہ تو کرو۔ تو میری آپ سے ہمیشہ کی طرح درخواست ہے کہ جیسے آپ تنظیم المکاتب کی مدد کرتے تھے، مدد کریں۔ اُردو میں رپورٹ موجود ہے انگلش میں رپورٹ موجود ہے اور انشاء اللہ اگلے ہفتے میں گجراتی میں بھی آجائے گی۔ آپ کو وہ سلپ بھی مل سکتی ہے جس میں ڈونر کو اگزمشن مل جائے گا انکم ٹیکس سے۔ آپ ہم سے پوری جانچ پڑتال کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمیں خمس کا اجازہ حاصل ہے یا نہیں۔ آپ ہم سے یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ تم ہندوستان سے لے سکتے ہو کہ ہندوستان کے باہر سے بھی لے سکتے ہو۔ ہم آقائے خوئی کی دونوں تحریریں آپ کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیار ہیں اور جس کو بیلنس شیٹ چاہیے اس کی بھی کاپی ہمارے پاس موجود ہے اور ہم ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ آنکھ بند کر کے اعتبار کرنے کے بجائے جتنا کھنگال کے پوچھ سکتے ہیں پوچھئے۔ جو جواب دینے میں ہچک جائے گا اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھایئے۔ جو جواب دے کے مطمئن کرے اس کی طرف ہاتھ بڑھایئے۔

تو میں آپ کی خدمت میں گذارش کروں گا کہ جو کام ہو رہا ہے اس کی بھی آپ مدد کریں اور جو کام نہیں ہو رہا ہے اس کو آپ شروع کریں۔ اس لیے کہ اگر ہم نے اپنے بچے کو بچپنے سے اور جہاں سے اس کی زندگی شروع ہو رہی ہے وہاں سے دین دار بنانے کی کوشش نہیں کی تو وہ سوسائٹی نہیں پیدا ہو گی جس کے لیے خدا کہتا ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

دیکھو! ہرگز ہرگز برائی میں، گناہ میں، سرکشی میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دینا اور نیکی و تقوے و پرہیزگاری میں ساتھ چھوڑنا نہیں۔

میں اپنے بیان کو آج یہ کہتے ہوئے ختم کرنا چاہتا ہوں کہ حسین علیہ السّلام کربلا میں اس طرح بھی آسکتے تھے کہ اپنے ساتھ صرف سن والوں کو لائے ہوتے۔ ۹۴ سال والے صحابی کو لاتے، ۸۴ سال والے صحابی کو لاتے، ۲۸ سال کے، ۱۸ سال کے جوانوں کو لاتے۔ لیکن حسین علیہ السلام اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچّوں کو بھی لائے۔ اور میں نے آپ کو بارہا سُنایا ہے کہ صاحب ناسخ التواریخ کے بیان کے مطابق عاشور کے دن ۲۸ چھوٹے بچّے کربلا کے میدان میں تھے۔ ان ۲۸ چھوٹے بچوں میں سب سے چھوٹا، سب سے کم سن بچّہ، علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد کی میں بات کر رہا ہوں۔ سب سے کم سن چھوٹا بچّہ، ہمارے پانچویں امامؑ تھے۔ پانچویں امامؑ رجب میں پیدا ہوئے۔ پہلی رجب آپ کی تاریخ ولادت ہے اور ۵۷ھ ہجری میں آپ پیدا ہوئے۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ ۵۸، ۵۹، ۶۰ تو ۶۰ھ ہجری کے رجب میں آپ کی عمر تین سال تھی اور پہلی رجب سے محرم تک ۶ مہینے دس دن ہوتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے پانچویں امامؑ کربلا میں تین سال ۶ مہینے دس دن کے تھے اور یہ تین سال چھ مہینے دس دن کا معصوم بچّہ تین دن کا پیاسا ہے۔

ذرا میں آپ سے اس بات کی طرف توجّہ کی اپیل کردوں گا کہ ہمارے سامنے کم سن بچّوں میں جناب سکینہؑ کا تذکرہ آجاتا ہے، جناب رقیہ کا تذکرہ آجاتا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں یہ خیال بھی آنا چاہیے کہ اس کم سن امام کے دل پر کیا گزر گئی۔ اس لیے کہ تین سال چھ مہینے دس دن کے پانچویں امام ایک ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ امام اس وقت بھی ہیں، علم امامت ان کے پاس اس وقت بھی ہے۔ مگر کیا دیکھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ رہے ہیں کہ دادا زخمی ہو رہا ہے اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ باپ اتنا بیمار ہے کہ بستر پر اُٹھ کے بیٹھ نہیں سکتا۔ اور اس کے بعد آپ کسی تحریر میں آج تک نہیں پڑھ سکیں گے اور نہیں سُن سکیں گے کہ ہمارے پانچویں امامؑ نے کبھی آواز دی ہو کہ میں پیاسا ہوں۔

کم سن بچّوں کو امام حسین علیہ السلام کربلا میں اسی لیے لائے تھے کہ دیکھو اگر سماج کو، اگر سوسائٹی کو دین دار بنانا چاہتے ہو تو یہ سوسائٹی دین دار صرف بوڑھوں سے نہیں بن سکے گی۔ یہ سوسائٹی صرف جوانوں سے دین دار نہیں بن سکے گی۔ سوسائٹی کو دین دار بنانا ہے تو بوڑھے بھی ہونا چاہئیں، جوان بھی ہونا چاہئیں، عورتیں بھی ہونا چاہئیں، بچے بھی ہونا چاہئیں۔ بڑے بھی ہونا چاہئیں چھوٹے بھی ہونا چاہئیں۔ ہر خاندان کے ہونا چاہئیں جب اس طرح سے سب دین دار بنتے ہیں تو سوسائٹی دین دار بنتی ہے۔

تو کربلا میں حسین علیہ السلام کے جتنے اور مقاصد تھے ان میں سے ایک مقصد یہ بھی ہمارے سامنے قرار دیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے سب سنوں کے، سب طرح کے افراد اس لیے جمع کیے تھے کہ جب بچّہ بچّہ دین دار بنتا ہے تو سوسائٹی دین دار بنتی ہے۔

آج ہمیشہ کی طرح مجلس ختم کرتے ہوئے میرا فریضہ ہوتا ہے کہ میں اپنے پانچویں امام علیہ السلام کو آج کی رات پرسہ دوں اس بات کا کہ یہی وہ رات تھی کہ جس رات کو ان کا باپ ان سے چھوٹ گیا۔ پانچویں امام کے دل سے کوئی پوچھے کہ انھوں نے کیا کیا دیکھا۔ دادا کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ کربلا سے لے کر شام تک دادا کا کٹا ہوا سر دیکھا۔ اور ایک دادا نہیں، عباسؑ جیسے دادا۔ کتنے دادا کے سر ہیں جو نوکِ نیزہ پر ہمارا یہ پانچواں امام دیکھ رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کتنی دادیاں ہیں جن کے ہاتھوں کو بندھا دیکھ رہے ہیں ——— اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمارے اس پانچویں امام نے اپنے باپ کو دیکھا کہ اٹھ کے بیٹھ نہیں سکتے ہیں مگر زبردستی اونٹ کی ننگی پیٹھ پر بٹھا دیے گئے ہیں۔ نہیں بیٹھ سکتے ہیں تو پیر باندھ دیے گئے ہیں اور جب پیر باندھ دیے گئے تو رسّن کے پھندے نے ایسا زخم ڈالا ہے کہ امام جب کوفہ میں اونٹ سے اُترے ہیں تو زخم اتنا گہرا ہو چکا تھا۔ کہاں تک گہرا ہو چکا تھا؟ میری زبان اس لفظ کو ادا کرنے

پر تیار نہیں ہوتی۔ بس دل سنبھال کے اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ زخم اتنا گہرا ہو گیا تھا کہ گوشت ختم ہو گیا تھا۔ آج سُن کے میں روتا ہوں، آپ روتے ہیں تو ذرا سوچیے وہ ساڑھے تین سال کا امام کتنا روتا ہو گا جس نے اپنے باپ کو اس حال میں دیکھا ہو گا اور اس کے بعد امام نے اپنے باپ کو ۳۵ سال تک روتے دیکھا۔

کیسے روتے دیکھا؟

وضو کے لیے پانی آیا تو روتے دیکھا۔

رات کو افطار کے لیے دسترخوان چُنا گیا تو روتے دیکھا ـــــ اور اتنا روتے تھے کہ آنسو بہہ کے کھانے اور پانی میں شامل ہو جاتے تھے کہ کھانا کھانے کے قابل نہیں رہ جاتا تھا، پانی پینے کے قابل نہیں رہ جاتا تھا۔ لیکن امام محمد باقرؑ موجود رہتے تھے۔ دوسرا پانی لے آتے تھے، دوسرا کھانا لے آتے تھے۔

آج کی رات جو آئی تو میں آنکھ بند کر کے تصوّر کرتا ہوں تو مجھے نظر آ رہا ہے سید سجادؑ نے آنکھیں بند کر لی ہیں اور محمّد باقر علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

بابا! اب میں کسے پانی پلاؤں گا ـــ بابا! اب میں کسے آواز دوں گا ـــ اور سیّد سجّادؑ آنکھیں بند کر چکے ہیں۔ بیٹا! خدا حافظ و ناصر۔ اب وہ میرے بابا حسینؑ آ رہے ہیں ـــ وہ میری پھوپھی زینبؑ آ رہی ہیں ـــ وہ میرے دادا علیؑ آ رہے ہیں۔ وہ میرے جد رسولؐ اللہ آ رہے ہیں ـــ الوداع محمدؑ باقر! میں جنّت کی طرف جا رہا ہوں۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

مجلس

(۷)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی:

تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۔

صلوات

اگر ہم مسلمان ہیں، اگر ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ جنّت تبھی ملے گی اور عذاب سے اور دوزخ کی آگ سے ہم اسی وقت بچیں گے جب ہم خدا اور نبیؐ اور امام کی بات مانیں گے۔ تو پھر قرآن مجید میں جو حکم بھی آجائے اس کو سمجھنا، اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرنا، یہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے، ہر صاحبِ ایمان کا فریضہ ہے، ہر شیعہ اور محبِّ اہل بیتؑ کا فریضہ ہے ———— میں نے آپ کے سامنے روزانہ اللہ کے اس ارشاد کا تذکرہ کیا جس میں وہ ہم سے کہتا ہے کہ تم ایک دوسرے کے مددگار بنو، ساتھ دو مگر صرف نیکی میں اور تقوی اور پرہیزگاری میں، اور خوفِ خدا میں اور اس کے بعد روکتا ہے اور منع فرماتا ہے کہ ہرگز ایک دوسرے

کی مدد نہیں کرو، ہر گز ایک دوسرے کا ساتھ مت دو گناہ میں، نافرمانی، سرکشی اور بغاوت میں۔

میں نے کل تک جو کچھ آپ کے سامنے بیان کیا ہے اور خاص طور سے کل اور پرسوں کی دونوں مجلسیں میں نے جس موضوع پر اور جس بات پر زور دینے کے لیے پڑھی ہیں وہ صرف ایک بات ہے کہ سوسائٹی، سماج اور معاشرہ بے حد طاقت ور چیزیں ہیں، اگر ہم ایسی سوسائٹی بنالیں، ہم ایسی سوسائٹی میں رہیں جو خدا اور نبیؐ اور امامؑ کی بات ماننے والی ہو تو اس سوسائٹی میں رہنے والے ہر شخص کے لیے دین دار اور ایمان دار اور پرہیز گار بننا آسان ہو جائے گا۔

اور اگر ہماری سوسائٹی ایسی سوسائٹی ہے، ہم ایسے معاشرے اور ماحول اور سماج میں رہتے ہیں کہ وہ بے دین ہے۔ تو ایسے ماحول میں رہنے والا اور پیدا ہونے والا اور پلنے والا اپنے لیے اپنے کو دین کا پابند بنانے میں زحمت اور مشکل محسوس کرے گا۔ تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنی ساری طاقت، ساری انرجی، ساری توانائی خرچ کر دیں اس بات پر کہ ہماری سوسائٹی دین کی پابند سوسائٹی بن جائے۔

میں اس سلسلے میں آج جو باتیں آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں ان کو شروع کرتے ہوئے پہلی بات مجھے یہ سنانا ہے کہ مذہب نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اگر تم کسی ایسی جگہ رہتے ہو جہاں رہنے کی وجہ سے تم اپنے دین پر، مذہب پر عمل نہیں کر سکتے تو تم پر واجب ہے، لازم ہے کہ وہ جگہ چھوڑ کے وہاں جا کر رہو، جہاں پر تمہارے لیے دین پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ یعنی یہ ایسا موقع ہے کہ اگر ہم دین پر عمل نہیں کر سکتے ہیں تو ہجرت کرنا واجب ہے۔ وہ جگہ چھوڑنا ضروری ہے اور وہاں جانا ضروری ہے جہاں ہم دین کی پابندی کر سکیں —— اور اگر ہم نہ جائیں تو ہم گناہگار ہیں۔

میں اسی بات سے دوسری بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب ہم کو یہ ہدایت مذہب نے

دیکھئے! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو دھوکا دیتا ہے۔ وہ تو بہت آسانی سے پہچان لیے جاتے ہیں جو دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ ایک آدمی سے ہم نے سودا لینا چاہا۔ ہم نے طے کیا اس سے چیز خریدیں گے۔ آپ ملے، کہا: مولوی صاحب اس وقت موقع نہیں تھا، جو سامنے کھڑا تھا بڑا چار سو بیس ہے۔ آپ کو میں نے بتا دیا تاکہ آپ اس کے ہاتھ سودا نہ کریں ورنہ پھنس جائیں گے ___ تو وہ چار سو بیس پہچان لیا جاتا ہے جو دوسروں سے دھوکا کرتا ہے۔ لیکن جب ہم خود اپنے ساتھ چار سو بیسی کرتے ہیں تو اس کو نہیں پہچانتے ___ اس کی، زندگی میں جتنی مثالیں آپ چاہیں ڈھونڈھ لیں۔

کتنے آدمی ہیں جو بیمار رہتے ہیں، ان سے کہو: بھائی تم اپنا علاج کرا لو___ کہا: نہیں نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں ___ تو کسی بیمار کا اپنے بارے میں یہ سمجھتے رہنا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں، یہ اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے اور اس کا رزلٹ ایک دن یہی آنے والا ہے کہ یہ اپنے کو سمجھے گا کہ میں زندہ ہوں اور مر جائے گا۔

کتنے ہیں جنھیں دمہ ہے۔ سانس پھول رہی ہے اور بیڑی پی رہے ہیں۔ ہم نے کہا: یہ آپ کو نقصان کرتی ہے۔ کہا: نہیں مولوی صاحب! بچپنے سے پی رہے ہیں، لہذا نقصان نہیں کرے گی ___ بھائی! بچپنے سے پی رہے ہیں تو بچپنے ہی سے نقصان کرتی آ رہی ہے۔ اور اب اتنی نقصان کرتی آئی ہے کہ جو آپ سانس لیتے ہیں اسے باہر کر دیتی ہے اندر نہیں جانے دیتی۔

تو بہت سے ایسے موقع آتے ہیں جہاں آدمی اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔

کتنے آدمی ہوتے ہیں جو قرض لیتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری آمدنی زیادہ ہے، ہم ادا کر دیں گے۔ لیکن ہوتے ہوتے ایک دن پتہ چلتا ہے کہ ہماری پونجی ختم ہو گئی، ہمارا سرمایہ ختم ہو گیا۔ ہمارے پاس اب کچھ نہیں ہے۔ ہم قرضداروں کو قرض نہیں دے سکتے

دی کہ تم اُس جگہ کو چھوڑ دو جہاں تم سے دین چھوٹ جاتا ہے اور تم اس جگہ پہو نچو جس جگہ تم کو دین مل جاتا ہے، تو اس بات کی تفصیل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ ہم اپنے بچّوں کو جب اسکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں پڑھنے کے لیے بھیجیں تو ہمیں وہاں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس ایجوکیشن سے، اس تعلیم سے ہمارا بچّہ مذہب پائے گا یا نہیں پائے گا۔

اگر مثلاً ایسا اسکول ہے، ایسا کالج ہے، ایسی یونیورسٹی ہے کہ وہاں سب کے سب ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نہیں ہے، یا یہ کہتے ہیں کہ جتنے مذہب ہیں سب صحیح ہیں جو چاہو مان لو۔ یا جو حلال و حرام، جائز و ناجائز سب پر راضی ہیں، اور ہمیں یہ یقین ہے یا ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اس ماحول میں پلنے والا بچّہ دین سے الگ ہو جائے گا تو ہمارا فریضہ ہے، ہماری ڈیوٹی ہے، ہماری ذمّہ داری ہے کہ ہم اپنے بچے کو ایسی جگہ تعلیم دلائیں کہ اس کا دین اس سے نہ جانے پائے۔ اور اگر ایسی صورتِ حال ہے کہ ہمارے پاس تعلیم کی کوئی جگہ نہیں ہے تو پھر قوم کا فریضہ ہوتا ہے، سوسائٹی کا فریضہ ہوتا ہے کہ ہم ایسے اسکول اور کالج کھولیں کہ جس میں ہمارے بچّے کو ایسی تعلیم ملے کہ وہ دین دار رہے بے دین نہ ہونے پائے۔

میں نے ہمیشہ اس موضوع پر ایک بات کہی ہے کہ فقط وہ قوم زندہ رہتی ہے فقط وہ قوم اپنے اصولوں پر باقی رہتی ہے جو اپنے بچّوں کی ایجوکیشن اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے۔ ذرا سوچنے کی بات ہے، میں ایک درخت لگانا چاہتا ہوں۔ وہ پھل والا درخت ہے یا پھول والا درخت ہے یا فقط سایہ دینے والا درخت ہے ــــ کوئی بھی درخت ہے تو سوال یہ ہے کہ میں ایسے درخت کو اگر ایسی زمین پر لگاؤں گا جو زمین میرے قبضے کی ہے کہ نکلنے والے درخت کی میں حفاظت کر سکوں، تب تو وہ درخت نکلے گا اور میرے

کام آئے گا۔ لیکن اگر میں نے دوسرے کے گھر میں جا کر لگا دیا، دوسرے کی زمین پر لگا دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ درخت تو نکلے گا مگر وہ ہمارا نہیں ہوگا کسی اور کا ہو جائے گا ـــــ تو یہ چھوٹے چھوٹے بچے، یہ ننھی ننھی بچیاں جن کو ہم کے، جی (K.G.) سے ایجوکیشن کیلئے بھیجنا شروع کرتے ہیں، یہ چھوٹے چھوٹے درخت ہیں، یہ ایسے درخت ہیں جن میں زندگی کا سایہ بھی ہے، ان میں زندگی کے پھول بھی ہیں، ان میں زندگی کے پھل بھی ہیں اور ایسے پھل ہیں کہ ان پھلوں سے نئے درخت نکلنے والے ہیں۔ اور ایسے درخت نکلنے والے ہیں جن میں پھر پھل پیدا ہوں گے اور پھر اگلے درخت نکلنے والے ہیں ـــــ تو اگر ان درختوں کو ہم نے ایسے اسکولوں کی زمینوں میں جا کر لگا دیا جہاں کفر و الحاد، فسق و فجور، گناہ و سرکشی اور عدوان کی ہوائیں چل رہی ہیں تو یہ بچے ہمارے رہیں گے مگر ایسے رہیں گے کہ ہمارے بیٹے اور بیٹیاں کہلائیں گے مگر نہ ہمارے خدا کو مانیں گے، نہ ہمارے نبیؐ کو مانیں گے، نہ ہمارے امامؑ کو مانیں گے۔ اور جب یہ ایسے بڑے ہو جائیں گے تو یہ دوزخ میں جائیں گے اور ان کے دوزخ میں بھیجنے کا سبب ہم ہوں گے تو ہم کو بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جانا پڑے گا۔

میں اسی بات کی تفصیل میں دوسری بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں بنیادی بات ایجوکیشن اور تعلیم کی ہے، وہیں اس کے بعد کا دوسرا مرحلہ ہے، یہ بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ ہم زندگی میں روزی حاصل کرنے کا کون سا ذریعہ اختیار کریں ـــــ مجھے ضرورت نہیں ہے کہ آپ کے سامنے اس کی تفصیل رکھوں کہ ہم سروس کریں گے یا ہم بزنس کریں گے یا ہم کوئی کارخانہ کھولیں گے۔ جس کے جیسے حالات ہوں گے ویسے وہ کام کرے گا، ویسے یہاں بھی ہمیں مذہب کی یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا ہے کہ اللہ نے روزی کے دسؔ حصّے رکھے ہیں اور روزی کے دس حصوں میں سے نوؔ حصّے بزنس میں ہیں، تجارت میں ہیں اور بقیہ دُنیا کے جتنے روزی کے حصے ہیں وہ سب ایک حصّے کے اندر شامل ہیں۔ اگر آج ہم میں سے کوئی بچہّ، کوئی فیملی، کوئی خاندان سروس کر رہا ہے تو اس کو اپنے فیوچر میں اپنے مستقبل میں یہ مقصد، یہ ایم اور یہ پلان رکھنا چاہیے کہ ہم آج سروس کر کے اپنے کو بزنس اور تجارت تک پہونچادیں گے۔ بمبئی تجارتی شہر ہے۔ یہاں کا ہر آدمی بزنس مائنڈڈ ہے اور یہ بزنس مائنڈڈ کبھی کبھی خدا سے بھی بزنس شروع کر دیتا ہے۔

لیکن میں ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کے لیے نہیں جو بزنس مائنڈیڈ ہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے جو بزنس کرنا چاہتے ہیں مگر جانتے نہیں۔ تو بس ایک بات جو سننے کے قابل ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس لائن کی آپ کو بزنس کرنا ہو اگر اس لائن کی بزنس کرنا چاہتے ہیں تو پہلا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ آپ پہلے اس بزنس لائن میں سروس کریں۔ جب آپ سروس کریں گے تو جتنے ضروری معلومات ہونا ہوں گے وہ آپ کو معلوم ہو جائیں گے۔ جب اس لائن کی نالج آپ کو ہو جائے گی، تجربہ آپ کو ہو جائے گا تب آپ جب بزنس شروع کریں گے تو نفع اٹھا سکیں گے، نقصان آپ بچا سکیں گے اور اگر نقصان ہو گا تو برداشت کر سکیں گے۔

ہمارے ایک دوست ایک بات کہا کرتے تھے ــــ اب وہ بیمار ہیں اللہ ان کو شفا عطا فرمائے ــــ وہ کہتے تھے کہ کام سیکھنا ہے تو مشین خرید کے کام مت سیکھو پہلے جو مشین چل رہی ہے اس پر نوکری کر کے کام سیکھو۔ جب کام آجائے تب مشین خریدو۔ تو میں نے آپ کے سامنے یہ ایک بات اس لیے کہہ دی کہ بہت سے آدمی جو بزنس کرنا چاہتے ہیں اور وہ فیل ہو جاتے ہیں تو وہ فیل اسی لیے ہوتے ہیں کہ وہ سمجھتے

ہیں کہ دکان کھول لینے کے بعد جیسے بزنس آٹومیٹک شروع ہو جائے گی ___ نہیں، وہ چیز پڑھنا پڑتی ہے۔ بزنس کیسے کیا جاتا ہے وہ بھی پڑھنا پڑتا ہے۔

تو میں کہیں سے کہیں نکل گیا ___ میں آپ کے سامنے یہ کہنا چاہتا تھا کہ زندگی میں ایجوکیشن اور تعلیم کے بعد دوسرا مرحلہ روزی کا آتا ہے۔ ایجوکیشن جب تک ہے، تعلیم جب تک ہے باپ خرچ برداشت کر رہا ہے بھائی خرچ دے رہا ہے۔ غریب ہے تو کسی ایسوسی ایشن سے، کسی جماعت سے اسکالرشپ وظیفہ مل رہا ہے۔ مدد مل رہی ہے پڑھ رہے ہیں۔ لیکن جب تعلیم ختم ہوئی تو روزی کا سوال پیدا ہو گیا۔

تو روزی میں بھی، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمیں روزی کی وہ لائن نہیں اختیار کرنا ہے جس لائن میں ہم کو مذہب چھوڑ دینا ہو۔ ہمارے سماج میں جو بے دینیاں آئی ہیں وہ اسی لیے آئی ہیں کہ ہم ایجوکیشن کو مقدم کرتے ہیں، دین کو مقدم نہیں کرتے۔ ہم روزی حاصل کرنے کو اہمیت دیتے ہیں، اس کو فرسٹ پوزیشن دیتے ہیں اور اس کے بعد دین کو ہم سکنڈ پوزیشن دیتے ہیں۔ نہیں! ہم سے مذہب کیا کہتا ہے؟

مذہب ہم سے یہ کہتا ہے کہ فرسٹ پوزیشن دین کو دو، اور سکنڈ پوزیشن اپنی لائف اور زندگی کو دو۔ جب زندگی اور لائف سکنڈ پوزیشن پر آجائے گی تو ایجوکیشن بھی سکنڈ پوزیشن پر آجائے گی، روزی بھی سکنڈ پوزیشن پر آجائے گی۔ رشتے اور شادی بیاہ بھی سکنڈ پوزیشن پر آجائیں گے۔ بس وہ ایک اردو کا محاورہ ہے، میں اسی کو چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے بیان کر دوں۔

سبھی جانتے ہیں، بمبئی والے بھی جانتے ہیں کہ گھوڑا گاڑی ختم ہو رہی ہے اور کچھ دنوں میں میوزیم میں دکھائی دے گی۔ مگر گھوڑا گاڑی میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک گھوڑا ہوتا ہے، ایک گاڑی ہوتی ہے۔ جو گاڑی کو کھینچ کر لے جائے وہ گھوڑا ہوتا ہے اور

جو سواریوں کو لے جاتی ہے وہ گاڑی ہوتی ہے۔ تو صحیح راستہ یہ ہوتا ہے کہ گھوڑا آگے ہوتا ہے اور گاڑی پیچھے ہوتی ہے۔ کبھی کبھی کچھ بے وقوف ایسے پیدا ہوتے ہیں جو گاڑی آگے کر دیتے ہیں اور گھوڑا پیچھے کر دیتے ہیں۔ تو اگر ہم نے گاڑی آگے اور گھوڑا پیچھے کر دیا۔ اور چلائیں گے تو اُلٹی چل سکتی ہے مگر سیدھی گاڑی نہیں چل سکتی۔

میں اس پوائنٹ کو اپنے بچّوں اور اپنی بیٹیوں کے سامنے خاص طور سے اس لیے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ــــ میں مثال منطق نہیں کروں گا۔ مثال مثال ہے اس کو بالکل صحیح لفظوں کے ساتھ کبھی منطبق نہ کیجیے، اس لیے کہ میں بہر حال دین کو گھوڑے سے مثال دینے پر راضی نہیں ہوں، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے گاڑی کو ہمیں چلانا ہے تو گھوڑا آگے رہیگا گاڑی پیچھے رہے گی ــــ انجن آگے رہے گا ڈبّے پیچھے رہیں گے۔ ویسے ہی اگر ہمیں جنت کی طرف جانا ہے تو دین کو آگے کرنا پڑے گا اور زندگی کو پیچھے رکھنا پڑے گا۔ اور اگر ہم زندگی کو آگے کر دیں گے اور دین کو پیچھے کر دیں گے تو ہم جنت نہیں پہونچیں گے بلکہ دوزخ پہونچیں گے۔ اس لیے کہ گاڑی اُلٹی چلتی رہے گی۔

ہمارے سماج میں جو اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے تو یہی بہہ رہی ہے کہ ہم دین کو سکنڈ پوزیشن دیتے ہیں اور لائف کو فرسٹ پوزیشن دیتے ہیں۔ جو نئی تہذیب ہے اس کا پہلا نعرہ یہ ہوتا ہے کہ "لیڈیز فرسٹ" ــــ تو کہیں یہ بات صحیح ہے اور مذہب بھی اس کی حمایت کرتا ہے کہ "لیڈیز فرسٹ" ــــ مثال کے طور پر گاڑی میں سوار ہونا ہے تو پہلے انھیں گاڑی میں سوار ہونے کا موقع دینا چاہیے۔ جو کمزور ہیں بوڑھے ہیں بچّے ہیں عورتیں ہیں۔ جب کسی مشکل کا وقت آجائے تو اس مشکل جگہ سے پہلے بچّوں کو نکالنا چاہیئے، عورتوں کو نکالنا چاہیے، بوڑھوں کو نکالنا چاہیئے، بیماروں کو نکالنا چاہیے پھر جوان بعد میں نکلیں گے۔ تو اس مرحلے پر تو لیڈیز فرسٹ ٹھیک ہے، لیکن یہ جو دین کے معاملے میں لیڈی فرسٹ ہوگئی ہے۔ جو عورتیں کہیں دینی ہے

جو عورتیں کہیں وہی سوسائٹی ہے، جو عورتیں کہیں وہی مذہب ہے۔ یہاں تک کہ ہماری سوسائٹی میں "لیڈیز فرسٹ" اس حد تک آگئی ہے کہ کسی آدمی نے یہ بات مجھ سے کہی تھی کہ میں نے ایک ذاکر کے لیے پوچھا تھا:

— کیسی پڑھ رہے ہیں؟

— ابھی نہیں بتا سکتے۔!

ہم نے کہا: کیا بات ہے مجلس میں آپ شریک نہیں ہوئے؟

کہا: نہیں، مجلس تو ہم روز سنتے ہیں — تو ہم نے کہا کہ جب روز سنتے ہو تو بتانے میں کیا دقت ہے؟

کہا: ابھی عورتوں، بائی لوگوں سے پوچھا نہیں ہے۔

یعنی اگر عورتوں نے کہا کہ مجلس ٹھیک پڑھ رہے ہیں مُلّا، تو ٹھیک ہے اور اگر بائی لوگوں نے کہہ دیا کہ نہیں ٹھیک پڑھ رہا ہے تو ٹھیک نہیں ہے — تو یہاں لیڈی فرسٹ نہیں ہے یہاں پر مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اس ارشاد کو یاد رکھنا چاہیے کہ — "عورتیں ہیں، مگر عورت کو عورت کی جگہ پر رکھو۔ مرد ہیں، مرد کو مرد کی جگہ پر رکھو اور اتنا یاد رکھو کہ سمجھ کے معاملے میں، ایمان کے معاملے میں، عقل کے معاملے میں عورتیں پیچھے ہو جاتی ہیں۔ اکثر و بیشتر ان میں کمی پیدا ہو جاتی ہے —"

اس کی مثالیں بھی ہیں، میں اس وقت اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ہوں، مجھے اور باتیں کہنا ہیں۔ مثال کے طور پر مذہب نے ہر جگہ مرد کا دوہرا حصّہ رکھا ہے، میراث میں عورت کا اکہرا حصّہ رکھا ہے۔ تو اب یہاں 'لیڈی فرسٹ' نہیں ہے۔ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور آج کی دُنیا میں جب لیڈی فرسٹ ہے تو مذہب اگر کہے کہ لیڈی فرسٹ نہیں رہی تو لوگ کہیں گے کہ مذہب ہی کو سکنڈ کر دو۔

تو میں آپ کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ ذہنوں میں شبہ نہیں پیدا ہو، اس لیے کہ شریعت نے کسی عورت پر کسی مرد کا خرچ واجب نہیں کیا ہے۔ شریعت نے کسی کا خرچ کسی عورت کے ذمہ نہیں رکھا ہے۔ جتنوں کا خرچ رکھا ہے وہ مرد کے ذمہ رکھا ہے۔ یعنی عورت کی آمدنی سالڈ بچت ہے اور مرد کی آمدنی سالڈ بچت نہیں ہے بلکہ اس میں خرچ بھی ہے اس کے بعد اگر بچ رہے تو بچت ہے۔ تو جس پر خرچ کا بوجھ رکھا ہے اس کا حصہ دوہرا رکھا ہے جس پر خرچ کا بوجھ نہیں رکھا ہے اس کا حصہ اکہرا رکھا ہے۔

صلوات

آج سماج کا الٹا دھارا ہمارے گھروں میں چل رہا ہے کہ مرد ناکارہ ہوتے جا رہے ہیں، عورتیں سروس کر کے گھر چلا رہی ہیں۔ یہ بھی وہی بات ہے کہ گھوڑا پیچھے جا رہا ہے گاڑی آگے جا رہی ہے۔ سفر الٹا ہی طے ہوگا سیدھا نہیں طے ہوگا۔ اور اب بتائیے کہ اس شوہر کو اپنی بیوی سے کچھ کہنے کا حق ہی کیا ہے جو اس کی کمائی پر روٹی کھا رہا ہے۔

اتفاق سے ایک ایسی شادی ہو گئی۔ شوہر کا قد بہت چھوٹا تھا۔ بہت چھوٹا —— بس یوں سمجھئے کہ اگر وہ میرے برابر کھڑے ہو جاتے تو میری کمر سے بھی کچھ نیچے ہی رہتے۔ تھے چھوٹے مگر شوہر تھے بڑے۔ مزاج کے ذرا چڑچڑے بھی تھے۔ بیوی بڑی شریف تھی، وہ ان کی بری باتوں اور چڑچڑاہٹ کو بھی برداشت کر لیتی تھی۔ لیکن جب وہ ضرورت سے زیادہ ان کنٹرولڈ ہو جاتے تو ان کو اٹھا کے اونچی ٹیبل پر بٹھا دیتی تھی — اب وہ تیز چیخ تو سکتے ہیں مگر کچھ کر نہیں سکتے

تو میں نے اس ہنسی کی بات میں یہ کہنا چاہا ہے کہ جتنے شوہر اپنی بیویوں کے ذریعے روٹی کھا رہے ہیں یہ اتنے چھوٹے قد کے ہیں کہ یہ ٹیبل پر بٹھا دیے جائیں گے

یہ چیخ سکتے ہیں کچھ کر نہیں سکتے ہیں۔

تو بات کہیں سے کہیں نکل جائے گی۔ میں یہ گذارش کرنا چاہتا تھا کہ مولائے کائنات نے ہمارے سامنے کہا۔ میراث میں عورت کا حصّہ کم رکھا گیا ہے اور مولا نے ایک اشارہ اور بھی کیا۔ آپ سمجھ جائیں تو سمجھ جائیں میں توضیح نہیں کروں گا، کہ عبادت میں بھی عورت کا حصّہ کم رکھا گیا ہے، اس لئے کہ مرد پر پورے مہینے کی مکمل عبادت واجب ہے، کوئی کنسیشن مرد کو نہیں ملتا ہے لیکن عورت کو کنسیشن ملتا ہے۔

ایسے ہی آپ نفسیات اور سائیکلوجی کی بنیاد پر بھی اگر غور کریں تو اتنا یاد رکھیے گا کہ جتنا شک وشبہ اور وہم عورت کو پیدا ہوتا ہے اتنا شک وشبہ مرد کو پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بچّہ بیمار ہوتا ہے تو باپ کہتا ہے ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ ماں کہتی ہے ڈاکٹر صاحب کو تو دکھاؤ مگر مُلّا صاحب سے کوئی تعویذ بھی تو لاؤ۔ یہ مُلّا صاحب کا تعویذ بچّے کو فائدہ نہیں کرے گا صرف مُلّا صاحب کو ہی فائدہ کرے گا۔ جتنے دولت مند گھرانوں سے چالو مُلّا دولت کھینچتے ہیں ان سب کا ذریعہ فقط یہی کمزور عقل والی عورتیں ہوتی ہیں۔

احادیث میں آیا ہے کہ بہترین عورت وہ ہے، خدا، نبیؐ اور امامؑ کی نگاہ میں پسندیدہ عورت وہ ہے، خدا جس کو پسند کرتا ہے وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہے ــــ لیکن آج نعرہ بدل گیا ہے ــ جو شوہر کے مال کو کافر سے ملنے والا مال غنیمت سمجھ کے خرچ کرے وہ آج کی بہترین آئیڈیل لیڈی ہے۔ پیسے ملنے کے بعد جتنا فیشن پر خرچ ہو جائے، جتنا وہم پر خرچ ہو جائے، اور یہ وہم آپ جانتے ہیں کہاں تک پہونچاتا ہے؟ یہ مُلّا کے تعویذ تک پہونچاتا ہے تو غنیمت ہے، یہ تو سائیں بابا تک پہونچا دیتا ہے۔

بات میں بات نکلتی جاتی ہے اور بات سمیٹ کے مجھے جو کہنا تھا اس میں دیر لگتی جاتی ہے۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسی بنیاد پر ہم سے مذہب نے کیا کہا؟

ہم سے مذہب نے یہی کہا کہ عورت کا حصّہ جہاں جہاں کم رکھا گیا ہے وہاں وہاں اسے پیچھے رکھو۔ البتہ جہاں جہاں اس کی کمزوری کا تقاضا ہے ـــــ وہاں اس کو تم آگے رکھو۔ یعنی اگر دشمن سے مقابلے کا معاملہ ہے تو لیڈی فرسٹ ہے اس معنی میں کہ اس کی حفاظت ہونا چاہیے پہلے اور مرد کو سامنے آنا چاہیے۔

تو میں آپ کی خدمت میں جو گذارش کر رہا تھا وہ یہ کہ رہا تھا کہ اگر سوسائٹی کو دین دار بنانا چاہتے ہیں تو ہم کو مذہب کے اس حکم کو پورے طور پر سمجھنا پڑے گا کہ جہاں تمہارا دین محفوظ نہ ہو، جہاں تم دین پر عمل نہ کر سکتے ہو اس جگہ کو چھوڑ کر وہاں جاؤ جہاں تمہارا دین محفوظ رہے اور میں اس سلسلے کی تفصیل میں آپ کے سامنے یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس میں پہلا مسئلہ ایجوکیشن کا آتا ہے ـــــ تو ہم کو کبھی اپنے بچوں کو ایسی تعلیم نہیں دلانا چاہیے جو ان کو بے دین بنا دے۔ دوسرا مسئلہ روزی کا آتا ہے اور تیسرا مسئلہ رشتوں کا آتا ہے۔

ـــــ تو میں آپ کے سامنے تعلیم کے لیے کہہ چکا، روزی کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہاں سے بات سے بات نکلتی آئی اور یہاں تک بات آ گئی۔

تو اب میں آپ کی خدمت میں روزی کے سلسلے میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں بھی چونکہ ہماری سوسائٹی اور سماج میں یہ غلطی پیدا ہو گئی ہے کہ ہم روزی کو مقدم کرتے ہیں اور دین کو پیچھے لے آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں جناب روزی تو کمانا ہی ہے، اب حلال کہاں تک دیکھیں اور حرام کہاں تک دیکھیں ـــــ تو میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ پہلے آپ قرآن مجید پڑھنا چاہتے ہیں تو قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں، کتنی ہی جگہ پر خداوند عالم نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ روزی دینے کے ہم ذمہ دار ہیں۔

آپ قرآن مجید کھولیں، بارھویں پارہ کا پہلا فقرہ پڑھیں۔ اس میں اللہ آپ کو

پورا انشورنس دیتا ہے، ضمانت دیتا ہے، گارنٹی دیتا ہے ـــــ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ؕ

زمین میں ایک بھی چلنے پھرنے والا جان دار مخلوق نہیں ہے، انسان ہو، حیوان جانور ہو کوئی ہو جس کی روزی پہونچانا اللہ نے اپنے ذمہ نہ رکھی ہو ـــــ

آپ قرآن مجید کا دوسرا موقع پڑھیں، وہاں اللہ ہم سے یہ کہتا ہے کہ بالکل کبھی اپنے دماغ میں یہ خیال نہ آنے دینا کہ زمین پر کوئی مخلوق جان دار زندہ ایسی پائی جاتی ہے جو اپنی روزی خود اٹھائے پھرتی ہے ـــــ نہیں! روزی وہ نہیں اٹھائے پھرتی ہے بلکہ روزی ہم پہونچاتے ہیں ـ

آج ہماری سوسائٹی میں جب شادی کا وقت آتا ہے ـ یہ بات ذرا زیادہ توجہ سے سننے کے قابل ہے ـ اور بمبئی میں جو لوگ ہندوستانی کہلاتے ہیں ـــ ہیں تو سبھی ہندستانی کوئی یہاں یوروپین نہیں ہے، کوئی یہاں امریکن نہیں ہے ـ لیکن یہاں کچھ بمبئی والے ہیں، کچھ ہندستانی ہیں ـــ تو میں بات سب سے کہہ رہا ہوں خاص طور سے ہندوستانیوں سے اور اتفاق سے میں بھی ہندوستانی ہوں ـ اور یہ ہندوستانی جو یہاں ہندستانی کہلاتے ہیں اس میں خود ان کا بھی ایک حصہ ہے ـ جب ہم نے پوچھا:

بھئی آپ دکھائی نہیں دیئے، ہم دو مہینے سے آپ کو دیکھ رہے ہیں ـ؟

کہنے لگے: "اپنے مُلک گئے تھے" یو،پی گئے تھے، بہار گئے تھے، دلّی گئے تھے، پنجاب گئے تھے اپنے ملک گئے تھے ـ میں ان کے لہجے میں نہیں بول رہا ہوں وہ مُلک نہیں بولتے ہیں ـ وہ بولتے ہیں اپنے مُلک گئے تھے ـ زبان بھی تو بگڑتی ہے نا ـ! وہ مُلک جاتے ہیں ـ چانس لیتے ہیں، چانس نہیں ---- تو خیر ـــ تو میں ان ہندوستانی بھائیوں سے خاص طور سے اور بقیہ ہر سننے والے سے

ان سے منھ چھپانا پڑتا ہے ـــ یہ کون ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں ـ؟ تو میں زندگی کی ان مثالوں میں زیادہ وقت آپ کا خرچ نہیں کروں گا۔

بھائی دیکھیے! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے ہم زندگی کی بہت سی باتوں میں اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں، ویسے ہی دین کے معاملے میں بھی اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ کردار اور کیرکٹر رکھتے ہیں ہم معاذاللہ خدا نخواستہ یزید والا ـــ اور اپنے کو سمجھتے ہیں ہم حسینی ہیں!!

میں ایک جملہ کہا کرتا ہوں، اور میں یہ امید رکھتا ہوں کہ کوئی بھی ایسا دل، کوئی بھی ایسا دماغ جس میں امام حسین علیہ السلام سے محبت ہے اور یزید سے نفرت ہے وہ میرے اس جملے کو سننے کے بعد ممکن نہیں ہے کہ متاثر نہ ہو ـــ میں جملہ یہ کہا کرتا ہوں کہ مثال کے طور پر رات بھر ماتم کیا ہمارے کسی نوجوان نے، مجلس کی سید الشہداء کی تو جب رات بھر ماتم کیا، رات بھر شب بیداری کی، رات بھر مجلس کی تو حسینؑ خوش، حسینؑ سے زیادہ ان کی ماں خوش، ان کی لاش پر جو بہن نہیں رو سکی تھی وہ خوش ان کی لاش پر جو بیٹا نہیں رو سکا تھا وہ خوش۔ ملائکہ خوش، انبیاء خوش، خدا خوش کہ جس نے میری راہ میں دین بچانے کے لیے قربانی دی تھی، یہ رات بھر جاگ کر اس کا ماتم کر رہے ہیں، اس پر رو رہے ہیں، اس کی مصیبت کا تذکرہ کر رہے ہیں سب خوش!

لیکن ـــ

رات بھر ماتم کرنے والا جب صبح ہونے لگی، نماز کا وقت آنے لگا اور سو گیا اذان کی آواز بھی آئی، آنکھ کھلی مگر پھر بھی نہیں اٹھا ـــ ساتھی نے جگایا بھی مگر نہیں اٹھا ـــ کہا: بھائی نماز پڑھ لو ـــ کہا: رات بھر ماتم کیا ہے، اب نماز کے لیے آنکھ

کہنا چاہتا ہوں کہ جب شادی بیاہ کا وقت آتا ہے تو ہمارے سامنے، ہماری سوسائٹی میں یہ کہا جاتا ہے کہ ابھی تو لڑکا کماتا نہیں ہے، گھر غریب ہے، فیملی کی آمدنی کم ہے ابھی شادی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

میں رُکوں گا اور رُک کے آپ سے پوچھوں گا کہ یہ بات میں صحیح کہہ رہا ہوں کہ نہیں کہہ رہا ہوں؟ پوری سوسائٹی اور سماج پر جتنا بڑا ہمالیہ ہے اتنا ہی بڑا یہ خیال ہمارے دماغ پر بیٹھا ہوا ہے کہ جب تک آمدنی نہ ہو جائے — فراخ دلی کے ساتھ خرچ کرنے والی آمدنی نہ ہو جائے — تب تک شادی کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یعنی ہم غربت، فقر و فاقہ کے خوف سے شادی کرنے میں دیر کرتے ہیں اور اس دیر کرنے کے نتیجے میں کیا ہوتا ہے؟ میں نہیں کہنا چاہتا — اور آپ بغیر میرے کہے بھی سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ مگر مجھے اتنا ضرور کہنا ہے کہ شادی میں جتنی دیر ہوتی جائے گی، اتنے ہی زندگی میں گناہ بڑھتے جائیں گے۔

میں کبھی ماننے پر تیار نہیں ہوں، میں کبھی سننے پر تیار نہیں ہوں۔ میرے سامنے کوئی آدمی ہاتھوں پر قرآن اٹھا کر بھی کہے تب بھی میں ماننے پر تیار نہیں ہوں — آدمی کو جب بھوک لگتی ہے، آدمی کو جب پیاس لگتی ہے تو یہ بھوک اور پیاس اس کو آمادہ کرتی رہے گی — تو بڑا ہائی کیرکٹر چاہیے۔ جہاں پانی مل سکتا ہو حرام پانی، جہاں کھانا مل سکتا ہو حرام کھانا — وہاں آدمی بھوکا رہ جائے اور کھانا نہ کھائے۔ فرق اتنا ہوتا ہے کہ کوئی جانور کی طرح منہ ڈال دیتا ہے۔ کوئی چھپا کے روٹی کھینچ لیتا ہے — وہ بے حیا بے شرم کہلاتے ہیں جو منہ ڈال دیا کرتے ہیں جانوروں کی طرح سے۔ اور وہ آرٹسٹ کہلاتے ہیں جو روٹیاں کھینچ لیا کرتے ہیں۔

تو بڑی سیدھی سی بات ہے کہ اگر آدمی کو حرام کھانے سے بچانا ہے تو اس کا

پیٹ حلال سے بھر دو۔ پھر کوئی ایسا ہی حرام خور بدنصیب ہوگا جو حرام کھائے گا۔ اور مذہب نے اسی حرام خوری سے بچانے کے لیے خالی نکاح کو نہیں رکھا تھا بلکہ متعہ کو بھی رکھا تھا کہ جب ذرائع بڑھ جائیں گے تو آدمی حرام سے بچ جائے گا۔ اگر کسی نے متعہ سے روکا ہے تو اس کے بعد دنیا میں جتنے گناہ ہوں گے وہ گناہ گاروں کے نامۂ اعمال میں تو لکھے ہی جائیں گے لیکن اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھے جائیں گے جس نے روکا ہے۔

آپ مجھے نہیں روک سکیں گے۔ آپ مجھے اس بات کے کہنے سے نہیں روک سکیں گے کہ ہماری سوسائٹی، ہمارا سماج، ہمارا معاشرہ دین سے اتنا الگ ہو چکا ہے، ہم اتنے بے شرم ہو چکے ہیں، ہم اتنے بے حیا ہو چکے ہیں کہ اگر کوئی آدمی گناہ کرتا ہے، بدکاری کرتا ہے، زنا کرتا ہے، ناجائز تعلقات کرتا ہے تو ہم سوسائٹی میں کچھ اس کے لیے نہیں کہتے ہیں اور لیکن اگر وہ متعہ کر لیتا ہے تو سوسائٹی میں تذکرہ شروع ہوتا ہے "سنا آپ نے ___؟" اور کسی مولوی کو، کسی پیش نماز کو اس کی کوالیفی کیشن کے بارے میں اَن فِٹ قرار دینے کیلئے ہمارا یہ بگڑا ہوا سماج جو سب سے بڑا چارج لگاتا ہے، وہ یہ لگاتا ہے کہ "ملّا صاحب نے متعہ کر لیا ہے اب یہ کہاں ملّا رہے" ___

ذرا پہچانیے، ہم نے رحمٰن کا راستہ کتنا چھوڑا ہے اور شیطان کے راستے کو کتنا اپنایا ہے...

تو بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ ہمارے سماج میں ہمالیہ جیسا پہاڑ بیٹھا ہے کہ جب تک غریبی ہے، جب تک آمدنی کم ہے تب تک شادی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس شادی نہ ہونے کے نتیجے میں شیطان نے ایسے ایسے ناجائز طریقے سماج میں اور سوسائٹی میں پیدا کر دیئے ہیں کہ ان کو سنانے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھتا

ہوں کہ سینما کے اشتہار مجھ سے زیادہ سمجھانے کے لیے کافی ہیں۔ میگزینوں کے مضامین ناولیں، افسانے، فلم سب زیادہ سمجھاتے رہے ہیں، تو میرا مجمع جو مجھ سے زیادہ سمجھنے والا ہے تو میرا جیسا بے عقل کیوں مزید سمجھائے۔ لیکن میں اس پوری بگڑی ہوئی سوسائٹی کو چیلنج کرتے ہوئے پروردگار کے اس ارشاد کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کہتا ہے:

وَانْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

"تم اپنی یتیم بچیوں کے لیے شادی کا انتظام کرو، تم میں جو صالح بندے ہیں جو مرد اور عورتیں ہیں ان کے نکاح کا انتظام کرو۔"

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ اگر یہ لوگ شادی سے پہلے غریب ہوں گے، فقیر ہوں گے تو ہم ضمانت کرتے ہیں کہ ہم اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیں گے"۔

میں نے ایک دن آپ کے سامنے تذکرہ کیا تھا بڑی تفصیل کے ساتھ کہ عرب میں عرب کا باپ دولت بچانے کے لیے کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے، پلے گی، بڑھے گی تو اسکی شادی کرنا پڑے گی، دولت لے جائے گی، اس کو ہم کیسے پالیں گے۔ وہ اس کا گلا دبا دیتے تھے۔ تو قرآن مجید میں اللہ نے کہا۔ کن سے کہا؟ ان جاہل گلا دبانے والے، بیٹی کا گلا دبا دینے والے عربوں سے کہا کہ شیطان تم کو غربت کا، فاقے کا، فقر کا خوف دلائے گا اور تم سے اس غربت کا خوف دلا کر یہ جرم کرائے گا کہ تم بیٹی کا گلا دبا دو — لیکن سنو! تم ہم پر بھروسہ کرو، شیطان کے بہکاوے میں مت آؤ۔ شیطان تو تم کو غربت سے ڈراتا ہے۔ غریبی سے ڈراتا ہے اس سے نہ ڈرو، ہم روزی پہونچانے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ اور اتنا یاد رکھو ہمیں پہچانو، ہم فقط رازق نہیں ہیں رزّاق ہیں — رازق کہتے ہیں روزی دینے والے کو، رزّاق کہتے ہیں بہت زیادہ روزی دینے والے کو۔

اور اس کے بعد کہتا ہے اللہ اپنے لیے کہ میں ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ہوں۔ میں بڑی مضبوط طاقتوں کا مالک ہوں ــــ تو جب ساری طاقتوں کا مالک میں ہوں تو میرے اس انشورنس میں کہاں سے خطرہ پیدا ہو سکتا ہے؟

تو اگر کل کا جاہل عرب اللہ کی اس گارنٹی پر، انشورنس پر، وعدہ پر بیٹی پالنے پر تیار ہو گیا تھا تو آجکل کے مسلمان کو، مومن کو، شیعہ اثنا عشری کو یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اپنی فیملی میں شادی کو جلدی کرنا شروع کر دیں، تاکہ ہماری اولادیں، ہماری نسلیں گناہ سے اپنی زندگی کو بچا سکیں اور رہی غربت تو اللہ کا وعدہ ہے کہ روزی ہم بڑھا دیں گے۔

میں آپ کے سامنے اس موضوع پر دیر تک باتیں کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ایک بات آپ سے ضرور کہوں گا وہ یہ کہ ہر آدمی اپنی زندگی پر نظر ڈالے اور ڈال کے حساب لگائے اور کل مجھے بتا دے کہ شادی سے پہلے جو آمدنی ہوتی ہے شادی کے بعد بڑھ جاتی ہے یا نہیں بڑھ جاتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب شادی نہیں ہوئی تھی تب بڑے مزے تھے۔ یہ بھی بات کہتے ہیں اور کہنے والی بات کیا ہے ہندوستان آزاد ہو گیا ہے، اب بھی کچھ پرانے بڈھے کہتے ہیں کہ جب انگریز تھے تو بڑے مزے تھے اور کبھی کبھی لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ اللہ نے سب سے بڑی مصیبت یہ دے دی ہے کہ ہم کو عقل دے دی ہے۔ اگر یہ عقل نہ دی ہوتی ہم پاگل ہوتے تو بڑے مزے سے رہتے۔

تو اگر مزہ غلامی تک پہونچا دے، اگر مزہ جنون اور پاگل پن تک پہونچا دے تو اس مزے کا کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ تو پاگل پن ہے۔ زندگی میں آپ کے سامنے ایسی بہت سی مثالیں آئیں گی ــــ لیکن میں آپ کی خدمت میں اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کم سنی کی شادی ہمارے بچوں کے لیے، ہماری نسلوں کو پاک کرنے کے لیے کہیں زیادہ مناسب ہے اس بات کے مقابلے میں کہ شادیوں میں دیر کی

جائے اور زندگیوں میں گناہ کی جگہیں پیدا ہوتی جائیں۔

اور ایک بات میں آپ کو بتا دوں؟ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی مگر بتا دوں آدمی سب سے زیادہ اس وقت ڈرتا ہے جب پہلا گناہ کرتا ہے۔ سب سے زیادہ جرم کرتے وقت، گناہ کرتے وقت آدمی ڈرتا ہے جب پہلا گناہ کرتا ہے۔ میں اپنی زندگی میں سوچوں آپ اپنی زندگی میں سوچیں ____ تو جب ہم باپ سے پہلا جھوٹ بولے ہوں گے سب سے زیادہ اس وقت ڈر رہے ہوں گے۔ یعنی جھوٹ بولنے سے پہلے بھی ڈر رہے ہوں گے جھوٹ بولتے وقت بھی ڈر رہے ہوں گے اور جھوٹ بولنے کے بعد بھی اکیلے بیٹھ کے گھبرا رہے ہوں گے کہ جھوٹ کھل گیا تو کیا ہوگا۔ کہہ چکے ہم جھوٹ، اب اپنے گھر میں جاکر چھپ کر بیٹھ رہے۔ باپ پکارتا ہے تو ہمارا دل دھڑکتا ہے کہیں کھل تو نہیں گیا جھوٹ لیکن جب دوسری مرتبہ جھوٹ بولے تو اب ڈر اور کم ہوگیا اور جتنی مرتبہ جھوٹ بولتے چلے جائیں گے ڈر اتنا ہی کم ہوتا چلا جائے گا۔

تو سیدھی سی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اگر پہلا گناہ آدمی سے نہ ہو تو اس کی زندگی گناہ سے محفوظ رہ جائے۔

میری کچھ ذمہ داریاں ہیں، میرے لیے کچھ مجبوریاں ہیں۔ اس لیے کہ سننے والے بچے ہیں، سننے والی میری بیٹیاں بھی ہیں، سننے والی میری بہنیں بھی ہیں، سننے والے میرے بھائی بھی ہیں، تو میں سب سمجھانا بھی چاہتا ہوں، سب کہنا بھی چاہتا ہوں اور سب کہے بغیر بھی کہنا چاہتا ہوں ____ تو میں سمجھتا ہوں کہ جہاں جہاں میں جگہیں چھوڑ دیتا ہوں ان جگہوں کو آپ خود محسوس کر لیں گے ____ تو میں اپنی بات کو مکمل کرنا چاہتا تھا کہ اگر ہم اپنے دین کو مقدم رکھیں تو پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ایجوکیشن میں مقدم رکھیں، اور دوسرا مرحلہ ہے کہ روزی میں دین کو مقدم رکھیں۔ میں نے آپ کے سامنے جو بنیادی بات کہی تھی، وہ یہ کہی تھی

اس لیے کہ ہمارے دماغوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ روزی ہم کماتے ہیں لہٰذا ہم سوچتے ہیں کہ ہم نہیں کمائیں گے حلال و حرام کو دیکھیں گے تو کیا ہوگا ـــ اللہ کہتا ہے کہ روزی دینے والے ہم ہیں۔

اور پھر مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اس ارشاد کو بھی یاد رکھنا چاہیے جو آپ نے اس روزی اور اس دنیا کے بارے میں کہی ہے ـــ بہت سی باتیں کہنی ہیں مجھے، وقت ختم ہو گیا ہے اس لیے چھوڑ دینا پڑی ہیں اس لیے پھر میں کہوں گا انھیں انشاءاللہ اگلی مجلسوں میں تقریروں میں آپ کے سامنے لیکن اس وقت جس بات کو مکمل کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میرے مولاؑ نے یہ کہا کہ یہ دُنیا ایسی چیز ہے کہ اس میں جو تم حرام سے حاصل کرو گے تو سزا پاؤ گے عذاب پاؤ گے اور جو حلال سے حاصل کرو گے اس کا بھی تمھیں حساب دینا پڑے گا، کہ جو حلال سے حاصل کیا تھا اسے خرچ کہاں کیا؟ تو روزی کی اہمیت نہیں ہے روزی دینے والا خدا ہے روزی کی اہمیت سے زیادہ وہ حساب ہے جو ہمیں اللہ کے سامنے دینا ہے۔ تو وہی بنیادی بات جہاں سے میں نے بات شروع کی تھی اس کو آج میں نامکمل چھوڑتا ہوں۔ کل انشاءاللہ آپ کے سامنے اس کی تکمیل کروں گا۔ وہ یہی ہے کہ ہم دین کو مقدم رکھیں، ایجوکیشن میں بھی اور ہم دین کو مقدم رکھیں روزی میں بھی اور اتنا یاد رکھیں کہ ناجائز ذریعہ سے ہم جتنا کما رہے ہیں اتنی روزی ہم کو بہر حال ملنے والی ہے، اگر ہم جائز راستہ اختیار کریں گے تب بھی اتنی ہی روزی ملنے والی ہے۔

میں نے آپ کو بارہا اپنی بمبئی کی اس ۴۲ سالہ ذاکری میں یہ واقعہ سنایا ہے کہ مولاؑ نے جس آدمی کے حوالے کیا تھا کہ میں اندر جاتا ہوں عبادت کرنے کے لیے مسجد کوفہ میں تم میرے جانور کی حفاظت کرتے رہو۔ اور مولا کے دل میں نیت تھی کہ میں اس کو جانور کی

حفاظت کرنے کے لیے دُو درہم دوں گا۔ وہ حفاظت کرنے کے بجائے لگام چُرا کے چلا گیا۔ آپ آئے۔ اپنے غلام کو دُو درہم دیے۔ کہا جاؤ لگام خرید لاؤ۔

جب وہ دُو درہم لے کے لگام خریدنے کے لیے بازار گیا تو ایک آدمی لگام بیچ رہا تھا۔ غلام نے پوچھا: کتنے میں بیچو گے؟

کہا: دُو درہم میں بیچیں گے۔

دُو درہم مانگے، دُو درہم دیے ـــــ دُو درہم کی لگام لے کے آگیا۔

جب لگام لے کے آگیا، مولا مُسکرائے۔ اور جب مسکرائے تو غلام نے پوچھا: آقا! مسکرانے کی وجہ بتا دیجیے۔

فرمایا: یہ وہی لگام ہے جو چور چُرا کے لے گیا تھا۔ کتنے میں اس نے تمہارے ہاتھ بیچی؟ مول تول تم نے کیا تھا یا اس نے خود قیمت مانگی تھی؟

کہا: اس نے دُو درہم مانگے تھے۔ دُو درہم آپ نے دیے تھے، بغیر بحث کے میں نے اس کو دُو درہم دے دیے۔

فرمایا: دیکھو، میں نے بھی نیت کی تھی دُو درہم دینے کی۔ تو اس کی روزی دُو ہی درہم کی تھی۔ اگر صبر کرتا تو حلال سے پاتا، مگر بے صبری کی ہے تو حرام سے پایا ہے۔

تو شیطان غربت کا خوف دلائے گا۔ روک دیا میں نے اپنے بیان کو۔ شیطان غربت کا خوف دلائے گا ـــ جناب! نامحرم کو نہ دیکھیں تو روزی کیسے ملے گی؟ ـــ جناب! بیوپاری کے ساتھ جوا نہ کھیلیں تو سائن کیسے ہوگا؟ ـــــ جناب! ہم نہیں پیتے ہیں، مگر اپنے گاہک کو نہ پلائیں تو دوسرا بیوپاری ہمارے گاہک کو لے جائے گا۔!!

لے جائے بیوپاری گاہک کو۔ کوئی آپ کی روزی نہیں لے جائے گا۔ جب تک ہم ان باتوں پر یقین نہیں پیدا کریں گے، تب تک ہم کبھی ایک دوسرے کے مددگار نہیں ہو سکتے

ہیں نیکی میں اور تقویٰ میں ___ اور جب تک نیکی میں اور تقویٰ میں اپنے کو پابند نہیں بنالیں گے تب تک ہم کبھی اپنے کو گناہ اور سرکشی سے نہیں بچا سکیں گے۔

صلوات

میں کل کی تقریر میں مزید آپ سے باتیں کہنا چاہوں گا۔ میں نے آج دو باتیں کہی ہیں کہاں سے بات شروع کی ہے اسے میری بیٹیاں، میری بہنیں، میرے بچے، میرے نوجوان، میرے بھائی یاد رکھیں گے کہ مذہب نے ہم سے یہ کہا ہے، دین میں ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم کسی ایسی جگہ رہتے ہو جہاں تمہارا دین محفوظ نہیں ہے تو وہاں رہنا حرام ہے تم پر واجب ہے کوشش کرو کہ جتنی جلدی ہوسکے وہاں سے نکلو اور وہاں پہونچو جہاں تمہارا دین محفوظ ہو جائے تو پھر، ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی ایجوکیشن میں بھی اور اپنی روزی میں بھی دیکھیں کہ یہ ایسی تعلیم ہے یہ ایسی روزی ہے جہاں ہمارا دین محفوظ نہیں رہ سکتا تو وہاں سے نکلنا واجب ہے اور وہاں رہنا۔ وہاں جانا اور اس راستے کو اختیار کرنا ہمارے لیے ضروری ہے جہاں ہمارا دین محفوظ ہو جائے۔

اور میں آج کی تقریر کے اس میسیج اور پیغام کو اپنی زبان کے بجائے لبِ حُر سے، حُرؑ کی زبان سے کہنا چاہتا ہوں۔ حُرؑ جب شام کے لشکر میں تھے، آرام سے تھے، پانی پی رہے تھے، کھا رہے تھے، خیمے میں بیٹھے تھے، دُھوپ سے محفوظ تھے، جان ان کی خطرے سے محفوظ تھی، زندگی محفوظ تھی، بچہ محفوظ تھا، بیٹا محفوظ تھا، بھائی محفوظ تھا، غلام محفوظ تھا، دنیا میں جتنی چیزیں دُنیا والے سوچتے ہیں وہ سب محفوظ تھیں ___ مگر حُرؑ نے محسوس کیا کہ سب محفوظ ہے مگر دین محفوظ نہیں ہے ___ سب محفوظ ہے مگر ایمان محفوظ نہیں ہے۔ سب محفوظ ہے مگر سب محفوظ کہاں ہے دوزخ محفوظ ہے جنّت سے ہم محروم ہیں، جنت ہمارے لیے محفوظ نہیں ہے ___ حُرؑ نکلے ___ حُرؑ نہیں

نکل رہے ہیں ــــ حُرؑ نہیں نکل رہے ہیں ہر حسینی کو آواز دے رہے ہیں ــ تم بھی نکلو اِس سوسائٹی سے ــــ تم بھی نکلو اس ایجوکیشن سے ــــ تم بھی نکلو اس سماج سے ــــ تم بھی نکلو اس روزی سے جیسے میں نکلا ہوں اور ادھر آؤ جدھر میں آرہا ہوں! ــــ تو اگر یزیدیت کو اور یزید کو چھوڑ کر حُرؑ نکلے تب ان کی نجات ہوئی ہے، تب وہ حسینؑ تک پہونچے ہیں۔ تو ہم جب تک یزیدی انداز سے سوچنا بند نہیں کریں گے یزیدی انداز سے رہنا بند نہیں کریں گے۔ یزیدی رشتے اور رلیشن نہیں ختم کریں گے تب تک ہم حسینؑ تک نہیں پہونچ سکیں گے۔

حرؑ بھی بہت مانتے تھے حسینؑ کو۔ جب حسینؑ نے کہا تھا: تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، تو حرؑ نے کہا تھا آپ کی ماں کا نام بغیر احترام کے نہیں لے سکتا ہوں تو حرؑ حسینؑ کو مانتے تھے ــــ تو ہم کو آپ کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم حسینؑ کو مانتے ہیں ــــ نہیں! حسینؑ کو حُر بھی مانتے تھے، ہم بھی مانتے ہیں۔ مگر حرؑ حسینؑ کو مان کے یزید کے لشکر کے تھے ــــ تو کہیں ایسا تو نہیں ہے ہم بھی حسینؑ کو مان کے یزیدی کیرکٹر اور یزیدی سوسائٹی کے اندر ہوں؟

تو ہمارا فریضہ ہے کہ نکلیں ــــ اور نکلیں تو کیسے نکلیں؟ ــــ اکیلے نہیں نکلیں ــــ حُرؑ نے بیٹے سے کہا: میرے ساتھ چلو، بھائی سے کہا: میرے ساتھ چلو۔ غلام سے کہا: میرے ساتھ چلو ــــ روایتیں ہیں، میں نے بارہا آپ کو سنایا ہے۔ روایتیں ہیں کہ غلام اور بھائی ساتھ نہیں گیا اور بیٹا ساتھ گیا۔ بعض روایتیں ہیں کہ چاروں ساتھ گئے۔ لیکن اگر ایسا ہے کہ بھائی اور غلام ساتھ نہیں گیا اور بیٹا ساتھ گیا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ جب کبھی پیغام حق سُنایا جاتا ہے تو کچھ ماننے والے بھی ہوتے ہیں، کچھ نہ ماننے والے بھی ہوتے ہیں۔ تو بڑا بدنصیب تھا حرؑ کا وہ بھائی جو بھائی کا

ساتھ نہ دے سکا۔ بڑا بدنصیب تھا وہ غلام جو آقا کا ساتھ نہ دے سکا۔ اور بڑا خوش نصیب تھا وہ بیٹا جو اپنے باپ کا ساتھ دے سکا اور ایسا ساتھ دے سکا کہ وہ حسینؑ تک پہونچ گیا۔

اب میں آپ کے سامنے آج کی ہر ماں سے، آج کے ہر باپ سے آخری بات کہہ کے مجلس تمام کرنا چاہتا ہوں۔ حُرؑ نے اپنے کو دوزخ سے نکال لیا، اپنے بیٹے کو دوزخ سے نکال لیا۔ اپنے لیے جنّت حاصل کرلی، اپنے بیٹے کے لیے جنّت حاصل کرلی ——— میری بہنو! میرے بھائیو! اس آخری بات کو پوری توجہ کے ساتھ سُننا۔ اس دُنیا میں ماں باپ جو اپنے بچوں سے محبّت کرتے ہیں۔ تو انداز محبت یہ ہوتا ہے کہ کسی اچھی چیز کو اپنے لیے لینے سے پہلے وہ اچھی چیز اپنے بچے تک پہونچاتے ہیں اگر کوئی کھانا اچھا ہے تو باپ کو خود کھا کے مزہ نہیں آئے گا، جب تک پہلے اپنے بچّے کو نہ کھلالے .... کوئی کپڑا اچھا ہے تو پہننے میں خود لذت محسوس نہیں کرے گا.... جب تک کہ بچے کو نہ پہنادے ——— اسی بنیاد پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صحیح اور سچّی محبّت کرنے والے ماں باپ وہی ہوں گے جو جنّت میں جاتے وقت یہ سوچیں کہ ہم بعد میں جائیں، پہلے ہمارا بچّہ پہونچ جائے۔

اور حُرؑ نے کربلا کے میدان میں یہی کیا۔ پہلے بیٹے سے کہا: بیٹا! پہلے تم مولا پر جان دے دو اور میں اس کے بعد شہید ہوؤں گا۔ تم مجھ سے پہلے جنّت میں پہونچو، میں تمہارے بعد پہونچوں گا۔

آج کی تقریر اسی منزل پر ختم کرتے ہوئے میں پھر آپ کے سامنے وہی پُرانی بات جو کسی نہ کسی لب و لہجہ میں، کسی نہ کسی انداز میں آپ کے سامنے روز کہا کرتا ہوں وہ یہی ہے کہ اگر ہمارا دل روتا ہے حسینؑ کے لیے تو حسینؑ کا دل روتا ہے ہمارے لیے۔

نہیں کھلتی ہے ___ تو میں ایک جملہ کہا کرتا ہوں کہ رات بھر ماتم کرنے والا جب صبح کی نماز قضا کرتا ہے تو جیسے میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اس عزادار کی جب صبح کی نماز قضا ہوتی ہے تو یہ نماز قضا کرنے والا امام حسین علیہ السلام کو رلا دیتا ہے۔

کیوں ___ کیوں ؟

ایک لڑکا نماز نہیں پڑھے تو غلطی، غلطی ہے۔ گناہ، گناہ ہے۔ جرم، جرم ہے لیکن جو پیش نماز ہو اس کا بیٹا نماز نہ پڑھے۔ اگر خدانخواستہ اعلم کا کوئی بیٹا بے نمازی نکل جائے تو آپ یقین مانیے کہ ان کے بیٹے کا بے نمازی ہونا ان کے دل کو چوٹ پہنچائے گا، کہ نہیں پہنچائے گا؟ معلوم ہوا غیر کے کام سے دل پر چوٹ نہیں لگتی ہے، مگر اپنے والے کے کام سے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

تو اگر دنیا میں کسی نے نماز قضا کی تو حسین علیہ السلام کے دل پر چوٹ نہیں لگے گی، لیکن جو رات بھر حسین علیہ السلام کے غم میں رویا ہے وہ جب صبح کی نماز قضا کر کے سو جاتا ہے تو وہ امام حسینؑ کو رلا دیتا ہے کہ یہ میرا ہے اور نماز قضا کر رہا ہے ___

میں نے ابھی آدھا جملہ کہا ہے۔ اس جملے کا دوسرا حصّہ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ جب رات بھر کا ماتم کرنے والا، جس کے ماتم سے خدا، نبیؐ اور ملائکہ، چہاردہ معصومین سب خوش تھے، وہ نماز قضا کر دیتا ہے ___ میں ایک مثال دے رہا ہوں ___ تو یہ حسینؑ کو رلا دیتا ہے اور یزید جیسے بدترین انسان کے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے کہ ___ "حسینؑ! یہ تمہارا آدمی تھا مگر ہم نے اپنا لیا" ___

تو میں کہا کرتا ہوں کہ اگر یزید سے نفرت ہے اور حسین علیہ السلام سے محبت ہے تو میرے بھائیو! میری بہنو! میرے بچّو! میرے نوجوانو! ہم سب کا فریضہ

اور اگر حسینؑ کا دل ہمارے لیے نہ رو رہا ہوتا تو وہ روتے ہوئے اصغرؑ کو کربلا میں پیاسا نہ دیکھتے ـــ اگر حسینؑ کا دل ہمارے لیے نہ رو رہا ہوتا تو انھوں نے اپنی شہادت کے بعد روتی ہوئی سکینہؑ کو طمانچے کھانے کے لیے نہ چھوڑا ہوتا ـــ اگر حسینؑ کا دل نہ رو رہا ہوتا تو وہ روتی ہوئی زینبؑ کو خدا حافظ کہہ کر میدان کربلا میں نہ گئے ہوتے۔ ـــ اگر حسینؑ کا دل ہمارے لیے نہ رو رہا ہوتا تو وہ اپنے بیمار بیٹے کو طوق زنجیر ہتھکڑی، بیڑی پہننے کے لیے روتا ہوا رخصت کر کے نہ آئے ہوتے۔

مگر حسینؑ کا دل ہمارے لیے رو رہا تھا ـــ کیا رو رہا تھا ـــ میں اپنے کو بچا سکتا ہوں، میں اپنے خاندان کو بچا سکتا ہوں ـــ میں اپنی فیملی کو بچا سکتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں کو بچا سکتا ہوں ـــ لیکن! آنے والے حسینوں کے لیے دین نہیں بچے گا ـــ لہٰذا حسین کا دل ہمارے لیے رو رہا تھا، انھوں نے سب کچھ قربان کر دیا، تاکہ یہ مجلسیں ہوتی رہیں اور اس کے ذریعہ ہم دین دار بنتے رہیں۔

بس! میں آخری لفظ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہی کہنا چاہتا ہوں کہ کل حسینؑ کا دل ہمارے لیے رو رہا تھا لہٰذا قربانیاں دے کر دین ہم تک پہونچایا تھا۔ اب اگر دین پہونچنے کے بعد پھر ہم دین دار نہ بنیں تو اب حسینؑ ایسا روئیں گے جس کی تکلیف کے لیے ہمارے پاس لفظیں نہیں ہیں۔ ہر چاہنے والا محسوس کر سکتا ہے۔

حسینؑ نے اصغرؑ کی لاش سنبھالی اور نہیں روئے ـــ اصغرؑ کی میت قبر میں دفنائی اور نہیں روئے ـــ کیوں نہیں روئے؟ اس لیے نہیں روئے کہ یہ اصغرؑ کی قربانی اگلی حسینی قوم کے بچوں کو دین دار بنا دے گی۔ لیکن آج اگر حسینی قوم کے بچے بے دین رہیں گے تو حسینؑ یہ سوچ کے روئیں گے کہ ہائے میرا اصغر شہید بھی ہوا اور اس کے بعد بھی مقصد حاصل نہ ہوا۔

لو میری بہنو! میری بیٹیو! میرے بھائیو! میرے بچّو! نوجوانو! میرے بزرگو! تم سب کو حسینؑ کے دُکھی دل کا واسطہ کہ ہم دین دار بنیں، دین دار بنائیں اپنے کو اور اپنی سوسائٹی کو دین دار بنائیں تاکہ اب حُسینؑ کے دل کو کوئی دُکھ نہ پہونچے ـــــ اب حسینؑ کے دل کو کوئی دکھ نہ پہونچے ـــــ حسینؑ نے ہمارے لیے کیا کیا ہے۔؟ حسینؑ نے ہمارے لیے کیا کیا ہے۔ ان میں سے میں صرف ایک موقع سنانا چاہتا ہوں... وہ موقع.... وہ موقع ... جب حسینؑ رخصت ہو رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں: سکینہؑ خدا حافظ!۔ رباب خدا حافظ! ۔ام کلثوم خدا حافظ! ۔ زینبؑ خدا حافظ! اور جب رخصت ہو کر نکل رہے ہیں، تو پھر داہنے اور بائیں دیکھتے ہیں۔ کس کو دیکھتے ہیں ـــ حسینؑ کی نگاہ ہم کو متوجہ کر رہی ہے کہ دیکھو! میں کسے کسے دیکھ رہا ہوں صبح کو سبھی موجود تھے اب کوئی نہیں ہے۔

جب حسینؑ نے داہنے اور بائیں دیکھا تو زینبؑ نکلیں اور کہا: بھیّا! میں موجود ہوں۔ آپ داہنے بائیں نہ دیکھیں۔ میں سوار کرنے کے لیے موجود ہوں۔ رکاب بھی پکڑی بازو بھی پکڑا اور حُسینؑ کو روانہ کر دیا ـــــ حسینؑ کہاں جا رہے ہیں؟ حسینؑ شہادت کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ زینبؑ حسینؑ کو ہمارے لیے شہادت کے لیے بھیج رہی تھیں تو اس زینبؑ کے دکھی دل کے زخموں کا مرہم یہ ہے کہ ہم اپنی سوسائٹی کو دین دار بنا دیں۔

میں آپ کو ایک آخری مرحلہ سنادوں تاکہ حقِ مصائب بھی ادا ہو جائے ـــــ حسینؑ کربلا کے میدان میں زخمی ہو کر گھوڑے سے گر چکے ہیں۔ ایک خیمے میں سارے بچے اور بیبیاں سمٹ کے جمع ہو گئے ہیں۔ جتنا مجمع ہے سب ایک خیمہ میں ہے۔ فقط سیّد سجادؑ جو اُٹھ کے چل نہیں سکتے وہ اپنے خیمے میں ہیں اور بچّے یہ پوچھ رہے ہیں خاص طور سے سکینہؑ یہ پوچھ رہی ہے کوئی ہے جو بابا کا حال بتا دے ـــــ کوئی ہے

جو میرے بابا کی خبر لے آئے اور ہماری آپ کی شہزادی چادر ڈال کے سر پر نکلتی ہیں۔
ذرا ٹھہرو! میں جاتی ہوں، میں جاتی ہوں اور جا کے جب دیکھتی ہیں کہ فوج پھیلی
ہوئی ہے، بھائی کا پتہ نہیں لگ سکتا ہے تو ایک ٹیلے پر چڑھ جاتی ہیں، وہاں سے دیکھتی
ہیں شمرؔ ہاتھ میں خنجر لے کے بھائی کے قریب بیٹھا ہے۔

بہن نے آواز دی .... بہن نے آواز دی، اے بھائی! تمہاری خبر گیری کے
لیے میں یہاں تک آئی ہوں ــ حسینؑ نے آواز دی، زینبؑ! جلدی خیمے میں واپس
جاؤ... جلدی خیمے میں واپس جاؤ۔ میں ذبح ہونے والا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ
ذبح ہوتے وقت میں تم کو دیکھوں اور ذبح ہوتے ہوئے تم مجھے دیکھو۔

زینبؑ ابھی خیمے تک پہونچی نہ تھیں کہ آواز آئی ـــ حسینؑ ذبح ہو گئے۔ حسینؑ شہید
ہو گئے۔ خیمہ کا پردہ اُلٹ کر جو بی بی اندر گئیں تو شاید ایک بار دوڑ کے سکینہ کو کلیجے
سے لگا لیا ہو۔ اے بیٹی! میں خبر لے آئی، تیرا باپ مار ڈالا گیا۔ تو یتیم ہو گئی۔

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝
اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝

مجلس

(۸)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی:

تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ

صلوات

اللہ کا حکم ہے کہ ہر مسلمان، ہر مومن نیکی میں اور عبادت میں، خوفِ خدا، اور پرہیزگاری و تقوے میں ایک دوسرے کا ساتھ دے، ایک دوسرے کی مدد کرے اور اس حکم کے ساتھ ساتھ سختی کے ساتھ اللہ منع کرتا ہے کہ نہ گناہ کرنا، نہ گناہ میں ساتھ دینا، نہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں سرکشی کرنا اور نہ سرکشی کرنے والے کا ساتھ دینا۔

میری تقریریں جو اس سلسلے میں ہو چکی ہیں، آپ کے سامنے میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اس میں سے اتنی بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا ہے، مِل جل کر رہنا ہے اور جب انسان مل جل کر رہتے ہیں تو سماج اور معاشرہ اور سوسائٹی پیدا ہوتی ہے ـــــ تو اللہ نے ہم سے یہ کہا ہے کہ تمھاری سوسائٹی وہ ہونا چاہیے جس کی بنیاد نیکی، خوفِ خدا اور تقویٰ ہو اور تمھاری سوسائٹی ایسی ہونا چاہیے جس میں گناہ،

نافرمانی اور سرکشی کی جگہ نہ ہو۔

کل میں نے آپ کے سامنے اس بات کو کافی تفصیل کے ساتھ پیش کیا تھا کہ سوسائٹی ایک بڑی طاقت ور چیز ہے اور ہر طاقت والی چیز اگر برے راستے پر لگ جائے تو بہت نقصان بھی پہونچاتی ہے، اور اگر وہی طاقت والی چیز اچھے راستے پر لگ جائے تو بہت فائدہ بھی پہونچاتی ہے۔

کل میں نے آپ کے سامنے چودہ سو سال کے پرانے عرب کا تذکرہ کرتے ہوئے، اپنے زمانے میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان حالات کو عرب کے تذکروں سے جوڑتے ہوئے وہ نقشے اور نمونے آپ کے سامنے پیش کر دیے کہ اگر سوسائٹی برے راستے پر چلی جائے تو باپ بیٹی کا گلا دبا دیتا ہے اور برا نہیں سمجھتا ہے بلکہ اچھا سمجھتا ہے۔ انسان جس کو اپنا خدا سمجھتا ہے اس کے سامنے برہنہ ہو جاتا ہے اور اس میں وہ اپنے خدا کے لیے تعظیم سمجھتا ہے، پوجا اور عبادت سمجھتا ہے۔ وہ ناجائز تعلقات کو اپنے لیے فخر وافتخار سمجھتا ہے اور اس کا اعلان کرتا ہے۔

کل میں نے تقریر یہاں لا کے ختم کی تھی کہ اگر یہی سوسائٹی اچھے کام کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو پھر جو کام ساری سوسائٹی کرنے لگتی ہے تو جو برے ہوتے ہیں وہ بھی اس اچھے کام میں شریک ہو جاتے ہیں چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے مثال دی تھی کہ سال بھر نماز نہ پڑھنے والے عید اور بقرعید کی نماز پڑھنے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں، کیوں ___ ؟ اس لیے کہ اس دن پوری سوسائٹی عیدگاہ اور مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جارہی ہے۔

میں اپنے وعدے کے مطابق آج آپ کے سامنے تصویر کے اس رخ کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر سوسائٹی نیکی کی طرف لگ جائے، خدا کے خوف، تقوے اور پرہیزگاری سے متاثر ہو جائے تو اس میں کتنا بڑا انقلاب آجاتا ہے اس کا اندازہ انسان نہیں لگا سکتا ہے

میں اس سلسلے کی ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج تک انسانوں کی تاریخ جو انسانوں نے لکھی ہے اس میں یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ انسان کی سوسائٹی میں شراب پینے کا رواج آج سے نہیں آج سے ہزاروں سال پہلے سے جاری ہے اور پھر میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش کردں گا کہ جس عرب میں آج سے چودہ سو سال پہلے حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کرنے کے لیے اُٹھے تھے اس عرب میں بھی شراب کا رواج تھا۔ عرب شراب کا کیسا شوقین تھا اس کے لیے بھی میں صرف آپ سے اتنا کہوں گا کہ عرب کا لٹریچر پڑھیئے اس نے شراب کے اتنے نام رکھے تھے جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ شراب کا کتنا شوقین تھا۔

شراب کس چیز سے بنائی جاتی ہے اس چیز کی بنا پر اس کا نام الگ رکھا جائے یہ ایک بات ہے۔ کس کمپنی نے بنائی ہے وہ نام وہ الگ رکھے، یہ الگ بات ہے۔ عرب جو شراب کے نام رکھتا تھا اس کا مزاج یہ تھا کہ جو صبح پیتا تھا اس کا نام اور تھا جو شام کو پیتا تھا اس کا نام اور تھا، جو اکیلے میں پیتا تھا اس کا نام اور تھا، جو مجمع میں بیٹھ کے پیتا تھا اس کا نام اور تھا ــــ یعنی اس نے شراب کے نام محل اور موقع کے اعتبار سے اتنے رکھے تھے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ عرب کی جاہلیت کی زندگی میں انسان کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ شراب دوڑ رہی تھی۔

میں آپ کے سامنے پوری ہسٹری کی بنیاد پر، جو انسانوں نے انسانوں کی لکھی ہے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سوسائیٹیاں فیل ہوگئی ہیں شراب کے روکنے میں، حکومتیں ناکام ہوگئی ہیں شراب کے روکنے میں۔ اخلاقی قاعدے اور ضابطے ٹوٹ گئے ہیں شراب کے روکنے میں۔ کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے "یہی ہندوستان جب اس پر انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ تھا، ہم آزاد نہیں تھے، ہم غلام تھے۔ تو جب ہندوستانیوں

نے آزادئ ہند کی کوشش شروع کی تھی تو ہمارے سامنے آزادی کی کوشش کرنے والے لیڈروں نے جو نقشہ رکھا تھا۔ جو اگلا بیان پیش کیا تھا، جو آزاد ہندوستان کا انھوں نے خواب دیکھا تھا اس میں جہاں بہت سی چیزوں کا تذکرہ تھا وہیں بڑی اہمیت کے ساتھ اس بات کا تذکرہ تھا کہ جب ہندوستان آزاد ہو جائے گا۔ ملک ہمارا ہو گا، حکومت ہماری ہو گی، قانون ہمارا ہو گا، گورنمنٹ ہماری ہو گی، سوسائٹی ہماری ہو گی ــــ تو یہ شراب جو انسان کو تباہ کر دیتی ہے، گھروں میں فاقے ڈلوا دیتی ہے، جو انسان کو جانور بنا دیتی ہے، اس میں قوم کے لاکھوں، کروروں، اربوں روپے برباد ہوتے ہیں ــــ اس شراب کو ہم بند کر دیں گے۔ یہ ہندوستان کی آزادی کے سب سے بڑے رہنما گاندھی جی نے زندگی بھر کہا۔

لیکن جب آزادئ ہند کے بعد حکومت ہماری ہو گئی، ہم آزاد ہو گئے، ہم اپنے ملک کے مالک ہو گئے تو آج آزادئ ہند کو اتنا عرصہ گزر چکا ہے لیکن شراب بندی کی کوئی گنجائش اس ملک میں نہیں پائی جاتی ہے۔ بمبئی والوں کو یہ بات ضرور بتانے کی ہے کہ ڈھائی سال مرار جی ڈیسائی یہ ضرور کہتے رہے کہ شراب بند کر دی جائے اور شاید ان کی یہ بات اثر انداز ہوتی مگر ان سے ذرا سی ایک غلطی اور چوک ہو گئی کہ وہ شراب بند کر رہے تھے اور پیشاب جاری کر رہے تھے ــــ تو شراب تو بند نہیں ہوئی اور پیشاب جاری نہیں ہوا البتہ وہ اپنی دھار میں خود بہہ گئے۔

تو میں کبھی سیاسیات میں اور پالیٹکس میں کوئی دلچسپی اس لیے نہیں لیتا ہوں کہ مجھے اس میں کچھ معلوم ہی نہیں ہے لیکن اتنی بات جس کا ہماری سوسائٹی سے ہمارے اخلاقیات سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کا تذکرہ کر دیتا ہوں ــــ تو میں یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ مرار جی کی گورنمنٹ میں ڈھائی سال میں شراب بند کرنے

کی جو کوشش ہو رہی تھی وہ کچھ نہ کچھ کامیاب ہوئی تھی۔ کم سے کم اتنا فائدہ میں نے ضرور دیکھا تھا کہ خود میرے گاؤں میں جو شراب خانے تھے وہ بند ہو گئے لیکن اس کے بعد حکومت نے شراب کے آگے سر جھکا دیا۔ سنٹر جب کبھی، مرکزی حکومت جب کبھی صوبائی حکومتوں سے پوچھتی ہے کہ شراب ہم بند کر دیں گے تو کہتے ہیں کہ جب شراب بند کر دو گے تو شراب سے ہمیں جو ٹیکس ملتا ہے وہ آمدنی بند ہو جائے گی۔ ہم اسپتال کیسے چلائیں گے، اسکول کیسے چلائیں گے ہم اور بہت سے رفاہی اور سوشل کام کیسے کریں گے۔؟

تو معلوم ہوا کہ انسانوں کا لہو کھینچا جا رہا ہے اور اس سے اسپتال اور اسکول چلائے جا رہے ہیں۔ آج اگر ہزاروں سال سے کوئی مذہب، کوئی سوسائٹی، کوئی حکومت شراب کو نہیں روک سکی ہے تو میں آپ کی خدمت میں ثابت کرنے کے لیے کہ جب سوسائٹی کو نیکی اور تقوے کی بنیاد پر تیار کیا جا رہا ہے اور گناہ اور سرکشی سے روکا جاتا ہے تو اس کے سامنے ہسٹری اور تاریخ میں ایک ایسا موقع بھی آتا ہے جب حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے سامنے ایک ایسا معجزہ پیش کیا ہے جس کے لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ ڈوبے ہوئے سورج کو پلٹانا معجزہ ہے ــــ انگلی اٹھا کر چاند کے دو ٹکڑے کر دینا معجزہ ہے ــــ کنکروں کو اٹھا کر گواہی دلا دینا معجزہ ہے ــــ بھاگتے ہوئے جانور کو آواز دے کر اس سے گواہی دلا دینا معجزہ ہے ــــ پتھر پر قدم رکھ دینا اور پتھر قدم کا نشان بن جائے یہ معجزہ ہے ــــ پانی پر سے گزر جانا اور پیر بھیگنے نہ پائیں یہ معجزہ ہے۔ لیکن یہ تمام معجزے وہ معجزے ہیں جو حضورؐ نے الٰہی طاقت کے ذریعہ دکھلائے۔

میں پیغمبرؐ کی تعلیم کا معجزہ، پیغمبرؐ کی تبلیغ کا معجزہ، پیغمبرؐ کی ہدایت کا معجزہ،

پیغمبرؐ نے جو سوسائٹی بنائی تھی وہ کیسی پاک صاف تھی۔ اس میں نیکی اور تقوے کا کیسا زور اور اثر تھا، اس میں گناہ کتنا مٹ گیا تھا، سرکشی کتنی دب گئی تھی، اس سوسائٹی اور تعلیم کے معجزے کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو شاہکار تھا میرے نبیؐ کا، جو رسولِ اعظم بن کے آیا تھا۔ میں اپنے بچّوں کی معلومات کے لیے، اپنی بچیوں کو بتانے کے لیے یہ تفصیل بتانا چاہتا ہوں کہ آج مذہب مکمل ہے، آج کیا کیا واجب ہے اس کی لسٹ مرتب ہے، آج کیا کیا گناہ ہے اس کی فہرست پائی جاتی ہے ____ لیکن پیغمبرؐ نے جب دین پیش کرنا شروع کیا تھا تو پہلے پہلے دن پہلے پہل پورے حلال و حرام کے احکام اللہ نے نہیں نازل کیے تھے اس لیے کہ آج ہم مسلمان پیدا ہوئے ہیں، مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہیں، مسلمان معاشروں میں پیدا ہوئے ہیں، مسلمان ماں باپ کی گود میں پلے ہیں۔ آج اسلام دنیا میں پھیل چکا ہے تو آج کے حالات اور ہیں، لیکن کل جب صرف بنی ہاشم کے گھر میں اسلام باقی رہ گیا تھا۔ جب صرف عورتوں میں خدیجہ کے پاس اسلام تھا، بنتِ اسد کے پاس اسلام تھا، حلیمہ سعدیہ کے پاس اسلام تھا۔ مردوں میں ابو طالبؑ کے پاس اسلام تھا، علیؑ ابن ابی طالبؑ کے پاس اسلام تھا، بنی عبد المطلب کے پاس اسلام تھا تو ایسے محدود ماحول میں، جاہلیت میں جاہل عربوں کے سامنے اگر پورا اسلام ایک ساتھ رکھ دیا جاتا کہ یہ کلمہ پڑھو، یہ نماز پڑھو یہ روزہ رکھو، اتنے گناہ ہیں انھیں چھوڑ دو، اتنے واجبات ہیں انھیں ادا کرو ____ اس ماحول میں پوری شریعت کو ایک دم سے پیش کر دینے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ مریض انکار کر دیتا۔

بالکل ایسے جیسے کوئی سیریس پیشنٹ ہو، بڑا پرانا مریض ہو تو اس کو ایک دن میں دوائیں نہیں دی جا سکتی ہیں۔ پہلے کم دوائیں دی جائیں گی۔ مثال کے طور پر کوئی زہریلا

پھوڑا پیدا ہوگیا ہے جسم میں خون بھی کم ہوگیا ہے، طاقت بھی کم ہوگئی ہے، آپریشن کرنا ہے لیکن آپریشن سے پہلے ایسی دوائیں دی جائیں گی کہ اس میں قوت پیدا ہوجائے۔ خون بڑھایا جائے گا کہ آپریشن میں وہ زندہ رہے، دوائیں دی جائیں گی کہ زہر کا اثر کم ہوجائے جب منزل آئے گی، تب آپریشن کیا جائے گا، بس ویسے ہی پیغمبرؐ کے پاس جو شریعت آرہی تھی وہ آہستہ آہستہ آرہی تھی۔

میں آپ کی واقفیت اور معلومات کے لیے اپنے بچوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے اسلام پیش کرتے وقت سب سے پہلے پوری دنیا کے سامنے ایک بڑی بنیادی بات اور بڑی آسان بات اور مختصر سی اور چھوٹی سی بات کہی تھی کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو، اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اس بات کا اقرار کرو—— کیوں؟ اس لیے کہ جو تین سو ساٹھ بُتوں کے سامنے جھک رہے تھے ان بتوں کے سامنے جھکنے والوں کو سب سے پہلے ایک خدا کے سامنے جُھکانا تھا۔

یاد رکھیے! اس بات کو یوں سمجھیے کہ ایک خدا کے سامنے جھکانا آسان تھا لیکن تین سو ساٹھ خداؤں کے سامنے سے اُٹھانا مشکل تھا۔ اگر نبیؐ یہ کہتے کہ تین سو ساٹھ تمھارے جو خدا ہیں ان کو رکھو اور ایک میرا بنا کر کے، ملا کر کے تین سو اکسٹھ خداؤں کو سجدہ کرو، تو اسلام بہت آسان ہوجاتا اور بہت آسانی کے ساتھ مان لیتے۔ مگر نبیؐ کو تین سو ساٹھ خداؤں کے سامنے سے پیشانیاں اٹھوانا تھیں اور ایک خدا کے سامنے پیشانی جُھکوانا تھی۔ لہٰذا پیغمبرؐ نے سب سے پہلے کہا کہ اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو گے —— سارے باطل خداؤں کا انکار کرو گے اور صرف اللہ کا اقرار کرو گے، تو تم بھلائی پاؤ گے، نجات پاؤ گے، کامیابی پاؤ گے۔

جب مسلمان ہونا شروع ہوئے تو یہاں سے شروع ہوئے کہ انھوں نے اللہ کو

ہے کہ ہم اپنی زندگی سے چُن چُن کے گُناہ نکال دیں اور گُناہ نہ کریں، اور جو ہم پر واجب ہے ان واجبات کو ادا کریں تاکہ حسین علیہ السّلام ہم کو دیکھ کر مسکرائیں اور یزید ہماری دینداری دیکھ کر روئے۔

صلوات

آج مجھے آپ کے سامنے یہی کہنا تھا کہ اللہ نے ہم کو بتایا ہے کہ تمہارا ساتھ دو باتوں میں ہونا چاہیئے نیکی اور تقوے میں۔ اور ہرگز ساتھ نہیں ہونا چاہیے گناہ میں اور سرکشی میں۔ اب آپ کو ہم بتائیں ___ کبھی کبھی گناہ اور سرکشی میں ایسا ہم ساتھ دے دیتے ہیں کہ ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا ہے کہ ہم نے ساتھ دیا ہے۔

میں نے بہت مرتبہ سُنایا ہے، اس وقت بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مومن کی غیبت حرام ہے۔ عورت ہو یا مَرد ہو اگر وہ اثنا عشری شیعہ ہے تو وہ مومن ہے اور مومن کی غیبت حرام ہے، اور جب مومن کی غیبت حرام ہے اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ جب وہ دین کا پابند ہو تبھی اس کی غیبت حرام ہے ___ نہیں! اگر وہ گنہگار ہے تب بھی غیبت حرام ہے۔ اور غیبت کے معنی کیا ہیں؟ غیبت کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جو برائی، جو عیب، جو نقص پایا جاتا ہے وہ عیب بیان کیا جائے اور اس لیے بیان کیا جائے کہ اس سے اس کی انسلٹ ہو سکے، اس کی بے عزّتی ہو، اس کی توہین ہو۔!!

میں مثال دیا کرتا ہوں ___ ایک آدمی کالا ہے۔ نہ کالا ہونا اپنے بس میں ہے اور نہ گورا ہونا اپنے بس میں ہے۔ اگر کوئی خود گورا ہو گیا ہو تو اس کو یہ حق ہے کہ ___ نہیں صاحب، ہم گورے ہیں۔ لیکن جب اللہ نے تم کو گورا بنایا ہے تو اس میں تمہاری کون سی بات ہے ___ اور کسی کالے کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم

مانا، تو جب اللہ کو مانا تو نبیؐ نے دوسری بات کہی کہ جس کو مانا ہے اس کا آرڈر مانو، اس کے احکام مانو ــــــ بس یہاں سے اسلام بڑھنے لگا، احکام آنے لگے، شریعت نازل ہونے لگی۔

حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ سے نماز پڑھتے تھے لیکن اُمّت پر اس دن واجب ہوئی ہے جب پیغمبرؐ معراج سے واپس آئے ہیں تو معلوم یہ ہوا کہ پہلے دن مسلمانوں پر نماز واجب نہیں کی گئی ہے۔ مسلمانوں پر نماز تب واجب کی گئی جب پیغمبرؐ معراج سے واپس تشریف لائے۔ ایسے ہی روزے کا حکم شروع میں نہیں دیا گیا ہے بعد میں آیا ہے۔ ویسے ہی حج کا حکم شروع میں نہیں دیا گیا ہے، بعد میں آیا ہے۔ کیا چیزیں نجس ہیں، کیا چیزیں حرام ہیں، رفتہ رفتہ حکم دیا گیا ہے۔

پیغمبرؐ جو سب سے پہلے بیعت لیا کرتے تھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہو، اللہ کا حکم مانو، اور اس کے بعد دوسری جو بات کہتے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ نماز پڑھو اور اپنے کو بدکاری سے، ناجائز تعلقات سے اور زنا سے محفوظ رکھو ــــــ یہ بیعت کی ابتدائی شرطیں ہوا کرتی تھیں۔ آتے آتے ایک دن ایسا آیا کہ مدینہ میں نبیؐ آ چکے ہیں، مکّہ کے تیرہ سال گزر چکے ہیں، مدینہ کے بھی کئی سال گزر چکے ہیں۔ اب اللہ نے کہا:

اے میرے نبیؐ! اب وقت آ گیا ہے کہ اس شراب کے رسیا مجمع سے کہو کہ شراب حرام ہے۔ پیغمبرؐ پر حکم نازل ہوا کہ شراب کے حرام ہونے کا حکم اعلان کر دو۔ اور نبیؐ نے شراب کے حرام ہونے کا اعلان کیا تو اپنے کچھ آدمیوں سے کہا کہ گلیوں میں جاؤ، گھروں کے پاس جاؤ، بستیوں میں جاؤ اور جا کے میری طرف سے ندا دو اور آواز دو اور پکار آؤ کہ آج سے شراب حرام ہے۔

میں اپنے پچھلے بیان سمیٹ کے آپ سے واپس لینا چاہتا ہوں کہ حکومتیں ناکام ہوگئیں شراب روکنے میں، اخلاقی ضابطے ناکام ہوگئے شراب کے روکنے میں ـــــ سوسائٹیاں ناکام ہوگئیں شراب کے روکنے میں ـــــ مگر پیغمبرؐ نے تیرہ برس مکّے کے اور بقیہ کئی سال مدینہ کے صرف کرکے جو سوسائٹی بنائی تھی: اسلامی سوسائٹی بنائی تھی ـــــ جس کی بنیاد نیکی تھی، جس کی بنیاد تقوے پر تھی، جس میں گناہ مٹائے جارہے تھے، سرکشیاں مٹائی جارہی تھیں ـــــ تو تاریخ آپ پڑھیں آپ کو یہ تذکرہ ملے گا کہ نبیؐ کے بھیجے ہوئے آدمی اعلان کر رہے تھے کہ شراب حرام ہے۔ آج سے شراب حرام ہے ـــــ آج سے شراب حرام ہے ـــــ جس کے کان میں آواز پہونچ جائے اس کے لیے آواز کے پہونچ جانے کے بعد شراب حرام ہے۔

نبیؐ کے بھیجے ہوئے آدمی اعلان کرتے جارہے ہیں تو ایسے بھی گھر تھے کہ جن میں اس وقت شراب پی جارہی تھی، ایسے بھی لوگ تھے کہ جن کے ہاتھ میں اس وقت شراب کے پیالے تھے، ایسے بھی لوگ تھے جن کے منھ میں شراب کے گھونٹ تھے اور پکارنے والے نبیؐ کی طرف سے آواز دے رہے تھے ـــــ تو ہمارے سامنے تاریخ نے یہ منظر رکھا ہے کہ جن ہاتھوں میں شراب کا پیالہ تھا انھوں نے پیالہ پھینک دیا، جن کے منھ میں شراب تھی انھوں نے کلّی کردی جن کے ہونٹوں میں لگی رہ گئی تھی انھوں نے پونچھ ڈالی اور جو ہے وہ دوڑا ہوا نبیؐ کے پاس آتا ہے:

"حضورؐ! ہم نے شراب چھوڑ دی ـــــ حضورؐ! ہم نے شراب چھوڑ دی۔ حضورؐ! ہم نے شراب چھوڑ دی۔"

تو ہزاروں سال سے انسان کہہ رہا ہے کہ شراب نہیں چھوڑی جاسکتی ہے۔ شراب نہیں چھوٹ سکتی ہے۔ مگر پیغمبر اسلامؐ نے شراب چھڑا کے بتایا کہ سوسائٹی اتنی

یا دولت ایسی چیز ہے کہ اگر اس کو نیکی اور تقوے کی بنیاد پر رکھا جائے تو ناممکن کو یہ ممکن بنا دیا کرتی ہے۔

صلوات

میں آپ کے سامنے اور نمونے بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ انتہائی بگڑے ہوئے حالات میں جب سوسائٹی کو پھر سے سدھارا جاتا ہے تو نیکی، تقوے، خوفِ خدا اور پرہیزگاری کی بنیاد پر سوسائٹی تیار کی جاتی ہے تو ایسے عجیب و غریب، ناممکن اور ناقابلِ تصوّر انقلابات تاریخ کے اندر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں جن کو کوئی آدمی سوچ نہیں سکتا۔

میں آپ کے سامنے، آپ جیسے حسینی مجمع کے سامنے دوسری مثالوں کے بجائے یہ سنانا چاہتا ہوں کہ جب حضورؐ تشریف لائے تھے، تب عرب کافر تھا تب عرب جاہل تھا، عرب کی سوسائٹی جاہلیت کی سوسائٹی تھی لیکن نبیؐ کے انتقال کے پچاس سال بعد جب یزید کے ہاتھ میں حکومت آئی ہے تو اس وقت اسلام پھیل چکا تھا، کتنا پھیل چکا تھا، عرب سے باہر تک پھیل چکا تھا۔ جہاں تک کفر پھیلا ہوا تھا اس کی بڑی سرحدوں تک اسلام پھیل چکا تھا، لیکن یہ اسلام بگڑا ہوا تھا، یہ اسلام بدلا ہوا تھا ـــــ اسلام مٹا ہوا تھا ـــــ اسلام تبدیل کیا گیا تھا۔

کیسا تبدیل کیا گیا تھا ـــــ؟ جس نبیؐ اعظم نے اپنی محنتوں سے شراب کی رسیا سوسائٹی کو شراب سے الگ کر دیا تھا اسی نبی کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان اب کلمہ پڑھ کے شراب پی رہے تھے اور شرابی کو امیر المومنین کہہ رہے تھے۔ جتنے گناہ جتنی سرکشیاں کافروں نے بتوں کے نام پر کی تھیں۔ کفر کے نام پر کی تھیں وہ ساری برائیاں، سارے گناہ، ساری سرکشیاں اب یزید کے زمانے میں، یزید کے دربار میں

دمشق میں، شام میں، کوفہ میں، عراق میں، بصرے میں، حجاز میں، مدینے میں، مکّہ میں ـــــ جہاں جہاں مسلم آبادیاں تھیں، جہاں تک اسلامی ملک تھا وہاں تک سارا اسلام بگڑ گیا تھا ـــــ محمدی اسلام مٹ گیا تھا ـــــ فاطمی اسلام مٹ گیا تھا۔ علوی اسلام مٹ گیا تھا، حسنی اسلام مٹ گیا تھا، الٰہی اسلام مٹ گیا تھا ـــــ ابوسفیانی اسلام پیدا ہو گیا تھا! ـ یزیدی اسلام پیدا ہو گیا تھا! ـ زیادی اسلام پیدا ہو گیا تھا! ـ پسر سعد والا اسلام پیدا ہو گیا تھا۔!!

کل نبیؐ نے جو آدمی پیدا کیے تھے ان کے دلوں میں ایسا رحم پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے بچے کو کلیجے سے لگانے سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ ہمارے سامنے کوئی یتیم بچہ تو نہیں بیٹھا ہوا ہے ـــ اگر یتیم بچہ بیٹھا ہوتا تھا تو مسلمان پہلے یتیم بچے کو کلیجے سے لگاتے تھے پھر اپنے بچے پر دستِ شفقت رکھتے تھے۔

یہ نبیؐ نے مسلمان سوسائٹی کس ذریعہ سے پیدا کر دی تھی؟ اس ذریعہ سے پیدا کر دی تھی کہ اس بچے کا باپ مر گیا ہے، اگر تم نے اس کے سامنے اپنے بچے کو پیار کیا تو اس کو اپنا مر جانے والا باپ یاد آجائے گا ـــــ ذرا سوچیے! کتنا بڑا معجزہ ہے، کتنا بڑا انقلاب ہے اور کیسا صحیح انقلاب ہے کہ آپ یہ محسوس کریں کہ جو باپ اتنا جلاد تھا، قصائی تھا، قصاب تھا جو اپنے ہاتھ سے بیٹی کا گلا دبا سکتا تھا اور بیٹی باپ کو پکارتی رہتی تھی اور وہ سننے کو تیار نہیں ہوتا تھا، اس کے سینے میں دل اتنا نبیؐ نے بدل دیا تھا کہ وہ اپنے ہی بچے سے پیار نہیں کرتا تھا بلکہ دوسروں کے بچے سے بھی پیار کرتا تھا اور اپنے بچے کے پیار پر دوسروں کے بچوں کو پیار کرنے پر ترجیح دیتا تھا ـــــ یہ نبیؐ کی پیدا کی ہوئی سوسائٹی کا مسلمان تھا۔ ـــــ اور یزید کی پیدا کی ہوئی سوسائٹی میں جو مسلمان پیدا ہوا تھا وہ یتیم

کو رُلانے پر فخر کرتا تھا۔ اب ذرا آپ پہچانیئے کہ جاہلیت پلٹ آئی تھی یا نہیں پلٹ آئی تھی؟ جب جاہلیت پلٹ آئی اور یزید یہ سمجھا کہ اب میری کوئی مخالفت کرنے والا نہیں ہے، میرے مقابلے میں کوئی نہیں ہے، میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ تو ایک مرتبہ ایک انسان اٹھا جس کا نام حسینؑ تھا ___ مگر یہ حسینؑ نہیں تھا، یہ اپنے وقت کا محمدؐ تھا۔ یہ اپنے وقت کا علیؑ بھی تھا ___ یہ اپنی جگہ پر فاطمہؑ کا کردار بھی رکھتا تھا، حسنؑ کا نمائندہ بھی تھا اور یہ فقط بزرگوں کی یادگار نہیں بلکہ قیامت تک جو امام بننے والے تھے، ان اماموں کا امام بھی تھا ___

یہ وارثِ آدمؑ بھی تھا ___ یہ وارثِ نوحؑ بھی تھا ___ یہ وارثِ ابراہیمؑ بھی تھا یہ وارثِ موسیٰؑ بھی تھا ___ یہ وارثِ عیسیٰؑ بھی تھا ___ یہ وارث محمد مصطفےٰؐ بھی تھا ___ یہ فرزندِ علی مرتضیٰؑ بھی تھا ___ یہ جگر بند فاطمہ زہراؑ بھی تھا ___ یہ جگر گوشۂ خدیجہ کبریٰ بھی تھا ___ یہ پچھلی تاریخ کا وارث بھی تھا ___ آج موجودہ تاریخ کا امام بھی تھا اور آنے والی تاریخ کا ہادی اور رہبر بھی تھا۔ تاریخ ماضی، حال و مستقبل میں جب بٹتی ہے تو ماضی بھی حسینؑ کے پاس تھا، مستقبل بھی حسینؑ کے پاس تھا۔ حال بھی حسینؑ کے پاس تھا۔

حسینؑ مدینہ سے اٹھے اور اتنا بلند ہوئے کہ یزیدیت مٹ گئی۔ تیرہ سو سال گزر گئے ہیں لیکن حسینؑ کا چہرہ آج تک نظر آ رہا ہے ___ کہاں نظر آ رہا ہے۔؟ شہادت میں نظر آ رہا ہے ___ خون کی سُرخی میں نظر آ رہا ہے ___ ایثار میں نظر آ رہا ہے ___ سچّائی میں نظر آ رہا ہے ___ پاکیزہ سوسائٹی بنانے میں نظر آ رہا ہے۔

___ زینبؑ کے بازو باندھے گئے لیکن اسلام کے بازو نہیں باندھے جا سکے۔

___ اکبرؑ کے کلیجے پر نیزہ مارا گیا مگر دین کا کلیجہ محفوظ رہ گیا۔

___ علی اصغرؑ کا گلا چھید ڈالا گیا مگر اسلام کا گلا محفوظ ہو گیا۔

حسینؑ اُٹھے ۔۔۔ حسینؑ جب اُٹھے تو یزید نے کہا کہ حسینؑ! ساری طاقتیں میرے پاس ہیں، سارے ہتھیار میرے پاس ہیں، ساری فوجیں میرے پاس ہیں۔

حسینؑ نے کہا: یزید! ہوش میں آجا۔ باطل کے پاس سب کچھ ہوتا ہے مگر باطل کی سب سے بڑی کمزوری اس کا باطل ہونا ہے۔ حق کے پاس کچھ نہ ہو، حق کے پاس سب سے بڑی طاقت اس کا حق ہونا ہے۔ تیرے پاس سب کچھ ہے مگر تیرے پاس باطل کی کمزوری ہے۔ میرے پاس کچھ ہو یا نہ ہو لیکن حق کی طاقت ہے۔

حق کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے میں اپنے سننے والوں سے ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں کہ خود اللہ کا نام حق ہے ۔۔۔ تو جب حق اتنا اونچا ہے کہ خدا کا نام بھی حق ہے تو اب ذرا پہچانیے کہ حق میں کتنی طاقت ہوگی۔

حسینؑ اُٹھے۔ لیکن یزید نے اپنے خیال میں کوئی ظلم، کوئی تکلیف، کوئی ایسی چیز چھوڑی نہیں تھی جسے استعمال نہ کر لیا ہو اور یہ استعمال کس لیے کیا جا رہا تھا، صرف حسینؑ پر ظلم نہیں کیا جا رہا تھا بلکہ اس وقت کی سوسائٹی کو اتنا دبایا جا رہا تھا، اتنا پیسا جا رہا تھا، اتنا کچلا جا رہا تھا کہ پھر مستقبل میں کوئی کبھی یزید کے سامنے کھڑا نہ ہو سکے

میں آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں کہ قتل کے بعد، شہادت کے بعد حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑانے سے کوئی فائدہ یزید کو حاصل نہیں ہوتا لیکن اس نے گھوڑے اس لیے دوڑائے تھے کہ یہ حسینؑ کی لاش پر گھوڑے نہیں دوڑائے جا رہے تھے، یہ انسانیت کی لاش پر گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے۔ حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑا کے یزید ہر انسان سے کہہ رہا تھا کہ جو نبیؐ کی گود کا پلا تھا ۔۔۔ جو نبیؐ کی زبان چوس کے پلا تھا ۔۔۔ جو فاطمہؑ کی گود میں پلا تھا ۔۔۔ جو علیؑ کے خون سے پلا تھا اس کو ہم نے اس طرح پیس ڈالا ہے تو تم اگر اسلامی سوسائٹی کو زندہ کرو گے تو

تم کو اسی طرح پیس ڈالیں گے۔

کوئی ضرورت نہیں تھی اس بات کی کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد اہلِ حرم کو قیدی بنایا جاتا ــــ اور ایسے قیدی بنایا جاتا کہ ہاتھ فقط باندھے نہیں جاتے بلکہ پیٹھ پر لے جا کر باندھ دیے جاتے اور دھوپ میں قافلہ چلتا، پسینہ بہتا جاتا۔ قیدی اتنے مجبور تھے کہ اپنا پسینہ پونچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ ماں بیٹھی ہے اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور اسی اونٹ کی ننگی پیٹھ پر چھوٹا سا بچہ بھی بیٹھا ہے۔ اونٹ چلتا ہے بچہ ڈگمگاتا ہے، بچہ لرزتا ہے، بچہ روتا ہے اور ماں کے ہاتھ بندھے ہیں اور ماں بچے کو سنبھال نہیں سکتی ہے۔

اگر میرے الفاظ آپ کو تصور میں ڈبو سکیں تو میری بیٹیو! میری بہنو! میرے بھائیو! میرے بچو! اونٹ چل رہا ہے، اونٹ ہل رہا ہے، بچہ ڈگمگا رہا ہے۔ چہرے کا رنگ بدل رہا ہے، ماں مجبور ہے، ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ بچہ ڈگمگایا، اونٹ سے ہٹا، زمین پر گرا ــــ ذرا سوچو! کلیجے پر کیسی چوٹ لگی ہوگی اگر ایسے موقع پر یہ پیش آئے کہ بچہ مر گیا، قافلہ آگے بڑھ گیا اور قیدیوں کو اپنے مر جانے والے بچے کو دفنانے کا موقع بھی نہیں ملا جیسے بعض چھوٹی کتابوں میں مصائب کی، یہ تذکرہ ملتا ہے۔ تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ظلم کیوں کیا جا رہا تھا ــــ؟ ایسی جلادیت اور قصابیت کے مظاہرے کیوں کیے جا رہے تھے ــــ؟

یہ اس لیے کیے جا رہے تھے کہ یزید ایک ایک انسان سے یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اب اللہ کا نام نہ لینا، اب تقوے کا نام نہ لینا، اب نیکی کا نام نہ لینا، اب گناہ مٹانے کی بات نہ کرنا، اب سرکشی کے مقابلے میں نہ آنا ــــ دیکھو! ہم نے حسینؑ کو کیسا بنا دیا دیکھو! ہم نے سکینہؑ کو کیسا بنا دیا ــــ دیکھو! ہم نے زینبؑ کو کیسا بنا دیا۔

تواب آپ بتایئے کہ واقعۂ کربلا، کربلا میں ہوا اور واقعۂ کربلا میں کیا ہوا؟ اس کو دکھانے کے لیے قیدی کربلا سے کوفہ لائے گئے، وہ دکھانے کے لیے دمشق لائے گئے، قید خانے بھیج کے بار بار دربار میں لائے جاتے تھے، تاکہ انسانیت دہلا دی جائے سوسائٹی میں پھر کبھی حق کی حمایت کے لیے ہمّت نہ پیدا ہو سکے۔

تو میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میں صرف یہ کہتا ___ مجھے اگر صرف یہ کہنا ہوتا کہ عاشور کی شام کے بعد سوائے سیّد سجّادؑ اور زینبؑ کے کوئی ایسا نہیں تھا جو حق پر باقی رہ سکتا اور باطل سے ٹکرا سکتا ___ تو اگر میں صرف اتنی بات کہتا تو میری بات بے کار ہو جاتی، میری تقریر اور محنت بے اثر ہو جاتی، اسلئے کہ ذہن میں ایک بات آجاتی کہ سیّد سجّادؑ امام تھے۔ زینبؑ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی تھیں لہٰذا اگر اب بھی وہ حق پر باقی رہ گئیں تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔

لیکن لرزا دینے کی کوشش کرنے والے یزید نے حسینؑ پر سارے مظالم ڈھانے کے بعد مزید اسلامی سوسائٹی کو کچلنے کے لیے مدینہ پر اپنی فوج بھیجی۔ جہاں نبیؐ کی قبر ہے وہاں بھیجی، جہاں نبیؐ نے مسجد بنوائی تھی وہاں بھیجی ___ آج دنیا میں کوئی اگر ایسا کرے تو پوری دنیا میں احتجاج ہو جائے گا مگر یزید نے نبیؐ کی مسجد میں گھوڑے بندھوائے، ان گھوڑوں نے اس مسجد کو گندا کیا۔ اس مدینہ میں مسلمان قتل کیے گئے، اصحابِ رسولؐ لوٹے گئے ___ اور فقط ... فقط تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یزید کی فوج نے مدینہ میں جو کچھ کیا تھا۔ اس کی بدکاری کے نتیجے میں چار ہزار ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کی آبادی سوچیے۔ اور اس کے بعد سوچیے کہ کتنی تباہی مچائی گئی ہے جب چار ہزار ناجائز بچے پیدا ہوئے ہیں۔ یزید نے کہا ٹھہرو۔ میں آخری نشانی مٹا دینا چاہتا ہوں۔ فوجِ یزید

مدینہ سے مکّہ آئی۔

آپ نے اگر مکّہ کی تصویر دیکھی ہے، اگر حج کرنے نہیں بھی گئے ہیں تو آپ کو معلوم ہے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں، بیچ میں سب سے نیچے خانۂ کعبہ ہے ـــــ چاروں طرف منجنیقیں نصب کرکے فوجِ یزید خانہ کعبہ پر آگ برسا رہی ہے، پتھر پھینک رہی ہے اس لیے کہ عبداللہ ابن زبیر جو یزید کے مقابلے میں دوسری حکومت بنا چکا ہے، اس نے اپنے کو بچانے کے لیے اللہ کے گھر میں پناہ لی ہے۔ مگر وہ اللہ کے گھر میں پناہ لینا نہیں چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے اللہ کا گھر مٹ جائے تو مٹ جائے مگر میں بچ جاؤں۔

لیکن یزید کا وقت پورا کر دیا اللہ نے۔ کہا: تیرے حوصلے نکل گئے۔ تو نے سوسائٹی کو مٹانے کی آخری کوششیں کر لیں۔ ملک الموت نے بڑی سختی کے ساتھ اسکی رُوح قبض کی ـــــ اب آپ بتایئے جس نے واقعۂ کربلا دیکھا ہو، جس نے مدینہ کی صورتِ حال دیکھی ہو جس نے مکّہ کا حملہ دیکھا ہو، جس نے خانۂ کعبہ کی تباہی دیکھی ہو ـــ ایسے ماحول میں کیا ہمّت پیدا ہو سکتی تھی کہ پھر کوئی نیکی کے لیے نام لے، پھر کوئی نیکی کے لیے اُٹھے، پھر کسی کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو جو گناہ سے بچے۔

لیکن آپ کے سامنے تاریخیں ہیں کہ ادھر یزید مرتا ہے ادھر حکومت کی گرفت کمزور ہوتی ہے۔ ادھر قید خانہ سے چار ہزار شیعہ نکلتے ہیں۔ یہ کون ہیں جو چار ہزار قید خانوں میں تھے؟ جب جناب مسلمؑ کوفہ میں آئے تھے اس وقت یہ قید خانوں میں گئے تھے اور کئی سال کے بعد نکلے ہیں۔ جب نکلے ہیں تو اب ان کو پتہ چلا ہے کہ دنیا میں سورج اب بھی نکل رہا ہے، دن میں روشنی اب بھی ہوتی ہے

لیکن جب یہ نکلے تو پھر آپ دیکھیں حسینؑ شہید ہو چکے تھے۔ لیکن جیسے نبیؐ نے کل ایک معجزہ دکھایا تھا کہ جاہل عرب کو، شراب کے رسیا عرب کو شراب سے پاک وصاف کر دیا تھا اسی نبیؐ کی گود کے پالے حسینؑ نے ۔۔۔ جس کے لیے نبیؐ نے کہا تھا کہ مجھ میں اور حسینؑ میں کوئی فرق نہیں سمجھنا، جو میں ہوں وہ حسینؑ ہیں، جو حسینؑ ہیں وہ میں ہوں۔ میں حسینؑ سے ہوں حسینؑ مجھ سے ہے۔ یہ اتحادِ نبوت و حسینیت کا تذکرہ تھا جو نبیؐ حدیث میں ارشاد فرما رہے تھے ۔۔۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ چار ہزار آدمی نکلے۔ کب نکلے؟ جب دُنیا، پوری دُنیا یزیدیت میں ڈوب چکی تھی اور مظالم یزیدیت کو دیکھ کے دہل چکی تھی۔

جب یہ نکلے تو لوگوں نے کہا: قیدیو! کہاں جاؤ گے؟ گھر چلو گے؟

کہا: گھر نہیں جانا ہے۔ گھر نہیں جانا ہے۔ جب ہم نبیؐ کے نواسے کی مدد نہیں کر سکے تو ہمیں گھر کے بجائے کربلا جانا ہے۔۔۔ ہمیں کربلا جانا ہے۔

سوسائٹی نیکی کے نام پر کتنی طاقت ور ہوتی ہے۔ سوسائٹی خوفِ خدا کے بعد کتنی مضبوط ہوتی ہے، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ ہم آپ سب حسینی ہیں۔ ہم آپ سب اپنے بچپنے سے، اپنے باپ دادا کے زمانے سے عزاداری کر رہے ہیں لیکن بمبئی میں رہنے والے میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ عاشور کی جب صبح آتی ہے تو کوئی رات بھر کھانے کے باوجود صبح بھی کھاتا ہے، کہیں صبح کو ہی ناشتہ شروع ہو جاتا ہے، کہیں صبح ہی کو کھانا بٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ عصرِ عاشور تک جو فاقہ سنّت ہے اور مستحب ہے تاکہ عزادار بھوک، پیاس کی تکلیف برداشت کر کے اپنے مولاؑ، اپنے مظلوم امام کی تکلیف میں شرکت کرے۔ لوگ پوچھتے ہیں: کہیئے! وقت آگیا یا نہیں آیا ۔۔۔ یہ سوسائٹی ابھی کمزور سوسائٹی ہے۔ اس کمزور سوسائٹی

کالے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہم نے اپنے کو کالا کیا ہو تو یہ قابل الزام ہے لیکن جب اللہ نے کالا پیدا کیا تو اس میں کیا الزام ہے۔ یہ لوگ رنگ تو دیکھتے ہیں کہ رنگ گورا ہے یا کالا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ کیریکٹر گورا ہے یا کالا ہے۔ رنگ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ کیریکٹر ہمیں بنانا ہے۔ آپ کو بتائیں اگر آپ چھان بین کریں گے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جن کا رنگ گورا ہوتا ہے کیریکٹر کالا ہوتا ہے۔ میں اس سلسلے میں امام علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ایک لفظ سنانا چاہتا ہوں:

ایک بہت خوبصورت جوان، بہت حسین۔ ناک نقشہ بھی اچھا، خدوخال بھی اچھے، ہاتھ پیر بھی اچھے، رنگ بھی اچھا۔ دیکھنے میں بہت خوبصورت۔ وہ پکڑا گیا چوری کرنے میں۔ تو صورت اچھی تھی سیرت بری تھی۔ جب وہ امامؑ کے پاس لایا گیا تو امامؑ نے کہا:

اللہ نے تجھے اچھی صورت دی تھی، تو تو نے اچھی صورت پا کے اس کا شکر ادا کیا ہوتا کہ اپنا کیریکٹر بھی اچھا بنا لینا — یہ تو نے اللہ کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کی ہے کہ وہ تم کو صورت اچھی دے رہا ہے اور تم اپنی سیرت اور کیریکٹر خراب کر رہے ہو۔

میں آپ کی خدمت میں غیبت کی تعریف سمجھانے کے لیے اور غیبت سے بچنے کا راستہ بتانے کے لیے ایک مثال دے کر اپنے بچوں کو سمجھانا چاہتا ہوں:

ایک آدمی کالا ہے تو ہے کالا آدمی۔ ہم سے ایک آدمی نے پتہ پوچھا کہ فلاں گلی میں ایک صاحب رہتے ہیں، آپ ان کو جانتے ہیں؟

میں نے کہا: "اچھا وہ کالے کو پوچھ رہے ہیں آپ"۔

کالا ہے۔ لیکن جب میں نے کہا: کالے کو آپ پوچھ رہے ہیں۔ تو میں نے

کو دین دار اور طاقت ور دین دار سوسائٹی بنانے کے لیے میں یہ تقریریں آپ کی خدمت میں کر رہا ہوں۔ اللہ مجھے بھی توفیق دے، آپ کو بھی توفیق دے۔ ہم سب کی توفیقات کے ساتھ ہمارے اعمال کو قبول فرمائے۔ تو میں آپ کے سامنے یہ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ کربلا جب یہ آئے ہیں تو عاشور کا دن نہیں تھا لیکن یہ تین دن تک کربلا میں رہے، نہ انھوں نے کھانا کھایا نہ انھوں نے پانی پیا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ نہ سوچنا کہ حسینؑ کی زندگی میں فقط ایسے انسان پیدا ہو سکتے ہیں جو پانی نہ ہونے کی بنا پر پانی نہ پئیں، کھانا نہ ہونے کی بنا پر کھانا نہ کھائیں ـــ نہیں حسینؑ نے تقوے اور نیکی کی بنیاد پر جس سوسائٹی کا سنگِ بنیاد اور فاؤنڈیشن رکھ دیا ہے وہ اتنا مضبوط ہے کہ کل پانی نہیں تھا اور کربلا والے پیاسے تھے۔ آج نہر بہہ رہی ہے کوئی ہمیں روکنے والا نہیں ہے۔ مگر کل فوج نے پانی روکا تھا، آج تقوے کے ذریعہ ہم نے اپنی پیاس کی نہر کو روک دیا ہے، ہم نے اپنی خواہشات کو روک دیا ہے، ہم نے اپنی تمنّاؤں کو روک دیا ہے۔

تین دن اپنے اپنے قصد و ارادے سے بھوکے اور پیاسے رہے اور رات و دن ماتم کرتے رہے ـــ رات و دن روتے رہے ـــ جب رو چکے تو میرا جیسا کوئی انسان ہوتا، میں آپ کے لیے نہیں کہتا ـــ تو میں کہتا: تم نے بڑا حق ادا کر دیا، اب گھر کو چلو، اب گھر کو چلو ـــ شاید تمھاری ماں انتظار کر رہی ہو، شاید تمھاری بیوی انتظار کر رہی ہو لیکن کربلا والوں کے نقشِ قدم پر یہ چار ہزار کا جو قافلہ آیا تھا، میں اگر ان سے جا کر یہ بات کہتا تو ان کا جواب یہی ہوتا کہ اکبرؑ کی بہن بھی انتظار کر رہی ہے۔ عباسؑ کی ماں بھی انتظار کر رہی ہے لیکن جب ان کا انتظار پورا نہیں ہو سکتا ہے تو اب ہم جا کے کیا کریں گے ... اب ہم جا کے کیا کریں گے ـــ لہٰذا یہ سب کے سب دمشق کی طرف چلے، شام کی طرف چلے۔

لوگوں نے پوچھا: تم چار ہزار ہو، جمی ہوئی بنی اُمیہ کی حکومت ہے تم کیا کروگے۔؟

کہا: ہم کو اپنے کو مٹا دینا ہے، یزیدیت سے ٹکرا دینا ہے۔ وہ یزیدیت جو مردانیت بن چکی ہے، وہ یزیدیت جو بنی امیہ کی تاریخ بن چکی ہے، جو ابو سفیان کی تاریخ بن چکی ہے، ہم اس پورے نظریے سے ٹکرائیں گے۔ اس پوری تھیوری سے ٹکرائیں گے، اس پوری تاریخ سے ٹکرائیں گے اور اس کے بعد ٹکرائے اور کیسے ٹکرائے؟ ہمارے اور آپ کے پاس تاریخ موجود ہے، صبح سے شام تک چار ہزار آدمیوں کا لشکر ستّر ہزار آدمیوں سے لڑتا تھا اور جب صبح جنگ ہونے والی ہوتی تھی تو یہ طے ہو جاتا تھا کہ پہلا سردار یہ ہوگا۔ اگر یہ قتل ہو جائے گا تو یہ ہوگا، اگر یہ قتل ہو جائے تو یہ ہوگا ـــــ یعنی جہاں تک گنجائش تھی وہاں تک طے ہو جاتا تھا۔

اور جب شام ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ ہماری بڑی تعداد قتل ہو گئی۔ دنیا میں دوسرا کوئی انسان ہوتا تو کہتا غضب ہو گیا۔ چلو واپس چلو۔ لیکن دوسرے دن پھر یہ بھوکے بھی تھے، اب جو پیاسے بھی تھے، اب جو زخمی بھی تھے اب جن کے لیے کوئی ریڈ کراس نہیں تھا کہ جو مدد کرنے کے لیے آتا ـــــ وہ زخموں میں رات بھر عبادت کرتے تھے اور صبح کو پھر میدان میں نظر آتے تھے۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی، تیسرے دن لڑائی ہوئی اور آخر میں فقط تیس آدمی زخمی بچے باقی رہ گئے۔ تیس زخمی باقی رہ گئے۔

میں تذکرہ کو یہاں پر مکمل کرنے کے لیے یہ بات سنانا چاہتا ہوں کہ میرا دل چاہتا تھا ـــ میرا دل چاہتا تھا کہ یہ تیس زخمی بھی یہیں پر جان دے دیں۔ مگر یہ تیس زخمی، چار ہزار میں سے بچنے والے یہ تیس زخمی وہاں سے چلے، اپنے زخموں کو لیکر چلے اور کوفہ آئے ـــــ میں پوچھنا چاہتا ہوں اے حسینؑ کے جاں نثارو! تم بھی

کیوں نہیں جامِ شہادت پی کے اپنے ساتھیوں سے مل گئے؟

کہا: نہیں، ہمیں تاریخ کو آگے بڑھانا ہے۔ اگر ہم یہاں پر مر جائیں گے تو پھر دنیا کو پتہ نہیں چل پائے گا، ہم چار ہزار گئے تھے اور کیسے ہم لڑے ہیں، ہم کس حال میں پلٹے ہیں۔ جب یہ چار ہزار میں سے تیس آدمی سر سے پیر تک زخمی واپس آئے تو پھر دیکھنے والوں کو پھر سے دہل جانا چاہیے تھا۔ لیکن دنیا نے دیکھا، پھر ذرا حکومت کمزور ہوئی تو جہاں سلیمان اُٹھے تھے، جہاں مُسیّب اُٹھے تھے، ان کے بجائے مختار اُٹھے اور مختار نے کہا:

مجھے طاقت چاہیے، مجھے حکومت چاہیے، مجھے ہتھیار چاہیے ـــــ مجھے سب کچھ چاہیے ـــــ مگر فقط ایک مقصد کے لیے چاہیے کہ میں حسینؑ کے قاتلوں کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا ہوں، اور اللہ نے مختار کو حکومت بھی دے دی، طاقت بھی دے دی۔ جب تک وہ چُن چُن کے حسینؑ کے ایک ایک قاتل کو قتل کرتے رہے تب تک ان کے پاس حکومت رہی اور جب ان کی حکومت کا مقصد پورا ہو گیا تو وہ بھی جامِ شہادت پی کے اپنے شہیدوں کے قافلے سے جا کے مل گئے۔

تو میں آپ کی خدمت میں یہ تاریخ نہیں پیش کر رہا تھا بلکہ یہ چیز عرض کر رہا تھا کہ سوسائٹی میں کتنی طاقت ہوتی ہے ـــ اتنی طاقت ہوتی ہے کہ نبیؐ جب سوسائٹی اسلامی سوسائٹی بنا دیتے ہیں تو ہزاروں سال سے جو شراب نہیں مٹائی جا سکی، نبیؐ اس شراب کو مٹا دیتے ہیں اور جب وہ اسلام پھر یزیدی اسلام بن جاتا ہے تو حسینؑ ایسی سوسائٹی پھر سے پیدا کرتے ہیں جو حسینؑ کی شہادت کے بعد بار بار اُبھرتی ہے، اور یہ نیک سوسائٹی، یہ تقوے والی سوسائٹی دنیا میں، ظالم دنیا میں، سیاست داں دنیا میں، مکّار انسان ہر طاقتور چیز سے فائدہ اُٹھایا کرتے ہیں

دُنیا میں اگر آپ نے یہ پڑھا کہ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا، نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ تو اگر لفظ 'خدا' میں طاقت نہ ہوتی تو ان جھوٹے خداؤں کو خدا بننے کی ضرورت نہ ہوتی۔ لوگ جھوٹے نبی آج تک بن رہے ہیں تو اگر لفظ نبی میں طاقت نہ ہوتی تو کسی کو جھوٹا نبی بننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر نبیؐ کی جگہ خلیفہ بننے میں کوئی طاقت نہ ہوتی تو لوگوں کو خلیفہ بننے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اگر سونے کی قیمت نہ ہوتی تو نقلی سونا بنانے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اگر کرنسی کا چلنا بند ہو جائے تو کوئی جعلی نوٹ بنائے ہی نہیں۔ یہ نقل تیار ہی تب ہوتی ہے، ڈپلی کیٹ چیز بنتی ہی تب ہے جب اصلی چیز قیمتی ہوا کرتی ہے۔

اگر آپ نے میری اس بات کو محسوس کر لیا تو اب میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جب ان افراد نے جو سیاست کے ذریعہ حکومت و اقتدار میں آنا چاہتے تھے، انھوں نے دیکھا ـــــ کہاں سے دیکھا؟ شہادتِ حسینؑ سے دیکھنا شروع کیا۔ مروان کا زمانہ دیکھا، عبد الملک کا زمانہ دیکھا، عبد الملک کے بیٹوں کا زمانہ دیکھا کس نے دیکھا؟ ـــــ یہ دیکھنے والے وہ ہیں جو دین نہیں چاہتے ہیں۔ یہ بھی بنی امیہّ کی طرح سے تخت چاہتے ہیں، حکومت چاہتے ہیں۔ یہ اسلام نہیں چاہتے ہیں اسلام کے نام پر حکومت چاہتے ہیں ـــــ دل ایک ہے، دماغ ایک ہے جیسے یزید ہی کے وقت میں یزید ہی جیسا عبد اللہ ابن زبیر تھا جس نے حکومت قائم کی تھی۔ بس وہ یہ چاہتا تھا کہ یزید نہ رہے میری حکومت رہ جائے، ویسے جیسے بالکل بنی اُمیہّ تھے ویسے ہی بنی عبّاس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا حکومت ہمارے پاس آجائے۔ مگر وہ جانتے تھے ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں اپیلنگ ہو۔ لہٰذا انھوں نے کہا: ہم حسینؑ کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

اگر بنی عباس سو سال سے زیادہ بنی اُمیہؔ کی حکومت کو خونِ ناحق حسینؑ کے انتقام کے نام پر پلٹ سکتے ہیں، بدل سکتے ہیں، انقلاب لا سکتے ہیں تو پہچانو، حسینؑ نے جس سوسائٹی کا فاؤنڈیشن کربلا میں رکھا تھا۔ نیکی اور تقوے کے نام پر وہ کتنا مضبوط تھا، کتنا پاور فل تھا کہ مکّار سیاست داں نے بھی اگر اقتدار حاصل کرنا چاہا تو حسینؑ کا نام لیا اور جب خلافت ملنے اور حکومت پر قبضہ کرنے کا وقت آیا تو پھر اولاد جناب عباس جو پیغمبرؐ کے چچا تھے ــــ مگر چچا ہونا اور ہے ــ باپ کے راستے سے اگر اولاد ہٹ جائے تو باپ پر ذمّہ داری نہیں آتی ہے۔ اگر نوحؑ کا بیٹا نالائق ہو سکتا ہے تو نبیؐ کے چچا کا بیٹا اور پوتا یا پرپوتا اگر راستے سے ہٹ جائے تو عمّ رسول پر کوئی الزام نہیں آتا ہے۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب حکومت میں، پاور میں آنے کا وقت آیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام موجود تھے۔ لیکن آپ نے حکومت سے انکار کیا، اس لیے انکار کیا تاکہ دنیا یہ محسوس کر لے کہ اسلام کے نام پر حکومت کون بنانا چاہتا ہے اور اسلامی سوسائٹی کون بنانا چاہتا ہے۔ امامؑ نے تاج پہننے کے بجائے عمامہ پہنا۔ امامؑ نے تخت پر بیٹھنے کے بجائے چٹائی پر نشست رکھی۔ امامؑ نے دربار لگانے کے بجائے چار ہزار علماء کو پوری اسلامی مملکت سے بُلا کے جمع کر لیا جن کے ہاتھوں میں قلم رہتا تھا، کاغذ رہتا تھا، کان لگے رہتے تھے جعفر صادق علیہ السلام کی آواز پر، آنکھیں لگی رہتی تھیں ان کے لبوں پر، جو لفظ نکلتا تھا وہ لکھتے تھے۔ جو آپ فرماتے تھے وہ لکھ لیتے تھے۔ اُدھر حکومت بنائی جا رہی ہے اِدھر مسلم سوسائٹی بنائی جا رہی ہے۔ جس کی بنیاد نیکی ہے جس کی بنیاد تقویٰ ہے۔

میں سمجھتا ہوں میری آج کی اور کل کی تقریر کو اگر میری بچیوں نے، میری بیٹیوں

نے، میری بہنوں نے، میرے بھائیوں نے پوری توجہ کے ساتھ سُنا ہے تو انھوں نے محسوس کر لیا ہوگا کہ سوسائٹی انتہائی طاقت ور چیز ہے۔ اگر یہ بگڑ جائے تو جاہل عرب پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بگڑ جائے تو یزید پیدا ہو جاتا ہے، حرملہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ سنور جائے تو شرابی شراب سے تائب ہو جاتا ہے اور یزیدی حسینی بن جاتا ہے اور مظالم کی لہروں میں حق کی کشتی چلتی رہتی ہے۔ تو اگر آپ نے دونوں رُخ دیکھ لیے ہیں تو میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ ہم سے کہتا ہے کہ گناہ میں مددگار نہ بنو، گناہ میں مددگار نہ بنو، سرکشی میں مددگار نہ بنو بلکہ نیکی اور تقوے میں مددگار بنو تاکہ تمھارے درمیان وہ سوسائٹی پیدا ہو جائے جس کو خدا دیکھنا چاہتا ہے۔

بس میں آپ کی خدمت میں آج اپنی تقریر کو جہاں پر روکنا چاہتا ہوں اور جس کے بقیہ حصّہ کو کل آپ کے سامنے پیش کروں گا وہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم اپنی سوسائٹی کو دین دار بنا لیں تو ہم سے وہ حسینؑ خوش ہو جائیں گے جن کو کربلا میں آنسوؤں کے درمیان سکینہؑ اور زینبؑ نے رخصت کیا تھا۔ اگر ہم اپنی سوسائٹی کو دین دار بنا لیں تو سیّد سجّادؑ اپنے گلے کی اس تکلیف کو بھول جائیں گے جو وزنی طوق پہنانے کی بنا پر پیدا ہوا تھا اگر ہم اپنی سوسائٹی کو دین دار بنا لیں تو جتنے طمانچے کھائے تھے سکینہؑ نے، تو سکینہؑ ہر طمانچے کی چوٹ بھول جائیں گی۔ سکینہؑ کے کان پھٹ گئے تھے اس طرح گوشوارے کھینچ کر نکالے گئے تھے۔ بچّی کبھی کبھی تکلیف محسوس کر کے کبھی ماں سے، کبھی پھوپھی سے، کبھی بہن سے بیان کیا کرتی تھی۔ مگر اس سکینہؑ کو بھرپور تسکین ہو جائے اگر آج سکینہ کی ماننے والی میری بیٹیاں اپنی سوسائٹی کو دین دار بنانے پر تیار ہو جائیں۔

کل کی تقریر میں آپ مجھ سے سنیں گے کہ سوسائٹی کو دین دار کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ وہ کون سے محرکات ہوتے ہیں، وہ کون سے خیالات ہوتے ہیں، وہ

کون سے تصوّرات ہوتے ہیں، وہ آرزوئیں کیسے پیدا کی جاتی ہیں، وہ خیالات کیسے پیدا کیے جاتے ہیں جن کے ذریعہ انسان سرکشی اور گناہ سے بچ سکتا ہے، خوفِ خدا کے ذریعہ نیکی کے راستے پر آسکتا ہے وہ کل میں آپ کے سامنے بیان کروں گا، لیکن آج میں اتنا کہنا چاہتا ہوں، ہر ماتم کرنے والے نوجوان سے کہنا چاہتا ہوں، میں ہر رونے والی بہن سے کہنا چاہتا ہوں، ہر غمِ حسینؑ میں آنسو بہانے والے بھائی سے کہنا چاہتا ہوں — اگر حسینؑ میں اتنی طاقت ہے کہ یزید کے مرنے کے بعد جب یزید کا بیٹا منبر پر لایا جاتا ہے کہ ہم تم کو تمھارے باپ کی جگہ پر بادشاہ بنانا چاہتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ میرا حق نہیں ہے، یہ میرے باپ کا حق نہیں ہے، یہ میرے دادا کا حق نہیں ہے — یہ سیّد سجّادؑ کا حق ہے، یہ حسینؑ ابن علیؑ کا حق ہے۔ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا حق ہے۔

تو اگر حسینؑ میں کل اتنی طاقت تھی کہ وہ یزید کے بیٹے سے سچّی بات کہلوا سکتے تھے تو میری بات کو ماننا، دونوں ہاتھوں کو جوڑ کے کہتا ہوں، میری بات سننا — کیا آج حسینؑ میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ ماتم دار کو دین دار بنا سکیں، وہ عزادار کو پابندِ دین بنا سکیں۔ وہ اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کر سکیں۔

آج اگر ہماری سوسائٹی حسینؑ سے متاثر ہو کر دین دار نہیں بنے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہوگی، کل آپ مجھ سے تفصیل سے انشاء اللہ ان اسباب کا تذکرہ سُنیں گے جن کے ذریعہ بے دین سوسائٹی کو دین دار بنایا جا سکتا ہے۔

آج میں اپنی تقریر ختم کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہہ کے ختم کرنا چاہتا ہوں کہ حسینؑ کربلا میں اسی لیے آئے تھے کہ ان کو ایسے حالات کے ذریعہ پیغام بھیجنا تھا کہ جب تک نسلِ آدمیت باقی رہے اور نسلِ آدمیت کے سینے میں دھڑکتا ہوا وہ دل ہے جس میں

انسانیت کی دھڑکن پیدا ہورہی ہو تب تک حسینؑ کا پیغام انسانوں کو متاثر کرسکے ورنہ کیا ضرورت تھی جب اصغرؑ مدینہ سے چلتے ہوئے اپنی بڑی بہن کے سینے سے لپٹ گئے تھے۔ کوئی اور ہوتا تو سوچتا ٹھیک ہے فاطمہ کبریٰ مدینہ میں چھوٹ گئی ہیں چلو ان کا چھوٹا ننھا بھائی علی اصغرؑ بھی یہاں رہ جائے۔ اس کو بھوک کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی، اس کو پیاس کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی۔ ہم تو مرنے جارہے ہیں، ہم تو گلا کٹانے جارہے ہیں تو میرا یہ ننھا بچہ اپنی بہن کی گود میں پل جائے۔

لیکن شاید حسینؑ کے مشن کے مقاصد کو اور طریقہ کار کو واضح کرنے کے لیے اس چند دن کے بچے نے اپنی بہن کے سینے پر جو سر رکھا تو پھر اس طرح سے رکھا کہ ماں نے آواز دی، بچے نے مڑکے نہیں دیکھا، پھوپھی نے ہاتھ پھیلائے، بچے نے مڑکے نہیں دیکھا، بہن قریب آئی مگر اصغر نے نہیں دیکھا، چچا قریب آیا مگر اصغرؑ نے نہیں دیکھا۔ آخر میں حسینؑ قریب آئے اور حسینؑ نے آکے اصغر کے کان میں کچھ کہا۔ کیا کہا ہوگا؟ حسینؑ جانیں، اصغرؑ جانیں۔ مگر میرا تصور یہ کہتا ہے کہ:

اصغرؑ! اگر تم نہ چلو گے تو میرے اس پیغام کی اپیلنگ میں کمی ہو جائے گی جو میں کربلا کے اسٹیج سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو دینا چاہتا ہوں۔

جب حسینؑ نے شاید یہ بات اصغرؑ سے کہی، اصغر نے کروٹ لی اور باپ کے ہاتھوں پر آگئے۔ اور جب باپ کے ہاتھوں پر آئے ہوں گے تو کون جانتا ہے، کون جانتا ہے کہ جو چھ مہینے کا ہو کے حسینؑ کا ترجمان بن جاتا ہے اس نے چند دنوں کے ہوتے ہوئے شاید بہن سے نگاہ ملا کے کہا ہو:

بہن، خدا حافظ! بہن الوداع! بہن، اب تم کو یہ اصغر نہیں ملے گا اور بہن بھی جانتی تھی۔ جاؤ بھائی، میں نے آخری مرتبہ تمھیں کلیجے سے لگا کے پیار

کرلیا۔ عاشور کی صبح آگئی، زہیرؑ شہید ہو گئے، حبیبؑ شہید ہو گئے، اصحابؑ شہید ہو گئے، عونؑ و محمدؑ شہید ہو گئے، بنی ہاشمؑ شہید ہو گئے، حتیٰ کہ عباسؑ شہید ہو گئے، اکبرؑ شہید ہو گئے۔ اصغرؑ اب تک جھولے میں آنکھیں بند کیے پڑے ہیں۔

ایک مرتبہ حسینؑ کربلا کے میدان میں آئے، اپنے کو تنہا اکیلا دیکھا۔ سوسائٹی کو پیدا کرنا تھا۔ لہٰذا ایک مرتبہ آواز دی ——

—— حبیب! کہاں ہو؟

—— زہیر! کہاں ہو؟

—— عباس! کہاں ہو

یہ حبیبؑ کو آواز نہیں دے رہے ہیں، یہ حبیبؑ کے کردار کو آواز دے رہے ہیں۔ یہ عباسؑ کو آواز نہیں دے رہے ہیں، عباسؑ کے کیرکٹر کو آواز دے رہے ہیں۔

کہا: ”ہاں ہاں۔ میں پکاروں اور تم جواب نہ دو، یہ ممکن نہیں ہے۔ تم کو موت نے مجبور کر دیا ہے“۔ بس حسینؑ کے فقرے کے ذریعہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حسینؑ نے کربلا میں کہا: ”ان کو موت نے مجبور کر دیا ہے“۔ مگر حسینیو! جب تک تمھیں موت مجبور نہ کر دے، میرے دین کی مدد کے لیے تم تیار رہنا۔

حسینؑ آواز دے رہے ہیں: کوئی ہے مدد کرنے والا! کہ ایک مرتبہ خیمہ سے رونے کا شور بلند ہوا۔ علمِ غیب رکھنے والا امام پلٹا۔ درِ خیمہ پر تشریف لائے، آواز دی: بہن کیوں رو رہی ہو؟ کہا: اس لیے رو رہے ہیں کہ جب آپ نے پکارا کہ ہے کوئی مدد کرنے والا، تو جو آنکھ نہ کھولتا تھا وہ تڑپ کے باہر نکل آیا۔ کہا: لاؤ لاؤ میرے بچے کو لاؤ۔ اگر ایک ماں بھی کبھی زندگی میں مجبور ہو جائے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے بچے کو قبر میں اُتارے، تو ساری زندگی وہ یاد کر کے روتی ہے —— ذرا تصور کیجیے کہ رباب نے

اُٹھایا اصغرؑ کو، ہاتھوں پر لیا اصغرؑ کو، سینے سے لگایا اصغرؑ کو۔ ننھے دل کی دھڑکن ماں کے دل کی دھڑکن سے مل رہی ہے اور یہ دل کی دھڑکنیں ایک دوسرے سے کہہ رہی ہیں۔ اصغر کے چھوٹے سے دل کی دھڑکن کہہ رہی ہے: آماں! میرا چھدا ہوا گلا دیکھنا، اماں! میری خون میں ڈوبی ہوئی لاش دیکھنا، اماں! میرا منکہ ڈھلا ہوا دیکھنا۔ مگر اماں! تم میری اماں ہو، رونا نہیں۔

اور اصغرؑ سے ماں کے دل کی دھڑکن کہہ رہی ہے: میرے لال! پیاسے میرے لال! تم چھ مہینے کے ہو، میرے لال! تم نازک ہو۔ لیکن دیکھو! جب گلے پر تیر کھانا، جب گلے پر تیر لگے تو ذرا مسکرا کے بتا دینا کہ تم رباب کی گود کے پالے ہوئے ہو۔ تمھاری رگوں میں رباب کا خون دوڑ رہا ہے۔

ماں نے رخصت کر دیا۔ باپ لے کے گیا اور اصغرؑ شہید ہو گئے۔ آج تک اصغرؑ کی شہادت لوگوں کو آواز دے رہی ہے کہ اگر انسانیت ہے تو اس بچے کی شہادت سے اثر لو۔ اصغرؑ کے مقدس خون کا واسطہ کہ سوسائٹی کو بدل کے دین دار بناؤ۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ......

اس کے کالے رنگ کا تذکرہ اس طرح کیا کہ اس کی انسلٹ ہو، بے عزتی ہو — تو یہ غیبت ہوگئی — ایک آدمی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، فریکچر ہوگیا۔ سب ٹھیک ہوگیا مگر پیر ذرا سا چھوٹا ہوگیا۔ جب چلتا ہے تو ذرا سا لنگڑا کے چلتا ہے۔ ہم سے کسی نے کہا: "آپ فلاں آدمی کو جانتے ہیں؟" — میں نے کہا: "اس لنگڑے کو آپ پوچھ رہے ہیں" یہ غیبت ہوگئی۔ اس لیے کہ اس کے اندر جو عیب پایا جاتا ہے وہ ہم نے اس کی توہین کی نیت سے بیان کیا۔ اب کسی آدمی نے ہم سے اسی آدمی کے لیے پوچھا جو کالا ہے یا لنگڑا ہے۔ دیکھیے غیبت سے بچنے کے لیے کس زبان کا استعمال کرنا چاہیے۔ میں اپنے بچوں کو اس کا نمونہ بتانا چاہتا ہوں:

تو ہم نے پوچھا: "آپ اُن صاحب کو تو نہیں پوچھ رہے ہیں جن کا رنگ صاف نہیں ہے؟"

انھوں نے کہا: "ہاں۔ ہم ان ہی کو پوچھ رہے ہیں؛ ذرا سیاہ رنگ ہے ان کا۔" تو دیکھیے! ہم نے اسی کالے ہونے کو بیان کیا۔ مگر جب کالیا کہا تو توہین مقصود تھی اور جب ہم نے کہا کہ ان کا رنگ صاف نہیں ہے۔ ذرا ان کا رنگ سانولہ ہے، ذرا کالے ہیں انھیں کو آپ پوچھ رہے ہیں۔ تو بس اس کا معیار کیا ہے کہ ہماری کہی ہوئی بات جب وہ سُنے، جس کے لیے ہم نے کہی ہے، اگر وہ اس بات کا بُرا مانے تو غیبت ہے اور بُرا نہیں مانے تو غیبت نہیں ہے۔ جب وہ سنے گا کہ ہم نے اُسے کالیا کہا، اسے ہم نے لنگڑا کہا تو وہ ناراض ہوگا۔ اپنی بے عزتی محسوس کرے گا۔ اور اگر ہم نے کہا آپ ان کو پوچھ رہے ہیں جن کا رنگ صاف نہیں ہے، ذرا کالا رنگ ہے ان کو آپ پوچھ رہے ہیں۔ تو اس کے دل کو دُکھ نہیں ہوگا۔

آپ نے پوچھا: فلاں صاحب کو جانتے ہو؟

مجلس

۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی:

تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ

صلوات

مجھے اُمّید ہے کہ اب سنتے سنتے ہر شخص کو یہ بات یاد ہو گئی ہو گی کہ اللہ ہم سب کو اس بات کا پابند کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم خود بھی نیک بنو اللہ سے ڈرو اور دوسروں کا سہارا اور ساتھی بنو نیکی میں اور پرہیزگاری میں ___ خود بھی گناہ سے بچو، خود بھی اللہ کی نافرمانی سے اپنے کو بچاؤ اور اگر دوسروں کو نہ بچا سکو تو کم از کم گناہ میں مددگار نہ بنو اللہ کی نافرمانی میں سہارا نہ بنو۔

میری پچھلی ساری تقریریں آپ کے سامنے ہیں جن میں میں نے ایک ہی بات کے لیے کوشش کی ہے کہ میں اپنے سننے والوں میں اس خیال کو جگا سکوں اور بیدار کر سکوں کہ ہمارا سب کا فریضہ ہے کہ ہم اپنی سوسائٹی کو بالکل دین کی پابند سوسائٹی بنائیں کوئی کام اک دم سے مکمل نہیں ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ ہی مکمل ہوتا ہے۔ لیکن جہاں

یہ بات سچّی ہے کہ کوئی کام اک دم سے مکمل نہیں ہوتا ہے وہاں اس سے بھی زیادہ سچّی بات یہ ہے کہ جو کام شروع نہیں ہوتا ہے اس کے مکمل ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ تو اگر ہم یہ سوچتے رہیں کہ اب سوسائٹی اتنی بگڑ گئی ہے کہ اس کو سنبھالنا ممکن نہیں ہے اور یہ سوچ کر ہم ہمت ہار جائیں تو یہ سوسائٹی اور بگڑ سکتی ہے اور بگڑی ہوئی سوسائٹیاں جو تباہی لاتی ہیں وہ ہمارے آپ کے سامنے ہیں۔ زندگی کے حالات و تجربات ہمارے آپ کے سامنے ہیں کہ مریض کے بارے میں ڈاکٹر جواب بھی دے دیتے ہیں، تب بھی ہم علاج جاری رکھتے ہیں، ممکن ہے اللہ نے اس کی زندگی ابھی رکھی ہو اور یہ اچھا ہو جائے ــــــ تو اگر ڈاکٹروں کے جواب دینے کے بعد بھی ہم دوا جاری رکھتے ہیں علاج بند نہیں رکھتے ہیں تو سوسائٹی تو اتنی نہیں بگڑی ہے کہ ہم مایوس ہو جائیں۔ سوسائٹی کے ڈاکٹروں نے یہ نہیں کہا ہے کہ اس کا علاج ممکن نہیں ہے اب اسے گھر لے جاؤ۔

بلکہ نئے حالات تو یہ کہہ رہے ہیں کہ جو دین کو مذاق اور نیچی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے اب وہ بھی دین کو عزّت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ جو دین کو کل افیون کہتے تھے، مارفین کہتے تھے وہ بھی آج سوچنے لگے ہیں کہ ہمیں دین کے بغیر دُنیا میں سکون نہیں مل سکتا ہے۔ تو ایسے حالات میں ہمارا آپ کا سب کا فریضہ ہے کہ ہم سوسائٹی کو دین دار بنانے کے لیے اٹھیں اور یہ انتظار نہ کریں کہ پہلے وہ اُٹھے تب ہم اٹھیں۔ بلکہ کام کرنے کا اصول یہ ہوتا ہے کہ کوئی اُٹھے یا نہ اٹھے ہم اُٹھیں۔

یہ میں نے ارادہ کیا، میں اُٹھ کھڑا ہوا، وہ آپ نے ارادہ کیا آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ایک تیسرے نے ارادہ کیا وہ اُٹھ کھڑا ہوا ــــ تو سوچتے رہتے تو سب بیٹھے رہتے۔ تین آدمی کھڑے ہوئے تو اِن تین کو دیکھ کے دس اور اٹھ کھڑے ہوں گے

تو میری ساری تقریروں کا کُل مقصد فقط یہ ہے کہ ہم کو زمانے کے حالات سے ہمّت ہار کے ہرگز ہرگز بے دینی پر راضی نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ پوری ہمّت کے ساتھ اپنی سوسائٹی کو دین دار بنانے اور حالات بدلنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ آج تک میں آپ کے سامنے قرآن مجید کا ایک مختصر فقرہ پڑھتا رہا، آج میں اس کی تشریح قرآن مجید کی روشنی میں کرنا چاہتا ہوں تاکہ کل جب میں آخری تقریر آپ کے سامنے پیش کروں انشاءاللہ، جن مقاصد کے لیے میں نے اتنے دن زحمت دی ہے اور محنت کی ہے اس کے کسی نتیجے کے قریب ہونے اور کامیابی کے قریب ہونے کی ہم کو امید ہو جائے، ناامیدی نہ رہے۔ قرآن مجید ہم سے کہہ رہا ہے:

"تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی" دو لفظیں ہیں جو قرآن استعمال کر رہا ہے۔ ایک دوسرے کا ساتھ نیکی میں دو، تقویٰ میں، خوفِ خدا میں، پرہیزگاری میں دو۔ دوسرے پارے میں بالکل ٹھیک رُبع کے پاس آپ کو ایک ایسی آیت ملے گی جس میں پروردگارِ عالم نے بِرّ کہا ہے، نیکی کیا ہے اس کی لسٹ دے دی ہے، فہرست دے دی ہے۔ نیکی اور بِرّ کی لسٹ اور فہرست دینے کے بعد آخر میں اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ جو لوگ یہ باتیں اپنے اندر پیدا کر لیں یہ متقی ہیں۔ تو میں آپ کو آج وہ آیت پڑھ کے سنا دوں گا اور آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ کل آپ خود قرآن مجید میں ڈھونڈھ کر پڑھ کر آئیں۔ میں نے پتہ بتا دیا ہے کہ دوسرے پارے کی ربع میں یہ آیت مل جائے گی۔

مگر یہ آیت کس محل اور موقع کی ہے پہلے آپ اسے سُن لیں۔ حضور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے ساتھ تمام مسلمان پہلے خانہ کعبہ کے بجائے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ مکّہ میں اتنی نماز پڑھی گئی تو قبلہ کعبہ نہیں تھا بلکہ یہی بیت المقدس تھا جس پر آج اسرائیل کا قبضہ ہے اور جس کو مسلمان کہتے ہیں کہ یہ قبلۂ اوّل ہے

مدینہ میں آنے کے بعد بھی پیغمبرؐ اسی کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ مکہ میں دشمن تھے بُت پرست، مدینہ میں آ کے خاص طور سے دشمن ہو گئے یہودی۔ یہودیوں کا قبلہ بھی بیت المقدس تھا۔ چنانچہ انھوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ یہ کیسا اسلام ہے۔ یہ کیسا دین ہے، ہمیں کہتے ہیں کہ تمہارا دین غلط ہے اور ہمارے ہی قبلہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں تو قرآن مجید کے الفاظ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہودیوں کے اس طعنے سے نہ صرف مسلمان متاثر ہوتے تھے بلکہ نبی بھی اتنا متاثر ہوتے تھے کہ کبھی کبھی آسمان کی طرف چہرا اٹھا کے خدا سے دُعا مانگتے تھے کہ پالنے والے! وہ وقت آ جائے جب تو قبلہ کے بدلنے کا حکم دے دے۔ یہاں تک کہ وقت آیا اور ٹھیک ایک نماز پڑھتے ہوئے حکم آیا کہ آج ابھی قبلہ بدلا جائے اور اس طرح قبلہ بدلا جائے کہ اب بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ قبلہ قرار پائے تو یہاں سے جس طرف خانہ کعبہ ہے ہم ادھر رُخ کریں گے۔ ہم مشرق میں ہیں پورب میں ہیں، خانہ کعبہ ویسٹ مغرب میں ہے تو ہندوستان کا آدمی جب کبھی قبلہ کی طرف رخ کرے گا تو مغرب کی طرف رُخ کرے گا۔

اور اس کا لطیفہ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۷۰ء میں جب سمندری جہاز کے ذریعہ حج کا سفر کیا تھا تو اگرچہ جہاز کے چلانے والے غیر مسلم تھے مگر حاجیوں کا جہاز تھا۔ لہٰذا کیپٹن کا یہ فرض تھا کہ جیسے جیسے جہاز گھوتا جائے ان کا آدمی آ کے سوئی ٹھیک قبلہ کی طرف کر دیتا تھا تاکہ کسی حاجی کو نماز پڑھنے کی زحمت نہ ہو—— تو ہمارے ہندوستان کے کچھ حاجی جب جہاز کا رخ بدلا کر قبلہ مغرب کے بجائے پورب کی طرف ہو گیا، دکھن کی طرف ہو گیا شمال کی طرف ہو گیا، کہا: دیکھ رہے ہیں؟ یہ ہم مسلمانوں کی نماز خراب کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ یعنی وہ بیچارے نماز صحیح ہو جائے اس کے لیے قبلہ کی سمت بتا رہے ہیں، لیکن مسلمان اپنی جہالت کی بنا پر، کہ قبلہ تو پچھم ہی میں ہوتا ہے—— بھئی پچھم میں یہاں ہوتا ہے لیکن

جو ایسے ہیں جن کے پچھم میں قبلہ ہے وہ جب رُخ کریں گے تو پچھم کی طرف رُخ کریں گے اور جن کے پورب میں قبلہ ہے وہ جب رُخ کریں گے تو مشرق کی طرف کریں گے۔

تو پہلے یہ طعنہ تھا کہ یہ مسلمان کیسے مسلمان ہیں جو ہمارے قبلہ کو قبلہ مانتے ہیں یعنی بیت المقدس کو قبلہ کہتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ تمہارا دین غلط ہے۔ اب جب خدا نے قبلہ بدل دیا کہ یہودیوں کا قبلہ اور مسلمانوں کا قبلہ اور، تو اب یہودیوں نے یہ بحث شروع کر دی ہے۔ کہا: اگر پہلے ادھر سجدہ کرنا صحیح تھا تو اب ادھر سجدہ کرنا غلط ہو گیا، اور اگر اب اِدھر سجدہ کرنا صحیح ہے تو جو پہلے ادھر سجدہ کرتے تھے وہ غلط۔ دونوں اپوزٹ رُخ پر تھے تو قرآن مجید نے اس بے کار، بے نتیجہ بحث کو ختم کرنے کے لیے فرمایا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ اَوِالْمَغْرِبِ

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم عبادتِ خدا کرتے وقت مشرق کی طرف منھ کرتے ہو یا مغرب کی طرف منھ کرتے ہو، بلکہ نیکی کیا ہے:

لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ

میں نے آپ سے کہا نا کہ اب تک میں یہ سُناتا آیا کہ اللہ کہتا ہے کہ نیکی میں بِرّ میں ساتھ دو، تقوے میں اور پرہیز گاری میں ساتھ دو، آج میں آپ کی خدمت میں وہ آیت عرض کرنا چاہتا ہوں جس میں اللہ نے بِرّ اور نیکی کی فہرست دی ہے۔ اور جو لوگ ان صفتوں کو اپنے اندر پیدا کر لیں ان کو متقی ہونے کی سند دی ہے۔ اب وہ کیا ہے؟ ــــــ

"لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ"

نیکی مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے اور عبادت کرنے میں منحصر نہیں ہے بلکہ اصل نیکی کیا ہے؟ ذرا گنتے چلیں آپ۔ نیک وہ جو ایمان لائے۔ تو پہلی نیکی

کیا ہے ؟ ایمان لانا!۔ میں اس ترتیب سے انشاءاللہ آپ کو سناؤں گا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس مجلس سے جب اُٹھ کے جائیں گے تو انشاءاللہ قرآن مجید میں جو تقوے اور نیکی کی لسٹ اور فہرست بیان کی ہوئی ہے وہ سب کو یاد ہو جائے گی۔

کہا: پہلی نیکی ہے ایمان لانا، اور جب اللہ نے کہا پہلی نیکی ہے ایمان لانا تو پانچ چیزیں بیان کی ہیں جن پر ایمان لانا ہے:

مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ کتابوں پر ایمان لائے، ملائکہ پر ایمان لائے اور نبیوں پر ایمان لائے —— یعنی پہلی نیکی ہے ایمان لانا اور ایمان لانے میں پانچ باتیں ہیں جن کا خدا نے خاص طور سے تذکرہ کیا ہے —— اللہ پر ایمان لانا۔ دیکھئے اتنا ہی کافی تھا، اللہ پر ایمان لانا ہے اس لیے کہ جو اللہ پر ایمان لائے گا اللہ جسے منوائے گا وہ اسے مان لے گا۔ لیکن اس نے خاص طور پر تشریح کی کہ اللہ پر ایمان لانے کے بعد تم کو اللہ کی ہر بات ماننا ہے لیکن ان ساری باتوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم کو آخرت کا دن یاد رہے۔!!

اللہ پر ایمان لانے کے بعد اگر قیامت بھول جاتا ہے آدمی تو نہ نیکی کرتا ہے، نہ برائی چھوڑتا ہے لیکن اگر آخرت یاد رہتی ہے تو گناہ کے وقت بھی گناہ چھوڑ دیتا ہے۔

کہا: پہلا کام ہے ایمان لانا، ایمان لانے میں پہلا ایمان ہے اللہ پر ایمان لانا، پھر دوسری اہمیت ہے آخرت کے دن پر، قیامت کے دن پر ایمان لانا ہے۔ اللہ کی کتاب، اللہ کے ملائکہ پر ایمان لانا، اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا، اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لانا۔ تو اب جو کچھ ملائکہ کہیں گے اس پر ایمان لانا ہے، جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے اس پر ایمان لانا ہے، جو کچھ نبی بیان کریں گے اس پر ایمان لانا ہے۔ تو پہلی نیکی ہے ایمان لانا۔

اور ایمان لانے میں پانچ باتیں ہیں: اللہ پر ایمان لانے کے بعد قیامت پر ایمان، ملائکہ پر ایمان اور سارے نبیوں پر ایمان۔ پہلی بات طے ہوگئی! اب اس کے بعد دوسری بات کہتا ہوں کہ نیک وہ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ جو مال خرچ کرے گا ___ جو مال خرچ کرے گا جبکہ اس کے دل میں مال کی محبت بھی ہوگی۔

دیکھیے! میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ جلدی نہ کیجیے۔ عام طور سے لوگ جلدی یہ سمجھ لیتے ہیں کہ مال سے محبت کرنا جیسے ناجائز محبت کا نام ہے۔ نہیں! مال سے محبت کرنا ناجائز محبت کا نام نہیں ہے، جب تک ناجائز مقاصد کے لیے مال سے محبت نہ کی جائے۔

اللہ کہتا ہے: دوسری نیکی یہ ہے کہ مال و اولاد سے محبت رکھتا ہوگا، مگر مال سے محبت رکھنے کے باوجود اللہ سے محبت رکھنے کی بنا پر اپنے مال کو خرچ کر دے گا۔ یعنی دو محبتیں ہوں گی ___ اللہ سے محبت بھی ہوگی، مال سے محبت بھی ہوگی۔ مگر مال کی محبت کو قربان کر دے گا اللہ کی محبت پر۔ ہمارے سماج میں کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کو مال کی محبت نہیں ہوتی ہے۔ یہ بڑا اہم پوائنٹ ہے جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں ___ اور وہ سوسائٹی میں اپنے کو بہت اونچا دکھانے کیلئے کہتے ہیں: "ہمیں مال کی ضرورت ہے، اس کی محبت نہیں ہے۔"

یہ کون ہوتے ہیں؟ بے سبب مال خرچ کرتے ہیں، بے جگہ مال خرچ کرتے ہیں۔ ایک آدمی آیا ___ "یہ لے جائیں؟"

کہا: "لے جاؤ!" ہم نے پوچھا: "کیوں دے دیا؟"

کہا: "ہم کو مال کی محبت نہیں ہے!" ___ تو جو ایسی فضول خرچی کرتا ہے خدا اسے مجرم قرار دیتا ہے کہ ہم نے تم کو مال دیا ہے تو پھینکنے کے لیے نہیں دیا ہے خرچ کرنے کے لیے دیا ہے۔ مال جب صحیح جگہ پر خرچ کیا جائے تو اسے خرچ

کرنا کہتے ہیں اور جب وہ بے جگہ خرچ کیا جائے تو اسے پھینکنا کہتے ہیں۔ مال پھینکنے والے کو فضول خرچ کہا جاتا ہے۔ فضول خرچی کو اسراف کہا جاتا ہے۔ اسراف کرنے والوں کو خدا نے شیطان کا بھائی بتایا ہے اور مذہب میں بھی یہی حکم ہے۔ آپ جانتے ہیں توضیح المسائل آپ پڑھیں، اس میں آپ کو یہ بھی حکم ملے گا کہ جو اپنی سمجھ کے اعتبار سے اتنے کم ہوں کہ وہ اپنے نیک و بد کو، اچھے اور برُے بھلے کو نہ پہچانتے ہوں تو ان کو ان کے مال پر قبضہ نہیں دیا جاتا ہے بلکہ جو سمجھ دار ہوتا ہے اس کو اس کا ولی بنایا جاتا ہے۔ پہلا حق ولایت باپ کو ہوتا ہے، دوسرا حق ولایت دادا کو ہوتا ہے اور اگر ایسا کوئی نہیں ہے تو پھر جو فقیہ ہوتا ہے، حاکم شرع ہوتا ہے وہ ولی ہوتا ہے۔ اور اگر امام تشریف فرما ہوں تو وہ ولی ہیں۔

یہ کس لیے ہے؟ کہ یہ مال کی محبت نہیں رکھتا ہے، مال کی قیمت نہیں پہچانتا ہے یہ برباد کر دے گا تو مال برباد نہیں کرے گا اللہ کی نعمتوں کو برباد کرے گا، لہٰذا اس کو خرچ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اب اس کا ولی خرچ کرے گا۔

بات میں بات نکل آئی تو میں اتنی تفصیل میں چلا گیا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ مال کی اس محبت کی شریعت نے بے حد مذمت کی ہے، بہت برا قرار دیا ہے۔ مال کی اس محبت کو جو دین سے رکاوٹ کا ذریعہ بن جائے۔ لیکن مال کی اس محبت کا حکم دیتا ہے جہاں یہ احساس پیدا ہو کہ یہ مال نہیں ہے خدا کی ایک نعمت ہے۔ جب خدا کی نعمت ہے تو یہ کسی کے کام آنا چاہیئے اسے برباد نہیں ہونا چاہیئے۔

میں بچوں کے سمجھانے کے لیے ایک مثال دے دوں کہ کھانا رکھا ہے تو یا تو کھا لے آدمی یا کسی کو کھلا دے۔ نہیں کوئی کھانے والا موجود ہے تو جانوروں کو کھلا دے۔ بات میں بات نکل آئی ـــ ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ تم کھانے پر بیٹھو، دستر خوان پر جو گر جائے ـــ

اب تو دسترخوان کو نکال ہی دینا پڑے گا۔ اس لیے کہ یا ٹیبل ہے یا ٹرے۔ خیر اسی کو دسترخوان سمجھ لیجیے کہ اس میں جو گر جائے تھوڑا تھوڑا، ریزے، ان کو چن کے کھاؤ۔ کیوں ـــ؟ یہ ضائع نہیں ہونا چاہیے، یہ اللہ کی نعمت ہے اور اگر چن کے کھاؤ گے تو اللہ تمھاری روزی میں اضافہ کر دے گا۔

ہم ایک مرتبہ حج میں تھے، ہم نے اپنے حج کے ساتھی سے کہا کہ یہ حدیث میں آیا ہے۔ انھوں نے فوراً دسترخوان سے چن کے کھانا شروع کر دیا اور کہا کہ حدیث کی سچائی میں کوئی شک نہیں ہے، اتنی روزی تو خود بخود بڑھ گئی ہے جو اتنا ہم نے اُٹھا کے کھالیا ہے اتنی روزی تو خود بڑھ گئی ـــ تو کہا کہ اگر ریزے گر جائیں، ٹکڑے گر جائیں تو انھیں جھاڑ کے پھینکنا نہیں، انھیں چن کے کھالینا۔ البتہ اگر تم نے میدان میں کھایا ہو تو جو گر گیا ہو اسے زمین پر ڈال دو، تاکہ جانور آ کے، چڑیاں آ کے کھا جائیں ـــ تو کھانا کسی جان دار تک پہونچ جائے یہ صحیح بات ہے ـــ لیکن اگر سڑا دیا جائے، پھینک دیا جائے یہ توہین ہے۔

بس جیسے وہ بیوقوف ہوتا ہے جو کھانا سڑا کے پھینک دے، سمجھ دار وہ ہوتا ہے جو کسی کو کھلا دے، ویسے ہی خدا بھی کہتا ہے کہ مال سے محبّت کرو کہ وہ کسی کے کام آجائے۔ تو اللہ نے کہا: نیکی کیا ہے ـــ بات میں بات نکل آئی۔ میں نے آپ کو اتنی باتیں سُنا دی ہیں، آپ بھول جائیں گے ـــ کہا: پہلی نیکی ہے ایمان لانا۔ خدا پر ایمان لانا۔ یاد کرنا ہے آپ کو آخرت کے دن پر ایمان اور ملائکہ اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانا اور نیکی کی دوسری منزل ہے کہ مال سے محبت رکھتے ہوئے مال کو خدا کی محبت میں خرچ کرنا، کہاں کہاں خرچ کرنا ـــ؟

پہلا خرچ ہے اپنے عزیزوں پر خرچ کرنا۔

دوسرا خرچ ہے یتیموں پر خرچ کرنا۔

تیسرا خرچ ہے غریبوں پر خرچ کرنا

چوتھا خرچ ہے جو آپ سے مانگ رہا ہو، سوال کر رہا ہو اس کے سوال کو پورا کرنے کے لیے خرچ کرنا ــــ تو اب ذرا گنتے چلیئے کہ ایمان کے بعد ہمیں مال کی محبّت رکھتے ہوئے اللہ کی محبت کی بنا پر مال کو خرچ کرنا ہے۔ کہاں کہاں خرچ کرنا ہے :

نمبر ایک اپنے رشتہ داروں پر، عزیزوں پر۔

نمبر دو۔ یتیموں پر، نمبر تین۔ مسکین پر، غریب پر۔ نمبر چار۔ ان مسافروں پر جو سفر میں غریب ہو گئے ہوں۔ نمبر پانچ۔ جو مانگنے والے ہیں، جو سوال کرنے والے ہیں ان کی حاجت کو پورا کرنے کے لیے۔

اور چھٹے نمبر پر وہ غلام اور کنیزیں ہیں جو غلامی اور کنیزی کی وجہ سے تکلیف میں ہوں تو ان کو ان کی تکلیف سے رہائی دلانے کے لیے مال کو خرچ کرنا۔

میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ مجھے کوئی حق ہے کہ میں قرآن کے کسی لفظ کو اس کی جگہ سے ہٹا سکوں۔ اگر ہٹانے کی کوشش کروں گا تو میں خود ہی اپنے ایمان سے ہٹ جاؤں گا۔ لیکن اتنی بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر آج کوئی غلام نہیں ہے، آج اگر کوئی کنیز نہیں ہے تو غلامی تو ختم ہو گئی ہے، کنیزی تو ختم ہو گئی ہے۔ مگر یہ پیپر پر ختم ہوئی ہے زندگی میں ختم نہیں ہوئی ہے ــــ جو بیچارہ ہماری فیکٹری میں کم تنخواہ پر کام کرنے پر مجبور ہے وہ غلامی ہی کر رہا ہے، جس کے حالات سے فائدہ اٹھا کے، ہم نے آدھی تنخواہ پر اس کو آفس میں رکھ لیا ہے وہ غلامی ہی کر رہا ہے۔ جس کو کسی وجہ سے ہمارے گھر کے علاوہ کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی ہے اور ہم اسے ستا رہے ہیں اور وہ ہمارے گھر میں زندگی بسر کر رہا ہے، گھٹ گھٹ کے زندگی بسر کر رہا ہے۔ چاہے وہ ماں ہو، چاہے

ہم نے کہا: "ان بیچارے کو جو ایکسیڈنٹ کے بعد سے لنگڑا کے چلتے ہیں؟ آپ ان کو پوچھ رہے ہیں؟" ــــ میں نے وہی عیب بیان کیا لیکن اب دل کو ناگوار نہیں ہوگا۔

تو غیبت کی روح پہچان لیجیے کہ عیب پایا جاتا ہے اور اس عیب کو آدمی اس لیے بیان کرتا ہے کہ اس کی اِنسلٹ ہو جائے تو وہ غیبت ہے اور اگر اِنسلٹ نہیں ہوتی ہے بے عزّتی نہیں ہوتی ہے تو غیبت نہیں ہے۔

صلوات

تو اس وقت میں یہ سُنانا چاہتا تھا کہ ہم گناہ میں کیسے شریک ہو جاتے ہیں کہ ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم گناہ میں شریک ہو گئے۔ اس کی ایک مثال دینا چاہتا تھا ایک آدمی تھا، مثلاً اس نے غلط سودا کیا۔ لوگوں نے سمجھایا بھی کہ یہ کام یہ بزنس تم سے نہیں چلے گا لیکن وہ نہیں مانا۔ کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ دیوالیہ ہو گیا۔ لوگوں کے سامنے آنے سے شرمندگی کی بنا پر منھ چرانے لگا ــــ اب اس سے اگر یہ کہا جائے کہ کل یہ لکھ پتی تھا، آج یہ فٹ پاتھ پر بیٹھنے کے قابل ہو گیا ہے، دیوالیہ ہو گیا ہے تو اس کی عزّت میں کمی آتی ہے۔

ہماری آپ کی مسجد کے دروازے پر ملاقات ہوئی۔ ہم مسجد سے نکل رہے تھے آپ مسجد میں آ رہے تھے۔ یعنی بہت اچھی جگہ ملاقات ہوئی نا۔ کتنا اچھا کہ اس ہے ہم مسجد سے جا رہے ہیں، آپ مسجد میں آ رہے ہیں۔ ہم نے پوچھا:

"کچھ سُنا آپ نے؟"

کہا، "میں بھی آپ سے یہی پوچھنے والا تھا کہ کچھ سُنا آپ نے؟"

تو معلوم ہوا کہ ایک بات میں بھی جانتا ہوں اور ایک بات آپ بھی جانتے ہیں ہم بھی سُنانا

وہ باپ ہو، چاہے وہ بیوی ہو، چاہے وہ بہن ہو ـــــ یہ سب وہ ہیں جو ایک طرح کی غلامی میں ہیں۔ تو جس طرح سے کل جو کھلم کھلاّ غلام اور کنیز تھے ان کو ان کی تکلیف سے نجات دلانا بہترین کام تھا ایسے ہی آج کی زندگی میں جو بغیر لفظ کے غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، زحمتوں میں ہیں ان کو زحمتوں سے نجات دلانا ویسا ہی کارِ خیر و کارِ ثواب و عبادت ہے جیسے کل غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرنا ہے۔ تو میں پھر چاہوں گا کہ میرا بچّہ بچّہ میری بیٹی بیٹی آج اس آیت کی تفصیل میں نیکی کیا ہے اس کی لسٹ کو یاد رکھے۔

پہلا کام ہے ایمان لانا۔ پانچ باتوں پر ایمان لانا ـــــ اللہ پر ایمان لانا، قیامت پر ایمان لانا، ملائکہ پر ایمان لانا، کتابوں پر ایمان لانا، نبیوں پر ایمان لانا ـــــ دوسرا کام ہے مال کی محبت رکھتے ہوئے مال کو خدا کی محبت میں خرچ کرنا۔ چھ خاص پوائنٹ ہیں جہاں پر خرچ کرنا ہے: ـــــ

عزیزوں پر خرچ کرنا ہے، یتیموں پر خرچ کرنا ہے، غریبوں پر خرچ کرنا ہے جو سفر میں غریب ہو گئے ہیں ان مسافروں پر خرچ کرنا ہے، جو بدحال ہیں سوال کر رہے ہیں اور بھیک مانگ رہے ہیں ان کی پریشانی دُور کرنا ہے اور جو غلامی کی زندگی میں تکلیف میں پڑے ہیں ان کی تکلیفوں کو دُور کرنا ہے ـــــ دُو باتیں ہو گئیں۔ پہلا ایمان لانا پانچ باتوں پر، دوسرے مال خرچ کرنا چھ جگہوں پر۔ اس کے بعد خدا کہتا ہے:

نیکی یہ ہے کہ آدمی نماز کا پابند ہو۔ اس کے بعد فرمایا: نیکی یہ ہے کہ زکوٰۃ کا پابند ہو۔ تو اب ذرا یاد رکھیے: پہلے ایمان لانا پانچ باتوں پر، دوسرے مال خرچ کرنا چھ جگہوں پر۔ تیسرے نماز کا پابند ہونا، چوتھے زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ پھر پانچویں صفت بیان کرتا ہے کہ یہ نیک افراد وہ ہیں، یہ نیک لوگ وہ ہیں کہ جس سے جو وعدہ کرتے ہیں اس سے اس وعدہ کو پورا کرتے ہیں۔ میں آج اس کی وضاحت آپ کے سامنے نہیں کروں گا۔ میرے پاس

ابھی کل کا دن باقی ہے مگر میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ وعدے میں فقط یہی وعدہ نہیں ہے کہ ہم نے تجارت میں کسی سے وعدہ کیا ہے تو اسے پورا کرنا ہے۔ نہیں! زندگی میں جس سے جو وعدہ کیا ہے اس وعدے کو پورا کرنا یہ ہماری ڈیوٹی، یہ ہمارا فریضہ ہے کہ اگر ہم وعدہ کو پورا نہیں کرتے ہیں تو ہم نیکی کا حق ادا نہیں کریں گے اور اگر نیکی کا حق ادا نہیں کریں گے تو ہم متقی اور پرہیزگار نہیں قرار پائیں گے۔ میں ان سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، باپ کو زبان سے ایک مرتبہ باپ کہہ دینا اس لیے کہ وہ باپ ہے۔ یہ باپ کو باپ کہنا باپ سے وعدہ کرنا ہے کہ زندگی بھر آپ کے ساتھ باپ سمجھ کے برتاؤ کریں گے۔

یہ بغیر وعدے کا لفظ استعمال کیے ہوئے یہ وعدہ کرنا زندگی بھر بھائی کو بھائی سمجھیں گے۔ جس دن کسی نے کسی عورت سے شادی کی اس دن شادی کر کے اس عورت سے اس نے وعدہ کیا ہے کہ ہم ساری زندگی تمھارا خرچ برداشت کریں گے، تمھاری حفاظت کریں گے۔

جب ہم کسی کے پڑوس میں آباد ہو گئے ہم نے کہا: آپ ہمارے پڑوسی ہیں، ہم نے زبان سے وعدہ کا لفظ کہا ہو یا نہ کہا ہو لیکن عملی طور پر ہم نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کے دکھ میں ہم شریک رہیں گے، ہماری تکلیف میں آپ شریک رہیں گے۔

جب قرآن مجید نے کہا: مومن مومن کا بھائی ہے اور ہم نے کہا ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ ہمارے سامنے والے نے اگر کہا کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں تو بغیر کسی وعدے کے ایک دوسرے کے بھائی ہو گئے ہیں۔ تو مومن کو مومن سمجھ کے اس کے بھائی ہونے کے حقوق کو ادا کرنا یہ گویا ایک طرح کا وعدہ ہی ہے۔

تو میں پھر دہرا دوں اور یہ دہرانا اسی لیے ہے کہ میرے بچے بچے کو یہ بات یاد ہو جائے کہ نیکی کیا ہے۔ ایمان لاؤ، مال خرچ کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور ہر کیے ہوئے وعدے کو پورا کرو۔ اس کے بعد نیک کون ہے؟ اس کی آخری صفت قرآن مجید یہ بیان کرتا ہے کہ یہ نیک

لوگ وہ ہوں گے کہ جو صبر کریں گے۔ صبر کے معنی پہلے سمجھ لیجیے۔ ہماری سوسائٹی .... ہماری سوسائٹی تو ہر لفظ کے نئے معنی پیدا کر لیتی ہے۔ ہمارے یہاں تو محاورہ بن گیا ہے کہ مجبوری کا نام صبر ہے یعنی جب کچھ کر ہی نہیں سکتے ہیں تو اس کا نام صبر۔ تو مجبوری کا نام صبر نہیں ہے۔ جو چیز ہمارے سامنے ہے اس پر ناراض ہونے کے بجائے اپنے دل کو راضی رکھنے کا نام صبر ہے۔ میں اس کی تشریح بھی اس وقت نہیں کر سکوں گا۔ لیکن اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مثال کے طور پر ہم بھوکے ہیں، تو بھوک تو تبھی مٹے گی جب کھانا ملے گا۔ اس میں ہم مجبور ہیں کہ بغیر کھانا ملے ہماری بھوک نہیں مٹ سکتی ہے۔ یہاں پر مجبوری ہے۔ مگر ہم بھوکے ہیں تو ایک مرتبہ ہمارے دل میں خیال آیا کہ پالنے والے ایک ہمیں رہ گئے اس کے لیے کہ تو بھوکا رکھے ہمیں۔ یہ خیال آیا۔ اور دوسرا خیال ہم یہ لائے کہ مالک تو نے ہماری کوئی بھلائی سمجھی ہو گی کہ آج ہم بھوکے رہیں۔

یہ دو خیال ہیں یا نہیں اور ان دونوں خیالوں میں سے جس خیال کو ہم چاہیں اختیار کریں۔ اس میں ہم مختار ہیں مجبور نہیں ہیں۔ ہم چاہے اللہ سے ناراض ہو جائیں کہ کتے بلی کو کھانا دے رہا ہے ہم بھوکے ہیں اور چاہے اس پر اپنے دل کو راضی رکھیں کہ جب باپ بیٹے کے لیے برائی نہیں سوچ سکتا ہے تو تو پیدا کرنے والا خالق اور کریم اور رب العالمین ہے تو نے اگر ہمیں بھوکا رکھا ہے تو کسی فائدے کے لیے رکھا ہو گا لہٰذا ہم دل سے راضی ہیں تیری طرف سے بھوکے رکھے جانے پر — جب دل اس طرح سے راضی ہو جائے تو اس کو صبر کہتے ہیں۔

تو کہا: نیکوں کی آخری صفت یہ ہو گی کہ یہ صبر کریں گے۔ یعنی اللہ کی طرف سے جو فیصلے ان کے لیے ہوں گے، اللہ کے ہر فیصلے پر یہ راضی رہیں گے۔ اب کہاں کہاں راضی رہیں گے اس کے تین خاص موقع بیان کیے گئے ہیں قرآن مجید میں۔

یہ بات میں پھر ایک مرتبہ یاد دلادوں کہ نیکی اللہ پر ایمان لانا ہے۔ اس لفظ میں جتنی شریعت ہے، جتنا مذہب ہے سب آگیا تھا لیکن اللہ نے اس کے بعد کچھ چیزوں کو بیان کر کے اس کی اہمیت، ہمیں بتائی ہے۔ ویسے ہماری پوری زندگی میں اللہ ہمارے بارے میں جتنے فیصلے کرے۔ بیماری کا فیصلہ کرے، کمزوری کا فیصلہ کرے، نقصان کا فیصلہ کرے، اولاد کے مر جانے کا فیصلہ کرے، اولاد کے نہ پیدا ہونے کا فیصلہ کرے، کسی مقدمہ میں ناحق پھنس کے سزا پا جانے کا فیصلہ کرے — جو بھی فیصلہ کرے ساری زندگی اللہ کے فیصلے پر اپنے کو راضی رکھنا اسی کا نام صبر ہے۔ لیکن اس نے تین خاص جگہیں بتائی ہیں جہاں صبر کرنا دشوار ہوتا ہے۔ کہا: یہاں پر جو صبر کرے وہ ہے نیک۔ وہ تین جگہیں کون ہیں —

فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط

یہ صبر کرنے والے وہ ہیں جو غربت میں، بھوک میں، فقر و فاقہ میں بھی اللہ کے فیصلہ پر راضی رہتے ہیں۔ یہ ہے باْسا۔ بھوک، فقر و فاقہ اور غربت میں۔ جو اللہ کے فیصلے پر راضی رہے۔ یہ صبر کرنے والے ہیں نیک، اور اس کے بعد کہا کہ باْساء کے ساتھ ساتھ ضَرَّاء یعنی جب ان کو نقصان پہونچے، تکلیف پہونچے، دکھ پہونچے، بلاؤں میں گرفتار ہوں تو اس وقت بھی وہ اللہ کے فیصلوں پر راضی رہیں۔ یہ ہیں نیک۔

وَحِیْنَ الْبَاْسِ اور جب میدان جہاد میں دشمن کا مقابلہ ہو جائے، موت سامنے دکھائی دے، گولیاں چل رہی ہوں، بم پھٹ رہے ہوں، مشین گنیں آگ اگل رہی ہوں، زمین و آسمان آگ بن گیا ہو، اس وقت بھی جو اپنے پر قابو رکھ کے حکم خدا کے لیے میدان جہاد میں صابر رہے، تکلیفوں کو جھیلنے کے لیے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو نیک ہیں۔

تو اب ذرا آپ کے سامنے میں نے قرآن مجید کے مختصر فقرے کی تفسیر قرآن مجید

کی دوسری آیت سے کر دی ہے۔ تو اگر ہم اپنی سوسائٹی کو نیکی پر قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو سوسائٹی کے ہر ممبر کو ایسا بنانا پڑے گا جو خدا پر ایمان رکھتا ہو۔ جو آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو جو ملائکہ کو مانتا ہو جو ہر کتاب کو مانتا ہو، جو سارے نبیوں کو مانتا ہو، جو مال کی محبت رکھتا ہو، مگر مال کی محبّت رکھنے کے باوجود خدا کی محبت میں مال خرچ کرتا ہو سب سے پہلے عزیزوں پر خرچ کرتا ہو، پھر یتیموں پر خرچ کرتا ہو، پھر غریبوں پر خرچ کرتا ہو پھر مسافروں پر خرچ کرتا ہو، پھر جو تکلیف دہ زندگی، مجبور زندگی بسر کر رہے ہیں ان کو نجات دلانے میں خرچ کرتا ہو ـــــ نماز کا پابند ہو، زکوٰۃ کا ادا کرنے والا ہو۔ زندگی میں جس سے جو وعدہ کرلے اس وعدہ کو پورا کرنے والا ہو۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ اللہ کے ہر فیصلے پر پوری زندگی راضی رہے۔

خاص طور سے جب بھوک کا سامنا ہو جائے تو اس پر راضی رہے، غربت کا سامنا ہو جائے، تکلیف کا سامنا ہو جائے تو اس پر راضی رہے۔ جب اس کو مصیبتوں اور بلاؤں کا سامنا پڑ جائے تب بھی راضی رہے اور میدانِ جہاد میں موت کے سامنے کھڑا ہونا پڑے تو اتنا مضبوط ہو کہ موت پیچھے ہٹ جائے وہ پیچھے نہ ہٹے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

جن میں یہ صفتیں پیدا ہوں گی یہی نیکی بھی ہے اور یہی لوگ متقی بھی ہوں گے۔ ہر آدمی میں یہ صفت پیدا ہونا چاہیے۔ کچھ کوشش میں کروں اس صفت کو پیدا کرنے کی اور کچھ سہارا میرا بھائی مجھے دے، کچھ باپ بنے نیک، کچھ اس کے گھر والے مدد کریں۔ کچھ باپ کوشش کرے گھر والوں کو نیک بنانے کی اور کچھ گھر والے خود کوشش کریں۔ اس طرح سے سوسائٹی بنتی ہے۔ جیسے ہم روز باتیں کرتے ہیں کہ اگر گھر کا کوئی ایک آدمی ترقی کرنا چاہے تو ترقی نہیں نہیں ہو سکتی جب تک سارا گھر کو آپریشن نہ کرے

ترقی کرنے میں۔ جو کمانے والے ہیں وہ کمائیں، جو خرچ کرنے والے ہیں وہ کم خرچ کریں تو ترقی کرتا ہے۔ تو جس طرح سے ترقی کرنے میں سہارا دینا ہے اسی طرح سے سوسائٹی کو متقی و پرہیزگار بنانے میں، نیک بنانے میں سب کو حصّہ لینا پڑے گا۔

صلوات

آخر میں آپ کے سامنے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس نیکی کی اگر پوری فہرست کو دیکھنا ہو تو کربلا میں دیکھ لیجیئے۔ آپ کو دونوں سوسائیٹیاں نظر آجائیں گی۔ وہ سوسائٹی بھی نظر آجائے گی جو نیکی پر قائم ہے اور وہ سوسائٹی بھی نظر آجائے گی جو گناہ اور سرکشی پر قائم ہے۔

جب نیکی یہ چیزیں ہیں تو ان چیزوں کا چھوڑ دینا وہی گناہ ہے۔ جب تقویٰ یہی چیزیں ہیں تو ان کے خلاف جو کیریکٹر ہیں ان کیریکٹروں کو اپنانا یہی عدوان، سرکشی اور نافرمانی ہے ـــ ہمارے سامنے کربلا میں دونوں سوسائیٹیاں موجود ہیں۔ ایک گناہ والی سوسائٹی، ایک نیکی والی سوسائٹی، تقوے اور نیکی والی سوسائٹی اور ایک نافرمانی کرنے والی سوسائٹی۔

..یزیدیوں کا حال سب کو معلوم ہے۔ ان کو نہ اللہ پر ایمان ہے، نہ انھیں ذرّہ برابر قیامت کا خیال تھا۔ نہ وہ کتاب مان رہے تھے، نہ نبیوں کو مان رہے تھے، نہ ملائکہ کو مان رہے تھے۔ ان میں سے وہ کوئی چیز نہیں مان رہے تھے۔ ان کے یہاں مال کی محبّت تھی خدا کی محبت تھی ہی نہیں ـــ وہ یتیم سے چھینا جانتے تھے یتیم کو دینا نہیں جانتے تھے۔ وہ بھوکے کو بھوکا رکھنا جانتے تھے، بھوکے کو کھانا کھلانا نہیں جانتے تھے۔

میں اگر آج زیادہ کہہ بھی نہ سکوں تو اتنی بات مجھے کہنا ہے کہ ہم ان ذلیل، رذیل بدترین کائنات، کمینے یزیدیوں سے نفرت کرتے ہیں جنھوں نے یتیموں کو کھلانے کے

بجائے ان کا مال چھین لیا تھا۔ تو ہماری سوسائٹی میں کبھی خدانخواستہ کسی آدمی سے یہ غلطی ہو جائے کہ یتیم کا مال ہڑپ لے۔ چاہے وہ چچا ہو، چاہے وہ دادا ہو، چاہے وہ بھائی ہو ــــ اتنا یاد رکھنا پڑے گا کہ اس کے کیریکٹر نے اس کو وہیں لے جا کے کھڑا کیا ہے جہاں یزید کے سپاہی کھڑے تھے۔

آج اگر ہمارے سامنے یہ تصویر آتی ہے کہ جو مجبور تھے، جو بیمار تھے، جو بھوکے اور پیاسے تھے ان کو ظالموں نے اور مجبور کیا تھا۔ بجائے آرام دینے کے بچّوں کو طمانچے مارے تھے، بڑوں کو تازیانے مارے تھے۔ طمانچے اتنے مارے تھے کہ خون جھلک آیا تھا۔ تازیانے اتنے مارے تھے کہ زخم آ گیا۔ مگر جن چہروں پر طمانچے مارے تھے ان پر محبت سے ہاتھ رکھنے کے بجائے، جن کی پیٹھ پر زخم پڑ گئے تھے ان کو دوا لگانے کے بجائے ان کو اور مجبور کیا۔ ان مجبوروں کو اور مجبور کیا کہ اونٹ کی پیٹھ پر بٹھایا۔ ان مجبوروں کو اور مجبور کیا کہ ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی بٹھا دیا۔ ان کو اور مجبور کیا کہ اونٹوں کو تیز ہنکانا شروع کر دیا ــــ بڑا جس کے ہاتھ بندھے ہیں وہ کسی طرح اپنے آپ کو سنبھال بھی لے لیکن جو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ جو بھوک اور پیاس سے عاشور کے دن اتنے مجبور ہو چکے تھے کہ وہ چلتے تھے تو ڈگمگاتے ہوئے چلتے تھے۔ چلتے تھے تو لڑکھڑاتے ہوئے چلتے تھے۔ چلتے تھے تو گر گر پڑتے تھے۔ ان کو جب اونٹوں پر بٹھایا گیا تو ان مجبور بی بیوں کی مجبوریوں میں اور اضافہ کر دیا گیا یا نہیں۔

ہمارے دل بیزار ہیں ان ملعون یزیدیوں سے جنھوں نے مجبوروں کو اور مجبور کیا۔ ہم خدا کے سامنے ان پر لعنت بھیجتے ہیں، ان پر شدید ترین عذاب کے نازل ہونے کے لیئے دُعا کرتے ہیں جنھوں نے ان مجبوروں کی مجبوریوں میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں ــــ کیریکٹر، کیریکٹر ہے جہاں پایا جائے گا

وہیں قابلِ مذمّت ہوگا۔ تو ہمارے سماج میں کبھی کبھی ایسے شوہر بھی پائے جاتے ہیں جن کو اپنے شوہر ہونے کا اتنا غرور پیدا ہوجاتا ہے کہ بیوی ہماری روٹی کی پابند ہے لہٰذا وہ اس کو مارتے بھی ہیں، وہ اس کو بھوکا رکھ کے بھی مارتے ہیں۔ اس کے بعد وہ دوستوں میں بیٹھ کے اپنے شوق پورے کرتے ہیں۔ باہر ناجائز تعلقات میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بیوی کو یہ اور بھی سزا دیتے ہیں کہ تم بھی بھوکی رہو، تمہارے بچے بھی بھوکے رہیں ــــــ

تو اگر کوئی ایسا ظالم شوہر ہے تو اسے پہچاننا چاہیئے کہ وہ اگر دیکھے کہ جن یزیدیوں نے بیبیوں کے ہاتھ باندھ کے ان کے بچّوں کو ان کے پاس مجبور بنا کے بٹھا دیا تھا، اس کے کیریکٹر میں اور اس شوہر کے کیریکٹر میں کیا فرق ہے جو اپنی بیوی کو بھوکا بھی رکھتا ہے، مارتا بھی ہے، خرچ بھی نہیں دیتا ہے ــــ بچّوں کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے ماں کے ذمّہ نہیں ہے ــــ مگر ان بھوکے بچوں کو بھی ماں کے حوالے کر دیتا ہے، خود رنگ رلیاں مناتا ہے، خود اپنے جذبات کی تسکین حرام ذریعوں سے کرتا ہے۔ عیش کرتا ہے اور ان کو دُکھ میں دیکھ کے خوش ہوتا ہے ــــ "اور نافرمانی ہماری کرتی ہو، ہماری بات نہیں مانتی ہو" ــــ حالانکہ وہ بات مان رہی ہے، مگر اس بات کا جھگڑا ہے کہ یہ بے دین ہے، یہ خدا کے مذہب سے ہٹانا چاہتا ہے۔ وہ دین دار ہے وہ خدا کے مذہب پہ رہنا چاہتی ہے اور اگر کوئی دُنیاوی جھگڑا بھی ہے تو اتنا یاد رکھو کہ تم کو خدا نے شوہر بنایا ہے خدا نہیں بنایا تم کو۔ تم کو شوہر بنایا ہے یعنی تم کو ذمہ دار بنایا ہے لیکن تم کو مالک نہیں بنایا ہے۔ اس کو بیوی بنایا ہے یعنی اس کا فریضہ ہے کہ یہ تمہارے احکام کی تعمیل کرے مگر اسے لونڈی اور کنیز نہیں بنایا ہے۔

تو جو اس طرح کی زندگیوں میں ــــ میں مثال دے رہا ہوں ــــ بیوی پر ظلم کرنے

لگتے ہیں یا بیوی کے کہنے میں آکے ماں پر ظلم کرنے لگتے ہیں یا بیوی کے کہنے پر اُس بہن پر جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے، ماں باپ مر چکے ہیں، گھر ملا نہیں ہے، ماں باپ کے گھر کے علاوہ کسی گھر میں جا نہیں سکتی ہے اس کو لاوارث سمجھ کے جو بیوی کے کہنے میں آکے بہن کے اوپر ظلم کرتے ہیں تو اس ظلم کرنے والے بھائی کو بھی اور اس ظلم پر اکسانے والی بیوی کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا ایسا کردار معاذاللہ بالکل یزیدیوں کے کردار سے جا کے مل جاتا ہے۔

میں اب اتنی صاف صاف باتیں اب اس لیے کہنے لگا ہوں کہ مجھے یہ محسوس ہو گیا کہ اگر بُرائیاں روکنا ہیں تو مروّت نہیں کرنا ہے۔ پہلے ہلکی دوائیاں دی جاتی ہیں کہ پھوڑا بیٹھ جائے۔ جب پھوڑا نہیں بیٹھتا ہے تو مریض تڑپتا رہتا ہے آپریشن کر دیا جاتا ہے۔ تو اب سماج ہلکے ہلکے اشاروں سے بے دینی سے ہٹنے پر تیار نہیں ہے تو کھلم کھلا صاف صاف تذکرے ہونا چاہئیں کہ ہم اپنا حساب کریں کہ ہم یزید[لعن] کی فوج میں کھڑے ہیں یا حسینؑ کی فوج میں کھڑے ہیں۔ ہمارا کردار ہمیں کہاں لے گیا ہے۔ یہ مجلس میں آجانا، یہ منبر پر آکے میرے جیسے انسانوں کا ذاکری کر لینا یہ کوئی سند نہیں ہے۔ سند یہ ہے کہ دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے۔

مال ہم راہ خدا میں خرچ کر رہے ہیں یا نہیں۔ نیکی اور تقوے کے پابند ہیں یا نہیں ہیں ــــ یعنی ہمارا کردار یزید کی طرف جا رہا ہے یا حسینؑ کی طرف لے جا رہا ہے

بس آج کی بات میں نے یہیں پر روکی ہے کل انشاءاللہ سلسلہ وار تقریر مکمّل کروں گا لیکن آج مجھے یہی کہنا ہے کہ کربلا والوں نے دنیا کے سامنے آواز دی کہ جب سوسائٹی بگڑ جاتی ہے تب بھی اس کے بنانے والے اس طرح اٹھتے ہیں کہ وہ کربلا میں شہید ہو جاتے ہیں اور جو بعد میں قیدی بنتے ہیں وہ سوسائٹی بدلنے کے لئے

اونٹ کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کے جلاتی ہوئی دھوپ میں سفر کرتے ہیں۔
اور ایسے سفر کرتے ہیں کہ جب قیدی رہا ہو کے اپنے گھر آتے ہیں تو شوہر بیوی کو نہیں پہچان پاتا ہے۔ عزیز عزیز کو نہیں پہچان پاتے ہیں۔ لیکن ان ساری بے پناہ تکلیفوں کو برداشت کر کے کربلا کے اسیر، کربلا کے قیدی ہمیں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ہم مدینہ سے چلے تھے بے دین سوسائٹی کو پلٹ دینے کے لیے، دین دار بنانے کے لیے ہم کربلا آئے۔ ہم نے شہادت کی تعمیر کی ___ اور اس پوری شہادت کی تفسیر کے لیے، اس شہادت کی تشہیر کے لیے، اس شہادت کی اشاعت کے لیے، اس کے پروپیگنڈے کے لیے، اسے دنیا کو پہچنوانے اور روشناس کرانے کے لیے ہم نے سفر کیا۔

کیسا سفر کیا؟ یقین مانیے اونٹ کی پیٹھ پر ہم نے ابھی تک کہا ہے سفر کرنا لیکن صحیح لفظ یہ ہے کہ ان کربلا کے قیدیوں نے جو کربلا سے دمشق تک کا سفر کیا ہے یہ بالکل ویسا ہی سفر ہے جیسے کوئی تلوار کی تیز دھار پر قدم رکھ کر سفر کرے۔ انھوں نے حق اور باطل کا اتنا سخت امتحان دیا ہے کہ جیسے کوئی بال سے زیادہ باریک راستے پر قدم سنبھال سنبھال کر رکھے۔ انھوں نے وہ سفر طے کیا ہے کہ اگر ہم ہاتھ میں علم لے کر چند قدم آگ پر ماتم کر لیتے ہیں تو بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ مگر یہ کربلا والے ہیں جو مصیبتوں کے انگاروں پر کربلا سے لے کے کوفہ تک اور کوفہ سے لے کے دمشق تک اور دمشق میں قیدخانہ میں بیٹھ کر انھیں زندگی کے انگاروں میں مہینوں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بس میں نے آپ کے سامنے اپنی بات مکمل کی یہ کہتے ہوئے مکمل کی کہ یہ سارا امتحان کربلا والے اس لیے دے رہے تھے کہ سوسائٹی بگڑ جائے تو ہمت نہ ہارنا۔ یہ بدلی جا سکتی ہے اور بدلی ہوئی سوسائٹی اگر نہ بدلی ہوتی تو یزید باقی رہتا، یزیدیت باقی رہتی،

چاہتے ہیں اور آپ بھی سنانا چاہتے ہیں۔ ہم بھی بیان کرنا چاہتے ہیں اور آپ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا: "کیا سنا بھائی؟"

کہا: "وہ فلاں صاحب جو بڑے عقل مند بنتے تھے ان کا دیوالیہ ہو گیا نا؟"

ہم نے کہا: "جی ہاں! بہت بنتے تھے ہو گئے دیوالیہ"۔

آپ مسجد میں چلے آئے، ہم مسجد سے باہر چلے گئے۔ ہم دونوں نے گناہ میں شرکت کر لی۔ میں نے بھی غیبت کی، آپ نے بھی غیبت کی۔ آپ کو بھی غیبت کا شوق تھا، مجھے بھی غیبت کا شوق تھا ـــــ اور ہمیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ یہ وہ سوسائٹی بن گئی جو اللہ نہیں چاہتا۔ کتنے ایسے موقع آ سکتے ہیں کہ جن کو اگر ہم خود حساب لگاتے رہیں، خود سوچتے رہیں تو ہم کو اندازہ ہو گا کہ ہم ایک دوسرے کے گناہ میں شرکت کرتے ہیں اور ہم پہچان بھی نہیں پاتے ہیں کہ یہ گناہ میں شرکت ہے۔

صلوات

تو میں نے آپ کے سامنے دو باتیں کہی ہیں، ان کو ایک مرتبہ پھر سے سن لیجئے کہ اللہ یہ کہتا ہے کہ نیکی میں ساتھ دو۔ پرہیزگاری اور تقوے میں ساتھ دو۔ گناہ میں، نافرمانی میں، سرکشی میں ساتھ نہ دو۔

اب دوسری مثال سنیے۔ دونوں کی الگ الگ لائنیں سمجھ میں آ جائیں گی ـــــ ایک بچہ یہاں سے مجلس کے بعد نکلا، چوراہے پر پہونچا۔ کسی نے پوچھا:

"بھائی کہاں سے آ رہے ہو؟"

کہا: "مسجد سے آ رہے ہیں"۔

کہا: "نماز تو کب کی ختم ہو گئی، اب تک تم وہاں کیا سو رہے تھے؟"

کہا: "بھائی تمھیں پتہ نہیں، وہاں مغرب کے بعد مجلس ہوتی ہے"۔

حسینؑ نہ باقی رہتے اور حسینیت دُنیا میں نہ پھیلتی۔ مگر یہ قیدی جب اپنا سفر کامیابی سے طے کر کے رزلٹ حاصل کر کے پلٹے تو پھر ایسے تھے کہ پہچانے نہیں جاتے تھے۔ آپ نے سیکڑوں مرتبہ سُنا ہے، میں ایک مرتبہ پھر یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ایک دن وہ بھی آیا جب زینبؑ اپنے گھر واپس آئیں ــــــ

وہ زینبؑ جنھوں نے کبھی اپنے شوہر عبداللہ ابن جعفر سے کہا تھا:

"آپ شوہر ہیں میں آپ کی بیوی ہوں۔ میں لاکھ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی سہی لیکن اسلام کے آئین کی رُو سے میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے گھر سے اپنے قدم باہر نہیں نکال سکتی ــــــ تو میرا بھائی جا رہا ہے آپ اگر راضی ہو جائیں تو اجازت دے دیں کہ میں بھائی کے ساتھ چلی جاؤں۔"

عبداللہ ابن جعفر نے کہا: جاؤ، ضرور جاؤ۔ خوشی کے ساتھ جاؤ۔ موقع ہو گا تو میں بھی جاؤں گا اور اگر موقع نہ ملے گا تو میں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو، بچوں کو ساتھ کروں گا تاکہ دُنیا پہچانے کہ عبداللہ ابن جعفر بھی حسینؑ کے مشن میں شریک ہیں۔

مگر یہی زینبؑ جب مدینہ واپس آئیں تو پھر رُک گئیں۔ گھر نہیں جاتی تھیں، اپنے گھر نہیں جاتی تھیں۔ ایک دن عبداللہ ابن جعفر نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ اپنی پھوپھی زینبؑ سے کہنا کہ سب سے ملاقات ہو گئی مگر تم نے اب تک عبداللہ ابنِ جعفر سے ملاقات نہیں کی۔

پس وہ وقت آیا کہ زینبؑ جو کبھی اپنے گھر سے حسینؑ کے گھر آئی تھیں، آج حسینؑ کے گھر سے اپنے گھر جا رہی تھیں ــــــ اتنا زمانہ گزر گیا تھا بیٹے کی لاش دیکھی تھی مگر ماں ہو کے نہیں روئی تھیں مگر آج جب آئیں، گھر خالی دیکھا۔ بیٹا بھی یاد آیا ــــــ عون بھی یاد آیا اس کا بھائی محمد بھی یاد آیا۔ ماں آنگن میں بیٹھ گئی اور بیٹھ کر رونا

شروع کیا____

"میرے بچو! کل یہی گھر تھا، آباد تھا، دل لگتا تھا... آج جو تم نہیں ہو... میرے بیٹو! آج جو تم نہیں ہو.... میرے بیٹو، تو یہ گھر ویران معلوم ہو رہا ہے..."

بس اسی وقت عبداللہ ابن جعفر گھر کے اندر آئے۔ ان کو یہ محسوس ہوا کہ کوئی نامحرم بوڑھی عورت ہے جو گھر کے اندر آگئی ہے۔ منھ پھیر کے کھڑے ہو گئے اور کہا:

"اے ضعیفہ! تم اگر اپنے بچے کو رونا چاہتی ہو تو اپنے گھر جا کے روؤ۔ اس لیے کہ ہم بنی ہاشم کے گھروں میں جب سے حسینؑ کربلا میں بھوکے اور پیاسے مار ڈالے گئے ہیں، شہید کر ڈالے گئے ہیں، بیٹا مر جائے، اولاد مر جائے، باپ مر جائے... ہم اپنے عزیز کو نہیں روتے ہیں___ ہم حسینؑ کو روتے ہیں۔ تو ہم رونے کو منع نہیں کرتے ہیں، مگر جا کے اپنے گھر میں روؤ۔ یا اگر ہمارے گھر میں رونا ہے تو حسینؑ کو روؤ۔

بس ایک مرتبہ بی بی مڑیں، کہا: عبداللہ! منھ پھیرے کیوں کھڑے ہو؟

کہا: میں تمھیں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

کہا: "تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں کس کے گھر جا کے روؤں۔ یہ میرا ہی گھر تو ہے"___

کہا: تم کون ہو؟

کہا: پہچانا نہیں تم نے___ ارے میں عونؑ و محمدؑ کی ماں ہوں، میرا نام زینب ہے... مجھے گود میں لے کے چکی چلا کے فاطمہؑ نے پالا ہے.... مجھے اپنے سینے پر نانا نے سلایا ہے..... مجھے اپنے پہلو پہ بابا نے بٹھایا ہے۔

پلٹ پڑے عبداللہ ابن جعفر____

"ارے بی بی! تم تو پہچانی نہیں جاتیں... ارے تم تو پہچانی نہیں جاتیں۔

زینبؑ نے کہا :۔ عبداللہ ! میں کیسے پہچانی جاؤں ، بس اسے غنیمت سمجھو کہ زینب مر کیوں نہ گئی ـــــ یہ زندہ زینب کیسے آ گئی ۔

سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلس

۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تبارکَ وتعالیٰ:

تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

صلوات

آپ کو یاد ہوگا، کل جو میں نے آپ کے سامنے اللہ کے اس حکم کا تذکرہ کیا تھا کہ وہ ہم سے اور آپ سے یہ کہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ تم ایک دوسرے کا ساتھ دو آپس میں تعاون کرو مگر صرف نیکی میں، تقویٰ اور پرہیز گاری میں اور خوفِ خدا میں، اور اسی کے ساتھ ساتھ فرماتا ہے کہ ہرگز ساتھ مت دو، کسی کے مددگار نہ بنو گناہ میں اور نافرمانی اور سرکشی میں اور بغاوت میں۔

جو حضرات میری کل کی تقریر میں تشریف فرما تھے انھیں یاد ہوگا کہ کل جو کچھ میں نے آپ کے سامنے کہا تھا اس کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ اللہ ایسی سوسائٹی دیکھنا چاہتا ہے، ایسا سماج دیکھنا چاہتا ہے، ایسا معاشرہ دیکھنا چاہتا ہے جو نیکی والی سوسائٹی ہو، تقوے اور پرہیزگاری والی سوسائٹی ہو۔ اللہ اس سوسائٹی کو دیکھنا پسند

نہیں کرنا ہے جس سوسائٹی میں گناہ کیا جاتا ہو، اللہ کے حکم کی نافرمانی کی جاتی ہو۔

میں نے کل آپ کی خدمت میں اپنی اس بات کی وضاحت کے لیے یہ بھی کہا تھا جسے آج بھی کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ واقعۂ کربلا میں ہمارے سامنے ایک ساتھ دونوں سوسائٹیاں موجود تھیں ـــــ ایک طرف امام حسین علیہ السلام کے وہ ساتھی تھے جو اس لیے جمع ہوئے تھے کہ ہمیں نیکی میں ساتھ دینا ہے، ہم خوفِ خدا رکھتے ہیں، تقوے اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

اور دوسری طرف یزیدیوں کی سوسائٹی تھی جو ایک دوسرے کو گناہ کرنے میں مدد دے رہے تھے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خدا کی نافرمانی اور سرکشی کرنے میں حصّہ لے رہے تھے۔

تو کل میں نے آپ کے سامنے تیسری بات بھی کہی تھی کہ ہم اگر اپنے کو حسینی کہتے ہیں اور یقیناً ہم حسینی ہیں اور ہماری دُعا ہے کہ مرتے دم تک اللہ ہم کو حسینی رکھے انشاءاللہ ـــــ تو ہم حسینی ہیں حسینی رہنا چاہتے ہیں، حسینی مرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ ہماری سوسائٹی میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو حسینی سوسائٹی میں تھیں ـــ یا خدانخواستہ وہ باتیں پائی جاتی ہیں جو یزیدی سوسائٹی میں پائی جاتی تھیں۔

آج میں آپ کے سامنے کل کے بیان کے ضروری خلاصے کو سنانے کے بعد یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اتنا یاد رکھیے سوسائٹی ایک بڑی طاقت ور چیز ہے، پاور فل چیز ہے معاشرہ اور سماج ـــــ وہ چیز اور وہ کام جسے سب لوگ مل کر کرتے ہیں اسے آپ اُردو میں سماج کہیں، عربی میں معاشرہ کہیں، انگریزی میں سوسائٹی کہیں، اس میں بڑی طاقت ہے اور آپ یہ جانتے ہیں اور مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ ہر طاقت کا استعمال اچھا بھی ہو سکتا ہے اور ہر طاقت کا استعمال بُرا بھی ہو سکتا ہے۔ طاقت جتنی کم ہو گی اگر اچھے راستے ہی میں

استعمال ہوگی تو فائدہ بھی کم ہوگا۔ طاقت جتنی زیادہ ہوگی اور اچھے راستے میں استعمال ہوگی تو فائدہ زیادہ ہوگا۔ ویسے ہی اگر طاقت کم ہے اور غلط اور بُرے، گمراہی اور گناہ کے راستے میں وہ طاقت خرچ کی جائے گی تو نقصان کم ہوگا اور جتنی زیادہ طاقت اور پاور ہوگا اور وہ سارا زیادہ پاور گناہ میں، برائی میں صرف ہو جائے گا تو اتنی ہی تباہی، بے دینی گمراہی زیادہ ہوگی۔

میں آپ کو آج کی تقریر میں چند مثالوں کے ذریعہ چند چھوٹے چھوٹے زندگی کے واقعات کے ذریعہ پہلے یہ محسوس کرانا چاہتا ہوں کہ سماج میں، معاشرہ میں اور سوسائٹی میں طاقت کتنی ہے یہ بُرے راستے پر لگ جائے تو آدمی کو کہاں تک پہونچا دیتی ہے اور یہ اچھے راستے پر لگ جائے تو آدمی کو کہاں تک پہونچا دیتی ہے۔ پہلے گزری ہوئی تاریخ میں دونوں کا ایک ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ سوسائٹی جب بگڑ گئی تو کہاں تک پہونچ گئی اور سوسائٹی جب سنبھل گئی تو کہاں تک پہونچ گئی۔

یہاں جتنے حضرات بیٹھے ہیں ان میں سے مجلسیں سننے والے سمجھ دار بچے بھی یہ جانتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبلیغ کرنے کے لیے عربوں کے درمیان کھڑے ہوتے تھے، تو عربوں کی جو حالتیں، عادتیں تھیں اُن میں سے ایک عادت یہ تھی کہ اگر عرب کے گھر بیٹی پیدا ہوتی تھی تو عرب اپنی بے عزتی سمجھتا تھا، انسلٹ سمجھتا تھا توہین سمجھتا تھا اور جیسے کسی کی بے عزتی ہو جائے تو وہ بے عزتی کے نشان کو مٹانا چاہتا ہے ویسے عرب بیٹی کو قتل کر کے اس کو زندہ زمین میں دفن کر کے اس بدنامی اور کلنک کے ٹیکے کو مٹا دینا چاہتا تھا۔

میں آپ کی خدمت میں قبل اس کے کہ عرب کی اس بات کا تذکرہ کروں اور آگے بڑھوں، ایک بات یہیں پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جب کسی آدمی کے سامنے

تذکرہ ہوگا کہ عرب کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اس کو بُرا لگتا تھا وہ اس کو قتل کر دیتا تھا وہ اس کو زندہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ تو ٹھیک ہے ہم آج ویسے عرب کی سوسائٹی والے تو نہیں ہیں لیکن اتنا اثر ضرور ہوا ہے ہماری سوسائٹی میں بھی کہ لڑکا جب پیدا ہوتا ہے ہم جتنے خوش ہوتے ہیں، لڑکی پیدا ہوتی ہے تو ہم خوش نہیں ہوتے۔

بچّہ پیدا ہوا تو قبل اس کے میں پوچھوں کہ کیا پیدا ہوا۔ تو پہلے ہی آواز آتی ہے کہ مُبارک ہو لڑکا پیدا ہوا —— بچّہ پیدا بھی ہوگیا، اس کے رونے کی آواز بھی آرہی ہے یعنی اس نے پیدا ہو کے خود اعلان کر دیا کہ ہم پیدا ہو گئے۔ تو ہم نے پوچھا: بھائی کیا بات ہے، بچّہ پیدا ہو گیا ہے یا نہیں پیدا ہوا ہے کیا خبر ہے؟

کہا: کیا بتائیں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔

میں ایک خراب مثال دینا چاہتا ہوں لیکن آپ چوں کہ مجھ سے سن کے برداشت کر لیتے ہیں تو برا نہ مانیے گا۔ بہت سے آدمی ہیں جو گائے پالتے ہیں۔ گائے کے یہاں دو ہی بچے پیدا ہوں گے۔ یا گائے کے یہاں گائے پیدا ہو گی یا گائے کے یہاں بیل پیدا ہو گا —— تو گائے بکتی ہے کم قیمت پر اور بیل بکتا ہے زیادہ قیمت پر —— تو گائے پالنے والے کے یہاں جب گائے پیدا ہوتی ہے، بچھیا پیدا ہوتی ہے تو اسے افسوس ہوتا ہے اور جب بیل پیدا ہوتا ہے یعنی بچھڑا پیدا ہوتا ہے تو گائے پالنے والا بہت خوش ہوتا ہے۔

تو ٹھیک ہے ایک گائے کا بیوپاری اگر گائے کے پیدا ہونے پر رنجیدہ ہوتا ہے کہ پیسے کم ملیں گے اور بیل کے پیدا ہونے پر خوش ہوتا ہے کہ پیسے زیادہ ملیں گے تو مجھے اپنی سوسائٹی سے یہ پوچھنا ہے کہ ہم ماں باپ ہیں یا ہم بھی گائے پالنے والے ہیں کہ بچھیا پیدا ہو جاتی ہے، بیٹی پیدا ہو جاتی ہے تو ہم رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور لڑکا

پیدا ہو جاتا ہے، بیل پیدا ہو جاتا ہے تو ہم خوش ہو جاتے ہیں۔

بھئی کیوں۔؟

کہا: لڑکا پیدا ہوا ہے، یہ کل کما کے لائے گا۔ لڑکی پیدا ہوئی ہے یہ بیاہی جائے گی تو کچھ ہم سے لے کے جائے گی ___ تو ذرا پہچانیے ہم اپنی سوسائٹی کو بڑی اونچی سوسائٹی سمجھتے ہیں، بڑی اسلامی سوسائٹی سمجھتے ہیں۔ لیکن راستے کے درمیان کے پردے ہٹا دیجیے تو ہم کو بھی نظر آئے گا کہ عرب کی سوسائٹی کے آئینے میں ہمارا چہرہ بھی ویسا ہی دکھائی دے رہا ہے جیسا عرب کا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ اور ہم ماں باپ ہو کے بھی اپنی اولاد کو اسی احساس و جذبات کے ساتھ پال رہے ہیں جن احساسات و جذبات کے ساتھ جانور پالنے والے اپنے جانوروں کو پالتے ہیں۔

تو جانور جانور ہے، بیوپاری بیوپاری ہے، انسان انسان ہے، ماں باپ ماں باپ ہیں۔ یہ فرق تو باقی رہنا چاہیے ___ تو بات میں نے اس لیے کہی کہ جب تک ہماری سوسائٹی میں لڑکی کی پیدائش کو ایک ہلکا اور کم درجہ دیا جائے گا تب تک ہم کبھی نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلامی سوسائٹی کے ماننے والے ہیں اس لیے کہ ہمارا اسلام جس ذات گرامی سے پیدا ہوتا ہے جس کا نام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس کو اللہ نے بیٹے دے کے واپس لے لیے۔ اور جب بیٹے دے کے واپس لے لیے تو ایک بیٹی دی جن کا نام ہے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ تو ہماری اسلامی سوسائٹی تبھی بنے گی جب ہم بیٹی کے پیدا ہونے پر ویسے ہی خوش ہوں گے جیسے ہمارے حضورؐ خوش ہوئے تھے اور ہماری سوسائٹی تبھی اسلامی سوسائٹی بنے گی جب ہم اپنے گھر میں پیدا ہونے والی ہر بیٹی کو فاطمہ زہراؑ کے راستے پر چلا کے ان کی کنیز بنائیں۔

صلوات

اگر ہم اپنی بیٹی کو، اگر ہم اپنی بہن کو، اگر ہم اپنی بیوی کو، اگر ہم اپنے گھر کی عورتوں کو فیشن کے مطابق پالنا چاہتے ہیں، فیشن کے مطابق آئیڈیل لیڈی بنانا چاہتے ہیں تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ہمارے سامنے کوئی کافر سوسائٹی ہے جس کے پیچھے ہم جا رہے ہیں ہمارے سامنے نبیؐ کی سوسائٹی نہیں ہے، علیؑ کی سوسائٹی نہیں ہے، فاطمہ زہراؑ کی سوسائٹی نہیں ہے ــــــ تو یہ کون سا اسلام ہے کہ مانتے نبیؐ کو ہیں، مانتے علیؑ کو ہیں، مانتے فاطمہؑ کو ہیں اور کام وہ کرتے ہیں جن سے نبیؐ کو بھی نفرت ہے، جن سے علیؑ کو بھی نفرت ہے جن سے فاطمہؑ کو بھی نفرت ہے ــــــ تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمارا کردار، ہمارا کیریکٹر اس منزل پر پہنچ گیا ہو کہ ہم نام نبیؐ کا لیتے ہوں تو انھیں ہم سے خدانخواستہ نفرت ہوتی ہو کہ تم جب ہمارے کیریکٹر سے الگ کیریکٹر رکھتے ہو تو ہمارا نام کیوں لیتے ہو؟

کہیں ایسا نہ ہو خدانخواستہ کہ آلِ محمدؐ ہم سے ناراض ہو جائیں کہ ہمارا دشمن وہ کیریکٹر رکھتا تھا جو تم رکھتے ہو۔ تو تم یا تو دوستی کا نام نہ لو یا دشمن کا کیرکٹر نہ رکھو۔

میں ان تفصیلوں میں چلا گیا لیکن جہاں سے بنیادی بات میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ سوسائٹی میں طاقت کتنی ہے پاور کتنا ہے، اس میں بگاڑنے اور بنانے کی، اچھے اور بُرے انقلاب لانے کی کتنی طاقت ہے ــــــ تو اس سلسلے میں نمونہ عرض کر رہا تھا کہ عرب میں جب نبیؐ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی ہے تو عرب کا باپ اپنی بیٹی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا۔ اور ایسے بھی واقعات ہوئے ہیں کہ اگر اولاد نہیں تھی، باپ سفر میں گیا تھا، لڑکی پیدا ہو گئی تو ماں نے لڑکی چھپا دی اور باپ سے جب وہ آیا تو بتا دیا کہ تمھاری لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ قتل کر دی گئی مار ڈالی گئی اور جب آگے بھی آئندہ اولاد نہیں ہوئی تو سات سال کی ہو جانے کے بعد اس بیٹی کی ماں نے اس امید پر لڑکی کو باپ کے سامنے پیش کیا کہ گھر میں اولاد کا چراغ نہیں ہے

لہٰذا شاید یہ عرب کا باپ تیار ہو جائے اس بیٹی کو پالنے پر ___ مگر اس عرب نے کہا کہ میں باپ نہیں بنوں گا بیٹی کا۔ میں تو اصلی عرب ہوں ۔ لہٰذا وہ سات سال کی بچّی کو ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا لے گیا۔

ذرا آپ جذبات و احساسات میں ڈوب کر سوچیئے کہ جس نے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ سنا تھا کہ یہ تمہارا باپ ہے وہ بچّی سات سال کی یہ دیکھ رہی ہے کہ جس کو ہم نے باپ سنا ہے وہ ہمیں مار ڈالنے کے لیئے، ہم کو قتل کرنے کے لیئے لے جا رہا ہے۔ ذرا سات سال تک ارمانوں سے پالنے والی ماں سے پوچھیئے کہ جب بیٹی کھینچ کر لے جائی جا رہی ہوگی کہ یہ بچّی ماری جائے گی، قتل کی جائے گی تو اس ماں کے دل پر کیا گزرے گی۔

ہمارے آپ کے سامنے ایک ذبح کرنے والا قصاب جب کسی جانور کو پکڑ کر ذبح کرنے لے جاتا ہے تو اگر اس کا پالنے والا موجود ہوتا ہے جس کے گھر میں وہ جانور پلا ہے، بیچ ڈالا ہے اس نے، اس نے بیچا ہے، ذبح ہونے کے لیئے بیچا ہے مگر وہ منہ پھیر کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ جسے ہم نے کھلایا پلایا ہے اس کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے ہم نہیں دیکھ سکیں گے ___ تو اب اس تصوّر کے ساتھ سوچیئے کہ اس ماں کے کلیجے پر کیسی چھریاں چل رہی ہوں گی اور کیسا قصائی تھا وہ باپ جو اس بچی کو لے گیا اور زندہ بچی کو گڑھے میں ڈال کے مٹی ڈالتا رہا، دفن کرتا رہا اور وہ بچی کہتی رہی مجھے نہ مارو مجھے نہ مارو... مجھے نہ مارو۔ مگر اس کا دل نہیں پسیجا، اور اس کے بعد اس نے بڑے فخر کے ساتھ، بڑے غرور کے ساتھ اپنی سوسائٹی میں تذکرہ کیا کہ میں وہ عرب ہوں جس نے سات سال کی بچّی کی آواز پر اثر نہیں لیا اور اس کو میں زندہ دفن کر کے آرہا ہوں ۔!!

تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں ___ قتل قتل ہے دُنیا کہتی ہے

——— "بھائی تم نے آج تک بتایا نہیں۔ کتنے دنوں سے ہو رہی ہے؟"

——— "کئی دنوں سے ہو رہی ہے۔"

——— "جب کہیں مجلس کا کوئی پروگرام ہوا کرے تو ذرا ہمیں بھی بتا دیا کرو"———

تو یہ کہنا کہ مجلس کا پروگرام ہوا کرے تو ہمیں بھی بتا دیا کرو ——— یہ نیکی میں شرکت ہے یہ تقوے میں شرکت ہے۔

بارہ بجے رات میں، سنّاٹے میں ایک صاحب کچھ گنگناتے ہوئے، لہراتے ہوئے جا رہے تھے۔ کسی نے پوچھا: "کہاں سے آ رہے ہو؟"

کہا: "جانتے نہیں ہو! بڑے نیک بن گئے ہو، بھولے بن گئے ہو۔ متقی بن گئے ہو اس وقت آدمی کہاں سے آتا ہے؟ ٹائم دیکھو! کون سا وقت ہے۔"

انھوں نے ٹائم دیکھا۔ کہا: "اچھا پکچر چھوٹی ہے۔ کون سی دیکھنے گئے تھے؟"

کہا: "بھائی وہ نئی فلاں پکچر آئی ہے۔"

پوچھا: بھائی کب لگی! ——— کب لگی!؟" ——— اب یہ "کب لگی" کا شوق بتاتا ہے ہے کہ گناہ میں شرکت کرنا چاہتے ہیں ———

کہا: "بھائی تم بھی عجب دوست ہو، ایسے موقع پر اکیلے مت جایا کرو۔ ہمیں بھی ساتھ لے جایا کرو، ہمیں بھی ساتھ لے جایا کرو" ——— تو سینما کا پروگرام پوچھنا، سینما میں جانے کا شوق ظاہر کرنا اور کہنا کہ بتا دینا اور جب جانا تو ہمیں لے چلنا۔ اور دوسرے دن جب کہا: "ارے بھائی آج ہم جا رہے ہیں، چل رہے ہو؟" یہ سب ہے گناہ میں شرکت۔

میں آپ کے سامنے مزید مثالیں دے کے بات کو بڑھانا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو باتیں میں کہوں انھیں بار بار کہوں تاکہ بچّے بچّے کے دماغ

آج تو دنیا میں ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو حد سے گزر جاتے ہیں اور جب کوئی چیز حد سے زیادہ گزر جائے تو وہ غلط ہو جایا کرتی ہے ــــ رحم دلی بڑی اچھی چیز ہے لیکن جب یہ رحم دلی اس منزل پر پہونچ جائے کہ جو سانپ ڈس کے اپنے زہر سے انسان کو مار ڈالتا ہے اس کو ہم پال کے دُودھ پلانے لگیں. تو یہ رحم دلی نہیں ہے، یہ سانپ کو دُودھ نہیں پلایا جا رہا ہے، یہ انسان کو زہر پلایا جا رہا ہے ۔ تو یہاں پر کوئی ہمدردی اور رحم دلی قابلِ تعریف نہیں ہے ۔

تو میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ قتل قتل ہے، انسان کا قتل، اور وہ بھی اس بچے کا قتل جو ابھی پیدا ہوا ہے جس نے زندگی کی بہاریں بھی نہیں دیکھی ہیں، لیکن سوسائٹی جب بگڑ گئی، تو اس بگڑی سوسائٹی نے ایسے دماغ پیدا کر دیئے، ایسے دل پیدا کر دیئے، ایسا سوچنے کا انداز پیدا کر دیا کہ باپ باپ ہو کر اپنی بیٹی کا قتل کرتا ہے اور اسے عیب سمجھنے کے بجائے ہنر سمجھتا ہے ۔

یہ کیا چیز تھی ؟ یہ کیا چیز تھی کہ قاتل اپنے کو فخر کے ساتھ پیش کر رہا ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا گلا اپنے ہاتھ سے دبایا ہے ! ــــ یہ سوسائٹی کی وہ طاقت ہے، یہ سوسائٹی کا وہ پاور ہے جب بُرے راستے پر چلی جاتی ہے تو آدمی کو اتنا بدل دیتی ہے، مست کر دیتی ہے کہ وہ بدترین عیب کو گناہ کو اور جرم کو بہترین کام سمجھتا ہے ۔

میں آپ کی خدمت میں اگلی تقریروں میں رفتہ رفتہ ان مقامات کو پہچنواؤں گا جہاں ہماری سوسائٹی میں بھی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں کہ ہم ان بُرائیوں کو، ان عیبوں کو اچھا سمجھنے ہیں ۔ مثال کے طور پر ایک بات آج ہی سُن لیجئے ۔ چوں کہ لڑکی کے پیدا ہونے پر لڑکی کے ماں باپ کو سب سے بڑی فکر ہو جاتی ہے کہ ہم اس کی شادی کیسے کریں گے ۔ اور جن گھروں میں دین نہیں ہے، جو ایڈوانس فیملیاں کہلاتی ہیں ان میں

تو یہ مسئلہ ذرا کم مشکل ہوتا ہے اس لیئے کہ اکثر ماں باپ کو زحمت کرنا ہی نہیں پڑتی ہے لڑکی خود ہی شادی کرلیتی ہے۔ کیا فائدہ ماں باپ پر بوجھ ڈالنے سے، جب کام ہم خود ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن جو گھر شریف ہوتے ہیں، جو گھر انسانوں کے ہوتے ہیں، جو گھر دین داروں کے ہوتے ہیں ان دین دار گھروں کو اس زمانے میں زیادہ مشکل محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو کہاں بیاہیں۔ اور ان کے گھروں کو دیکھ کر لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس فیملی سے ہماری فیملی جوائنٹ نہیں ہوسکتی ہے۔ اس لیئے کہ ان کے یہاں تو دین کی باتیں ہوتی ہیں اور ہم تو ایڈوانس فیملی ہیں۔ اب اگر ڈھونڈ ڈھانڈھ کے، کوئی اثر ڈال کے، کوئی دباؤ ڈال کے رشتہ ہو بھی گیا تو ہم نے کہا:

بھائی! ایک تو ہم آپ کو مبارک باد دینے آئے ہیں کہ آپ کی بیٹی کا رشتہ ہو گیا اور دوسرے آپ کو تعزیت بھی دینے آئے ہیں کہ ہم نے یہ سنا کہ آپ کی بیٹی شادی کے بعد بے پردہ ہو گئی۔

تو باپ نے کہا: کیا بتائیں، کیا بتائیں جب تک ہمارا بس چلا ہم نے اس کو پردے میں رکھا اور جب وہ شوہر کے گھر چلی گئی تو ہمارا اختیار نہیں تھا، اس کے شوہر نے اسے بے پردہ کر دیا ہے۔ اور اس نے کہا بھی کہ مجھے بے پردہ نہ کرو، میں ایسے گھر کی پلی ہوں جہاں پردہ تھا تو شوہر نے کہا کہ اگر ہمارے ساتھ رہنا ہے تو برقعہ اُتار دو۔ چادر اُتار دو بال کٹوا دو اور ایسا لباس پہنو کہ گلا کھلا رہے، سینہ کھُلا رہے، ہاتھ کھلے رہیں، ٹانگیں کھُلی رہیں۔ ہمارے ساتھ بازاروں میں چلو، ہمارے دوستوں کے ساتھ تصویریں کھنچواؤ، ہمارے ساتھ ایسے کلبوں میں چلو جہاں عورت اور مرد ایک ساتھ جمع ہوتے ہوں —— اور اگر تم ہماری زندگی میں ساتھ نہیں چل سکتی ہو تو پھر تم اپنے گھر جاؤ ہم اپنے گھر جاتے ہیں۔

تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کتنی بے حیائی کا وقت وہ ہوتا ہے جب کسی گروپ میں فوٹو لیا جاتا ہے اور اس فوٹو میں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ میں بھی کھڑا ہوتا ہوں، میرا ایک دوست بھی کھڑا ہوتا ہے، اس کی بیوی میرے برابر کھڑی ہوتی ہے اور میری بیوی اس کے برابر کھڑی ہوتی ہے۔ ہم پہچنواتے ہیں یہ ہماری بیوی، وہ پہچنواتے ہیں یہ ہماری بیوی ہیں۔ دونوں اجنبی مرد اور عورت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں، شیک ہینڈ کرتے ہیں۔ جب یہ تذکرہ ہوتا ہے انھوں نے کہا ہم لوگ ایڈوانس فیملی ہیں، ہمارے یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ کون پردہ دار ہے —— اور کون بے پردہ ہے۔

تو آپ اب یہ پہچانیے، یہ غیرتی پیدا ہونا، یہ بے شرافتی پیدا ہونا، یہ بے دینی پیدا ہونا اور ان فیملیوں میں پیدا ہونا، ان گھروں میں پیدا ہونا جو کلمہ پڑھتے ہیں، جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، جو اپنے کو آلِ محمدؐ کا ماننے والا کہتے ہیں، تو آپ خود پہچانیے کہ بگڑی ہوئی سوسائٹی کا نقشہ ہے یا نہیں ہے۔ یعنی جو گناہ ہے، جو بُرا ہے، جو عیب ہے جب وہ ایڈوانس فیملیوں میں رائج ہو جاتا ہے تو پھر وہ گناہ نہیں رہ جاتا ہے، وہ عیب نہیں رہ جاتا ہے۔

وہی بات جو کل میں نے کہی تھی کہ کل عرب کی سوسائٹی بگڑ گئی تھی تو باپ بیٹی کو قتل کر دیتا تھا اور اس عیب کو ہنر سمجھتا تھا ویسے ہی آج ہماری سوسائٹی میں جب بے شرمی، بے حیائی، عورتوں کا ملنا جلنا، مردوں کے ساتھ میل ملاپ وغیرہ کو فیشن قرار دیا جاتا ہے تو پھر نہ غیرت باقی رہ جاتی ہے، نہ شرم و حیا باقی رہ جاتی ہے۔

میں ضمناً ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ شریعت نے جو احکام دیے ہیں، ہم کو پہلے یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ حکم دینے والا وہ خدا ہے جو عادل بھی ہے، عالم بھی

ہے، جو ہر چیز کا جاننے والا بھی ہے، جو کریم بھی ہے، جو رحیم بھی ہے، جو مہربان بھی ہے جیسے ماں باپ کو اپنے فرزند کے مستقبل کی، فیوچر کی فکر ہوتی ہے اس سے کروڑوں گنا زیادہ خالق کو، رازق کو، مالک کو اپنے مخلوق کی، پیدا کیئے ہوئے بندے کی فکر ہے۔

میں فیوچر کا لفظ جب بولتا ہوں، مستقبل کی بات جب کرتا ہوں تو ایک بات کی طرف توجہ دلایا کرتا ہوں جو کافر ہوتا ہے اس کا مستقبل اور فیوچر موت پر ختم ہوجاتا ہے اور جو مومن ہوتا ہے اس کا مستقبل اور فیوچر جنّت کے دروازے پر جاکر ختم ہوتا ہے تو جو زندگی کی فکر کرتا ہے وہ کافرانہ انداز فکر رکھتا ہے اور جو زندگی کی فکریں اس طرح کرتا ہے کہ یہ زندگی ہم کو جنّت کے دروازے تک پہونچادے۔ اس کے سوچنے کا انداز ایمانی اور مومنانہ اندازِ فکر ہے۔

صلوات

عزیزانِ گرامی!

تو میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش پیش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ محسوس کریں کہ سوسائٹی میں کتنا پاور ہے کتنی طاقت ہے۔ اور یہ طاقت جب بُرے راستے پر جاتی ہے تو کہاں کہاں پہونچادیتی ہے ـــ اور جب یہ اچھے راستے پر آتی ہے تو کہاں کہاں تک پہونچادیتی ہے۔ میں اگلی پچھلی باتیں ملاملا کے آپ کے سامنے اس لیئے تذکرہ کررہا ہوں کہ آج کی میری تقریر کا کل خلاصہ اور ماحصل یہ نکلا ہے کہ میری سننے والی ہر بیٹی کے دل میں، ہر بہن کے دل میں، ہر بچے کے دل میں، ہر نوجوان کے دل میں، ہر بھائی کے دل میں یہ احساس پیدا ہوجائے کہ سوسائٹی میں کتنی طاقت ہے۔ میں نے ایک طرف آپ کو یہ سنایا کہ عرب کا باپ اپنے ہاتھ سے اپنی بیٹی کا گلا دبادیتا تھا۔ اب دوسری بات سنیئے:

عرب کپڑے بہن کر آتے تھے اور آنے کے بعد جن بُتوں کو وہ خدا سمجھتے تھے وہ بُت، بُت تھے خدا نہیں تھے مگر ان کے تصوّر میں تو خدا تھے۔ تو اپنے خدا کے سامنے مُحترم طریقے سے حاضر ہونے کے لیئے کپڑے اُتار کے بالکل ننگے ہو جاتے تھے۔ ذرا سوچیئے! یہ بھی تعظیم کرنے کا، ادب کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ آدمی کے سامنے کپڑے پہنیں گے اور اپنے خدا کے سامنے ننگے ہو جائیں گے۔

میں ایک بات کہنے جا رہا تھا اسے میں نے روک کے یہ بات سُنائی اور جو کہہ رہا تھا اسے کہنا چاہتا ہوں کہ جب ہمیں یقین ہے کہ پیدا کرنے والا وہ ہے جو ہر چیز کا جاننے والا ہے اس نے جو بھی حکم دیا ہے وہ ہمارے لیئے بالکل صحیح ہے۔ ہماری بھلائی کے لیئے دیا ہے۔ ماں باپ کو جتنی فکر ہے اس سے کہیں زیادہ خدا کو ہماری فکر ہے۔ تو دو چیزیں جو عام طور سے ہمارا ہر بچّہ جانتا ہے کہ شریعت نے شدّت کے ساتھ حرام کی ہیں ایک سوّر کا گوشت اور دوسرے شراب۔ یہ دونوں چیزیں اسلام میں اتنی بُری سمجھی جاتی ہیں اور اتنا ان کو عیب اور گناہ سمجھا جاتا ہے کہ پچھلے زمانے میں ــــ آج کی بات نہیں کرتے ــــ پچھلے زمانے میں لوگ جب وعدہ کرتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ اگر ہم کیا ہوا وعدہ تم سے پورا نہ کریں تو سمجھو کہ ہم نے سوّر کا گوشت کھایا۔ یعنی پچھلی سوسائٹی میں سُوّر کا گوشت کھانا اتنی بڑی گندی عادت تھی اور اتنی بُرائی تھی کہ آدمی اس سے زیادہ ذلّت کی کوئی بات نہیں سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر ہم نے تم سے کیئے ہوئے وعدے کو پُورا نہیں کیا تو اس کے معنی ہم نے سور کا گوشت کھایا۔ تو کل ایسی بات تھی۔

مذہب نے کیوں روکا ہے؟ مذہب نے اس لیئے روکا ہے کہ حدیث میں اسکی وجہ بھی معصومین ؑ نے بتائی ہے کہ چونکہ سور خود بھی بے غیرت ہوتا ہے، بے حیا ہوتا ہے

بے شرم ہوتا ہے، اتنا بے غیرت اور بے شرم ہوتا ہے کہ جو اس کی بیوی ہوتی ہے اگر اس کے سامنے اس سے کوئی دوسرا جانور تعلق پیدا کر لیتا ہے تو اس کو کسی قسم کی ناگواری محسوس نہیں ہوتی ہے۔ تو جو لوگ یہ گوشت کھاتے رہتے ہیں ان میں بھی ایسی ہی بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے۔

شراب کے لیے معصومؑ نے کہا کہ شراب کیوں حرام کی گئی ہے۔ میں قبل اس کے کہ معصومؑ کے فقرے کو آپ کے سامنے پیش کروں اپنے سننے والوں کے ذہنوں کو تیار کرنے کے لیئے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ یہاں جتنے بیٹھے ہیں کوئی آدمی زندگی میں کبھی اس بات پر تیار ہو سکتا ہے کہ ہم خدانخواستہ پاگل ہو جائیں۔ کسی کا موڈ ہے ایک شارٹ پیریڈ کے لیے؟

کہا: نہیں مولوی صاحب! نہ ہم تیار ہیں نہ آپ کو رائے دیں گے اور اللہ اس دن سے بچائے جب ہم پاگل ہو جائیں۔ اور پاگل بھی ایک گالی ہے۔ جب ہم کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہو گیا ہے تو جب ہم میں سے کوئی آدمی پاگل نہیں ہونا چاہتا ہے ایک سکنڈ کے لیئے پاگل نہیں ہونا چاہتا ہے تو میں پاگل کے معنی پوچھنا چاہتا ہوں۔ پاگل کے معنی یہی ہیں کہ دماغ اپنا کام کرنا چھوڑ دے دماغ یہ سمجھنا چھوڑ دے کہ اچھا کیا ہے بُرا کیا ہے۔ دماغ اپنا کام کرنا جب چھوڑ دیتا ہے تو زبان سے کیا بات کہی جا رہی ہے وہ اچھی بات ہے یا بُری بات ہے پاگل کو اس کا پتہ نہیں چلتا ہے تو معلوم ہوا کہ پاگل ہونے کے لیئے سوسائٹی کا ایک آدمی ایک سکنڈ کے لیے تیار نہیں ہے تو جب اس بات کے لیئے تیار نہیں ہے تو اب میں معصومؑ کی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ پروردگارِ عالم کے حکم کی تشریح فرمائی۔

کہا: شراب اس لیئے حرام کی گئی ہے کہ شراب پینے کے بعد دماغ کام کرنا بند

کر دیتا ہے۔ اور دماغ کو کام کرنے سے بند کرنے کے لیئے ہی تو شراب پی جاتی ہے جس کا نام رکھا جاتا ہے سکون حاصل کیا جا رہا ہے یعنی دماغ کی مشنری کو آف کرنے کے لیئے، دماغ کے بلب کو خاموش کرنے کے لیئے جب ہم سوئچ دباتے ہیں شراب کے ذریعہ اور جب دماغ کام کرنا بند کر دیتا ہے تو شرابی بھی کیا کہتا ہے نہیں سوچتا ہے۔ اس کی زبان سے خدا کے بارے میں بھی ایسی لفظیں نکل جاتی ہیں جو اگر وہ ہوش میں ہوتا تو کبھی نہ کہتا — وہ بات جو بیوی سے کہنا چاہیئے وہ ماں سے کہنے لگتا ہے۔ وہ بات جو بیوی سے کہنا چاہیئے وہ بیٹی سے کہنے لگتا ہے۔ یعنی وہ یہ نہیں پہچانتا ہے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کس سے کہہ رہے ہیں۔ تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے شراب کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آدمی پاگل ہو جاتا ہے اس کا دماغ کام کرنا بند کر دیتا ہے۔

تو معصومؑ نے کہا: جب دنیا میں شراب کا اثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھے اور برے کی پہچان ختم ہو جائے۔ کیا کہہ رہے ہیں کس سے کہہ رہے ہیں یہ تمیز ختم ہو جائے تو اللہ نے کہا ہم شراب کو اس لیئے حرام کرتے ہیں کہ تم میں کوئی پاگل ہونا نہیں چاہتا ہے۔ تو ہم کسی شارٹ پیریڈ کے لیے بھی پاگل پن ماننے کے لیئے تیار نہیں۔

تو میں آپ کی خدمت میں بات کی تفصیل میں چلا گیا، ورنہ مجھے آپ کی خدمت میں سنانے والی بات جو تھی وہ یہ تھی کہ سوسائٹی میں طاقت کتنی ہے، یاد رکھنا ہے کہ جب یہ بگڑتی ہے تو اس منزل پہ پہونچا دیتی ہے کہ کپڑے پہن کر آنے والا آدمی جسے خدا سمجھتا ہے اس کے سامنے ننگا ہو جاتا ہے اور سوچ رہا ہے کہ عبادت ہو رہی ہے۔ اپنے ہاتھ سے زندہ بیٹی کو مار ڈالتا ہے اور سوچتا ہے ہم بڑی اونچی سوسائٹی کے ممبر ہیں اور ہم نے بڑا اونچا کیریکٹر پیش کیا۔

لٹریچر، ادب، زبان کا ذخیرہ، ہر قوم کے اندر سوسائٹی میں جو خیالات پائے جاتے ہیں اور جن خیالات کو اچھا سمجھا جاتا ہے لٹریچر میں، ادب میں انھیں چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور آج کل تو لٹریچر کی بڑی اہمیت ہو گئی ہے۔ ہندوستان جب سے آزاد ہو گیا تب سے کلچر لٹریچر اتنا بڑھا کہ جس کی حد نہیں۔ پہلے معلوم یہ ہوا کہ نارتھ انڈیا کا کلچر یہ ہے اور ساؤتھ انڈیا کا کلچر یہ ہے۔ اب پتہ چلا کہ نارتھ انڈیا میں بہار کا کلچر یہ ہے اور یو،پی کا کلچر —— آگے بات بڑھی، کہا: یو،پی کا ویسٹ حصّہ کا کلچر اور ہے، اور جو ایسٹ حصّہ ہے اس کا کلچر اور —— اس کے بعد پتہ چلا ایک ہی شہر ہے ایک ضلع ہے لیکن سٹی کا کلچر اور ہے اور ڈسٹرکٹ کا کلچر اور۔ چوں کہ ہم اِنڈی پنڈنٹ ہو گئے ہیں، آزاد ہو گئے ہیں، چھوٹ دے دی گئی ہے لہٰذا ہر آدمی اپنا اپنا کلچر الگ الگ پیش کر رہا ہے۔

نتیجہ یہ ہو گیا ہے کہ کتنے کلچر ہیں، پتہ ہی نہیں چلتا ہے اور ہر کلچر والے کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہماری انٹرنیشنل کانفرنس ہونا چاہیے۔ آج معلوم ہوا کہ تامل بولنے والوں کی انٹرنیشنل کانفرنس ہو رہی ہے، کل معلوم ہوا اُردو بولنے والوں کی انٹرنیشنل کانفرنس ہو رہی ہے۔ تو یہ کلچر جو ہوتا ہے بڑا اس پر زور دیا جاتا ہے، اس کلچر کا بہت بڑا حصّہ لٹریچر ہوتا ہے اور لٹریچر میں، سماج اور سوسائٹی میں جن خیالات کو اچھا سمجھا جاتا ہے، قابلِ تعریف سمجھا جاتا ہے جو کیریکٹر اور رول ایسے ہوتے ہیں جن کو فخر کے ساتھ پیش کیا جائے، ادب اور لٹریچر میں وہی چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

خاص طور سے نظم و شاعری میں جن خیالات کو پیش کیا جاتا ہے وہ وہی خیالات ہوتے ہیں جن پر قوم ناز کرنا چاہتی ہے۔ ہندوستان کے جو بڑے بڑے شاعر ہیں جب ان کا کلام آپ پڑھیں گے تو ان کے ذریعہ فیصلہ کر سکیں گے کہ کس زمانے میں

کون سی بات اتنی اچھی سمجھی جاتی تھی اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر اس بات کو پیش کر کے فخر کر رہا ہے۔ تو میں آپ کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ عرب کو اپنی جاہلیت کے زمانے میں بھی اپنے جہالت کے زمانے میں بھی اپنے لٹریچر پر بڑا ناز تھا اور اتنا ناز تھا کہ انھوں نے اپنے علاوہ ساری دنیا کا نام ہی عجم رکھا تھا۔

یہ ایران کا نام جو عجم ہے یہ تو ذرا سا چھوٹا سا نام ہے، ورنہ عرب اپنے علاوہ ساری دنیا کو عجم کہتے تھے اور وہ جب عجم کہتے تھے تو عجم کا مطلب گونگا کہتے تھے یعنی زبان ان کے پاس تھی بقیہ دنیا یعنی ساری دُنیا کے کلچر کو، لٹریچر کو عرب اپنی نگاہ سے حقارت سے دیکھتا تھا اور اپنے لٹریچر کو اتنا اونچا سمجھتا تھا کہ سب گونگے بہرے ہیں، ہم زبان والے ہیں۔ تو ان کے یہاں سال کے سال مقابلے ہوتے تھے، آج بھی ہوتے ہیں لیکن جو مقابلے ہوتے ہیں ان میں سوائے پیسے کے اور وقت کے ضائع ہونے کے کچھ نہیں ہوتا ہے۔

میں آپ کے سامنے ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ جب انڈیا میں میچ شروع ہوتے ہیں تو اگر ایک میچ بیس گھنٹے چلتا ہے اور اسے اگر کم سے کم دو کروڑ آدمی دیکھتے اور سُنتے ہیں تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ دو کروڑ آدمیوں کی زندگی کے بیس گھنٹے فقط اس کے دیکھنے میں ضائع ہوتے ہیں کہ اس نے چھکا کب مارا اور اس نے سنچری کب بنائی ــــ وہ وہاں دوڑ رہے ہیں یہ یہاں ہی ہی کر رہے ہیں۔ یہ جیتے گا، وہ جیتے گا؟ کہا: نہیں نہیں، یہ نہیں جیتے گا وہ جیتے گا۔ وہاں کھیل بعد میں ہو رہا ہے یہاں مارپیٹ پہلے ہو رہی ہے۔ تو چوں کہ وقت ضائع ہوتا ہے، انرجی برباد ہوتی ہے، پیسے ضائع ہوتے ہیں، ہزاروں کام رُک جاتے ہیں۔ ہم نے کہا: بھائی فلاں جگہ جانا تھا۔ ارے ذرا اسٹیمپ لگوانا

تھی کاغذ پر۔ کہا: مولوی صاحب! آج اسٹیمپ نہیں لگ سکے گی، اس لئے کہ جتنے آئیسر ہیں سب میچ دیکھنے گئے ہیں تو معلوم ہوا کہ کاروبار بند۔ تو چوں کہ کھیل سے انسان کی عمر، انسان کی دولت، انسان کے کام، انسان کی انرجی برباد ہوتی ہے اسی بنیاد پر اس لہو و لعب کو شریعت نے حرام اور گناہ قرار دیا ہے۔

مثال کے طور پر بغیر جوے، بغیر پیسے کے جن کو تاش کھیلنے کی عادت ہو جاتی ہے ـــ ہم نے کبھی ایک بات کہی تھی، ہمیں خود یاد آگئی۔ پتہ نہیں آپ کو یاد ہے یا نہیں یاد ہے۔ جتنے تاش کھیلنے والے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں کہ آپ کو پتّے کھیلنا آتے ہیں؟ اچھا ٹرین میں تو کسی کے ماتھے پر تو لکھا نہیں ہے کہ یہ مولوی صاحب ہیں یا سیٹھ صاحب ہیں۔ تو کبھی کبھی بہت سے پسنجر ہم سے بھی پوچھتے ہیں ـــ

"چاچا! پتّے کھیلنا آتے ہیں؟"

تو چاچا کہتے ہیں کہ نہیں، چاچا کو پتّے کھیلنا نہیں آتے ہیں ـــ تو پھر کہتے ہیں:

"چاچا! ذرا اپنا بریف کیس دے دو تاکہ ہم اس پر پتّے کھیل لیں۔"

تب چاچا کے لئے مشکل ہو جاتی ہے۔ بداخلاق بنیں تو بریف کیس نہ دیں، خوش اخلاق بنیں تو اللہ کے یہاں گنہگار بنیں کہ ہم نے تاش کھیلنے کے لئے بریف کیس دیا تھا تو کچھ راستہ نکالنا پڑتا ہے۔ تو جب کبھی لوگ جمع ہوتے ہیں۔ "آپ کو پتّے کھیلنا آتے ہیں؟"

کہا: "ہاں! آتے ہیں۔"

"آئیے، پھر دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

اور ڈیلی پسنجر جو ہوتے ہیں ان کا مشغلہ ہی یہ ہوتا ہے۔ ٹرین اور بس میں بیٹھے اگر

میں وہ خیال جم جائے کہ نیکی میں ساتھ ہونا چاہیے۔ گناہ میں ساتھ نہیں ہونا چاہیے تقوے میں ساتھ ہونا چاہیے۔ تقوے کے معنی ہیں اللہ سے ڈر۔ اور نافرمانی میں ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نافرمانی کون آدمی کرے گا؟ نافرمانی وہی آدمی کرے گا جو خدا سے نہیں ڈرتا۔ تو خوفِ خدا میں ایک دوسرے کا ساتھ دو۔ اللہ کی نافرمانی میں۔ جہاں آدمی اللہ سے نہیں ڈرتا ہے۔ اس میں ساتھ مت دو۔

صلوات

بات میں بات یاد آگئی۔ ایک ذاکر نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ لوگ خواہ مخواہ حضرت علی علیہ السلام کو بہادر کہتے ہیں۔ سننے والے سب وہ ہیں جو مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امیر مانتے ہیں، پہلا امام مانتے ہیں، نبیؐ کا خلیفہ بلافصل مانتے ہیں — ایسا سننے والا مجمع اور اس میں ایک ذاکر مجلس پڑھنے بیٹھے — انھوں نے کہا۔ "لوگ خواہ مخواہ کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام بہت بہادر تھے۔ ہم ایسے آدمیوں کے نام بھی بتا سکتے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام سے بھی زیادہ بہادر تھے" —

تو اب جتنے سننے والے تھے ان کی آنکھوں کی رنگت بدل گئی مگر انھوں نے کہا ذرا صبر کرو، ان کی بات مکمل ہو جانے دو — تو مجمع سے ایک آواز آئی:

"ذرا ان کے نام تو بتائیے جو حضرت علی علیہ السلام سے بھی زیادہ بہادر تھے"

انھوں نے دو تین نام بتا دیے۔ میں سمجھتا ہوں مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے آپ پہچان گئے ہوں گے — تو جیسے ہی انھوں نے دو تین نام بتائے ویسے ہی مجمع کہنے والا تھا: آپ انھیں بہادر کہہ رہے ہیں؟! کسی نے کہا: یہ تو میدان سے بھاگ جایا کرتے تھے، آپ انھیں بہادر کہہ رہے ہیں۔!! جبکہ حضرت علیؑ

ایک گھنٹے کی جرنی ہے اور سفر ہے تو تاش شروع ہوگیا۔

انھوں نے کہا: بھئی اسٹیشن آنے والا ہے۔

کہا: "آنے دو، آتے آتے دَو دَو ہاتھ اور ہو جائیں۔"

تو جتنے تاش کھیلنے والے ہیں ان کا نعرہ ہے "دَو دَو ہاتھ اور ہو جائیں، دَو دَو ہاتھ اور ہو جائیں" ـــــ تو میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ دنیا میں دَو دَو ہاتھ اور ہو جائیں ٹھیک ہے لیکن مرنے کے بعد جب محشر میں ہم پہونچیں گے تو جتنے تاش کھیلنے والے ہیں جو ملک آئے گا: دَو دَو ہاتھ دَو دَو ہاتھ! دَو دَو ہاتھ!.... تب جب بھیجے پھٹ جائیں گے مزاج درست ہو جائے گا، سر بھنّا جائے گا تب پتہ چلے گا۔ وہ دنیا کے دَو دَو ہاتھ یہاں کیسے دَو دَو ہاتھ بنے۔

تو آپ کی خدمت میں بات میں بات نکلی اور ادھر آگیا۔ ورنہ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ کسی بھی لٹریچر میں انھیں چیزوں پر سب سے زیادہ ناز کیا جاتا ہے جس پر پوری سوسائٹی کو فخر ہوتا ہے۔ تو آج بھی مقابلے ہوتے ہیں، میچ ہوتے ہیں اور یہ مقابلے کہاں تک پہونچ گئے ہیں؟ یہ مقابلے یہاں تک پہونچ گئے ہیں کہ اس میں ہماری بیٹیاں تک پہونچ جاتی ہیں، ہمارے بیٹے تک پہونچ جاتے ہیں۔

ایک مقابلہ ہم ضرور بتائیں گے۔ مسٹر اور مس طے ہوتی ہیں۔ دوسرے دن اخبار میں فوٹو آگیا کہ یہ مسٹر آف بمبئی قرار دیئے گئے۔ ایک عورت کا فوٹو آتا ہے۔ یہ مس آف بمبئی قرار دی گئی ہے۔ اس کے بعد جو مس بمبئی ہوئیں، مس مدراس ہوئیں، مس لکھنؤ ہوئیں اس کے بعد ان سب کا ایک مقابلہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ یہ مس انڈیا ہیں۔ تو ایک مس انڈیا بنی، ایک مس پاکستان بنی، ایک مس افغانستان بنی، ایک مس امریکا بنی تو ان سب کا ایک مقابلہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ یہ مس ورلڈ ہے اور ایک سال کے لیئے۔ کہا کہ

سب کو چانس ملنا چاہیئے۔

تو یہ جسم کو برہنہ کر کے مردوں کے سامنے اپنے کو مقابلے کے لیئے پیش کیا جاتا ہے تاکہ ایک سال کے لیئے فقط یہ لفظ لکھا جائے کہ یہ مس بمبئی ہے، اور ہمارے بھائی کیسے ہیں ــــ؟ کہا: "سنا آپ نے مولوی صاحب!" ــــ یہ خبر سنانے کے لیئے مولوی صاحب ہی زندہ رہ گئے ہیں۔

"سنا مولوی صاحب؟"

ہم نے کہا: "سنائیے!"

کہا: "اللہ کے فضل سے اس سال جو لڑکی مس انڈیا بنی ہے وہ شیعہ ہے!"

ارے خدا غارت کرے اس لڑکی کو اور شرم آنا چاہیئے اور شرم میں ڈوب جانا چاہیئے ان لوگوں کو جو اس پر فخر کرنا چاہتے ہیں کہ اس سال مس انڈیا جو لڑکی بنی ہے وہ شیعہ لڑکی ہے۔

شیعہ لڑکی مس انڈیا بنی ہے۔ کیا مطلب ہے؟ یعنی اس نے نامحرموں کے سامنے، نامحرم اور بدنیت لوگوں کے سامنے اپنے جسم کو برہنہ کر کے پیش کیا ہے اور جسم کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس کو مس انڈیا کا لقب دے دیا جائے ــــ تو جس نے شیعہ ہو کے شیعیت کے حکم کی، شریعت کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اس کو شیعہ کہنا یہ شیعیت کی دھجیاں اڑانا ہے یا نہیں؟ نہایت شرم کی بات ہے۔ ہاں اگر آپ ہمیں یہ خبر سناتے کہ سنا مولوی صاحب! وہ فلاں عورت جو مس انڈیا تھی اس نے جناب معصومہؑ کے پردے کی صورت سن کے مسلمان ہو کے پردہ اختیار کر لیا ہے ــــ تو یہ خبر سنانے کی تھی

تو میں بات میں بات بھی کہتا جاتا ہوں اور اگلی پچھلی موجودہ تاریخ، موجودہ

حالات اور پچھلی تاریخ کو ملاتا بھی جاتا ہوں اور فقط یہ محسوس کرانا چاہتا ہوں کہ سوسائٹی میں کتنی طاقت ہے، سوسائٹی میں کتنا پاور ہے ___ تو وہ بات جو میں نے بار بار پیش کرنا چاہی اور رُک گئی اس تک آپ کو پہونچانا چاہتا ہوں کہ مقابلے ہوتے تھے اور آج بھی ہوتے ہیں، تو کل مقابلے عرب میں ہوتے تھے جن میں شاعر اپنا بہترین قصیدہ اپنی بہترین سب سے اونچی نظم جو ہوتی تھی اس کو لا کے پیش کرتے تھے۔ فیصلہ کرنے والے بیٹھتے تھے اور جج فیصلہ کرتے تھے کہ اس سال کے مقابلے میں سب سے عمدہ قصیدہ یہ ہے۔ تو جو سب سے عمدہ قصیدہ قرار پاتا تھا وہ اس زمانے میں جب لوگوں کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا، لکھنے پڑھنے والے نہیں ملتے تھے، لکھنے پڑھنے کے لیئے قلم اور کاغذ نہیں ملتا تھا، اس وقت کسی نہ کسی طرح سے لکھ کے وہ قصیدہ خانۂ کعبہ پر لٹکا دیا جاتا تھا یعنی یہ اتنا اونچا کلام ہے جو خدا کے گھر پر لٹکایا گیا۔

تو یہ قصیدہ نہیں ہوتا تھا، یہ عرب کی سوسائٹی میں جو سب سے اونچا کردار اور کلام ہوتا تھا وہ بطور سائن بورڈ کے اللہ کے گھر میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ ہوتے ہوتے اس میں سات قصیدے جمع ہو گئے اور سات کو سبع کہتے ہیں، معلقہ لٹکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں تو ان کا نام ہی سبع معلقہ یعنی یہ سات قصیدے تھے، سات نظمیں تھیں جو لٹکی ہوئی تھیں اور یہ تب اتاری گئیں جب قرآن مجید کا ایک سورہ پیغمبرؐ نے لکھوا دیا تھا۔

تو عربوں نے آکر کہا: ہم نے انسانی کلام یہاں لٹکائے تھے "مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرْ" یہ تو انسان کی طاقت سے باہر کا کلام ہے۔ لہٰذا وہ اپنا کلام اُتار لے گئے ___ تو ان سات قصیدوں میں جو سب سے اونچا شاعر قرار دیا گیا ہے اس کا نام ہے اِمْرُؤُالْقَيْس۔ تو سال بھر کے مقابلے میں لٹریچر پیش ہوا جس میں سوسائٹی کی ساری اونچی باتیں ہوں گی جو پیش کی جائیں گی اور سات سال کے مقابلے

میں پورے عرب لٹریچر میں جو سب سے اونچا شاعر مان لیا گیا اس کا نام ہے اِمرُؤُالقَیس اور اِمرُؤُالقَیس کا یہ قصیدہ جو سبع معلقہ میں شامل ہے اس کا ایک شعر ایسا ہے جو اتنا گندہ ہے کہ میں آپ کو ترجمہ سناتے ہوئے بھی شرماتا ہوں۔ لیکن میں اس لیئے سنانا چاہتا ہوں کہ جب سوسائٹی بگڑ جاتی ہے، بے شرم ہو جاتی ہے، بے غیرت ہو جاتی ہے بے حیا ہو جاتی ہے، انسانیت مٹ جاتی ہے تو کیسی گندی، بُری، ذلیل، کمینی باتوں پر انسان فخر کرتا ہے۔

تو وہ امرُؤالقیس کہتا ہے: "میں ایسا آدمی ہوں کہ شوہر رکھنے والی عورتیں اپنے اُن چھوٹے چھوٹے بچّوں کو جن کے گلے میں اُن کی جان بچانے کے لیئے تعویذ ڈالے گئے ہیں، ان بچّوں کو اکیلا چھوڑ کے میرے پاس آجاتی ہیں۔"

اب آپ پہچانیئے بدکاری اور ایسی بدکاری اور اس پر جو امرُؤالقیس ناز کر رہا ہے تو پہچانیئے کہ پوری عرب سوسائٹی میں زنا اور بدکاری اور شوہر دار عورتوں سے تعلقات رکھنا کتنا اونچا کیریکٹر تھا جس کو عرب لٹریچر میں پورے امتیاز کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے تو آپ پہچانیئے جب سوسائٹی بگڑتی ہے تو آدمی کو یہاں تک پہونچا دیتی ہے یا نہیں پہونچا دیتی ہے۔ ہم نے جانور کو کہہ دیا کہ یہ سُوَر ہے مگر یہ بتاؤ کیریکٹر میں ہم انسان کہاں پہونچ گئے؟

کبھی کبھی ہماری سوسائٹی کے کسی طبقہ میں اگر ایسی باتیں پیدا ہو جائیں تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ ہم اپنے کو بیسویں صدی کا روشن دُنیا کا انسان لاکھ کہیں لیکن جب ہم کیریکٹر کے آئینے میں اپنے کو دیکھیں گے تو ہم کو نظر آئے گا کہ ہم چودہ سو سال پہلے کے جاہل عربوں میں اور جاہلیت والے عربوں میں ایسے ہی کھڑے ہیں۔ بس فرق یہ ہے کہ وہ جاہل ہو کے ایسا کر رہے تھے، ہم ایجوکیٹڈ ہو کے ایسا کر رہے ہیں۔ وہ

غیر ترقی یافتہ تھے تب ایسا کر رہے تھے، ہم ایڈوانس ہو کے ایسا کر رہے ہیں۔ تو برائی برائی ہے چاہے جہالت کے نام پر کی جائے، چاہے علم کے نام پر کی جائے۔ برائی برائی ہے چاہے ترقی کے نام پر کی جائے۔

میں آپ کے سامنے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر گناہ کرنا برائی ہے تو غریب گناہ کرے تب بھی گناہ ہے، دولت مند گناہ کرے تب بھی گناہ ہے۔ ایک جاہل آدمی گناہ کرے تب بھی گناہ ہے اور عالم گناہ کرے تب بھی گناہ ہے بلکہ جاہل جتنا جاہل ہے گناہ کی سزا چاہے کم پائے لیکن جاننے والا عالم جتنا گناہ کرے گا اس کی سزا بڑھتی چلی جائے گی۔!!

تو میں آپ کی خدمت میں ان سارے تذکروں سے صرف ایک بات آپ کے دل میں بٹھانا چاہتا ہوں کہ سوسائٹی بڑی پاورفل، بڑی طاقتور چیز ہے۔ جب یہ بگڑتی ہے تو بدکاری پر فخر کراتی ہے۔ یہ جب بگڑتی ہے تو اپنے خداؤں کے سامنے برہنہ ہو جانے کو عزت سمجھتی ہے، جب یہ بگڑتی ہے تو باپ ہو کے اپنے ہاتھ سے اپنی بیٹی کا گلا دبا دینے پر تیار ہو جاتی ہے، جب یہ بگڑتی ہے تو دنیا کے بدتر سے بدتر عیب کو بہتر سے بہتر ہنر سمجھ لیا جاتا ہے تو اگر آپ نے سوسائٹی کی اس طاقت کو پہچانا ہے برائی کے راستے پر تو پھر ہمارا فریضہ کیا ہے؟ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اس سوسائٹی کی طاقت کو برائی کے بجائے اچھائی کے راستے پر لگا دیا جائے۔

میں نے تقریر کی ابتدا میں ایک بات کہی تھی ___ طاقت جتنی کم ہوگی، برے راستے پر جائے گی تو برائی کم ہوگی۔ اچھے راستے پر جائے گی تو اچھائی کم ہوگی۔ اور طاقت جتنی زیادہ ہوگی اچھے راستے پر جائے گی تو اچھائی زیادہ ہوگی اور برائی کے راستے پر جائے گی تو برائی زیادہ ہوگی۔ اس کی میں مثال دینا چاہتا ہوں: ایک

چاقو ہے اس کی دھار تیز نہیں ہے، اس میں دھار نہیں ہے تو جب ہم سیب کاٹنا چاہیں گے تو زور لگانا پڑتا ہے اس لیئے کہ دھار تیز نہیں ہے تو سیب کاٹنے کے لیئے چاقو بنایا گیا ہے ہم اس کا صحیح استعمال کر رہے ہیں تو سیب دیر میں کٹے گا۔ لیکن اگر ہم اسی چاقو سے کسی کی انگلی کاٹنے لگیں گے تو اتنی دیر لگے گی کہ ہم اس کی انگلی نہیں کاٹ سکیں گے، خالی زخم ہی آئے گا۔ اس لیئے کہ دھار تیز نہیں تھی لہٰذا پھل بھی دیر میں کٹا اور انگلی بھی ذرا سی کٹی ــــ لیکن ایک بہت دھار دار تیز چاقو ہے ذرا سا لگایا اور ہڈی تک کاٹ گیا۔ تو اگر کوئی آدمی پھل کاٹنے لگتا ہے تو ہم کہتے ہیں ذرا سنبھل کے، ہوشیاری سے کاٹیئے گا، بہت تیز ہے۔ آپ کو خیال رہے کہ ابھی پھل کٹ رہا ہے کہیں انگلی نہ کٹ جائے۔

یعنی اس کمزور دھار والے چاقو سے جتنی دیر میں ایک سیب کٹے گا، اس تیز دھار والے سے اتنی دیر میں چودہ سیب کٹ جائیں گے۔ لیکن جیسے اس دھار کی کمزوری والے چاقو سے کوئی ظالم مظلوم کی انگلی کاٹنا چاہے گا تو زخم آئے گا، ہڈی نہیں کٹ پائے گی لیکن اگر یہ تیز چاقو ہوگا تو یہ اتنی ہی دیر میں درجن بھر آدمیوں کے گلے کاٹ دے گا۔

تو آپ نے اگر طاقت اور پاور کو پہچان لیا تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سوسائٹی اگر برے راستے پر لگ جائے گی تو پھر یہ ہم کو تباہ کر دے گی اور اگر یہ اچھے راستے پر لگ جائے گی تو یہ ہم کو سنوار دے گی۔

میری تقریر کا ابھی کافی حصّہ باقی ہے جسے میں آئندہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ آج میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سوسائٹی بڑی طاقت ہے، اسے اچھے راستے پر بھی لگایا جا سکتا ہے اور برے راستے پر بھی لگایا جا سکتا ہے۔ یہ برے راستے پر لگتی ہے

تو انسان کو کیسا بنا دیتی ہے یہ تو میں آپ کو سُنا چکا لیکن یہ اچھے راستے پر لگتی ہے تو انسان کو کیسا بنا دیتی ہے اس کا ہلکا سا نمونہ آج سن لیجئے۔

ہمارے گھروں میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن سے ہم نے کہا: آپ نماز نہیں پڑھتے ـــــ بہت دب کے، ڈر کے، تہذیب سے ہم نے کہا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔؟ تو انھوں نے آنکھیں نکال کر کہا:

آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔؟

ہم نے کہا: ہم آپ کی بھلائی کے لیئے کہہ رہے ہیں۔

کہا: جاؤ ہم تم سے بہتر اپنی بھلائی اور بُرائی سمجھتے ہیں۔

اور اگر بیچاری بیوی نے کہیں کہہ دیا کہ نماز پڑھ لیجئے تو کہا: نماز پڑھنا ہے تو اپنے ابّا کے گھر جاؤ ہمیں ڈسٹرب مت کیا کرو ـــــ تو سال میں کبھی نماز پڑھنے کے لیئے کہہ دیا تو آنکھیں لال، منہ سُرخ۔ معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے، حلق سے آگ نکل رہی ہے آگ، جل جائیں گے سب سننے والے ـــــ اور انھیں کو دیکھا عید کے دن بیوی پر خفا ہو رہے ہیں ـــــ "ارے تم نے ابھی تک بچوں کا ڈریس نہیں ٹھیک کیا۔ ان بچوں کو نہلایا نہیں۔ عید کی نماز کا ٹائم ہے دس بجے، نو بج گئے ہیں اور ہم کو باندرہ سے بمبئی تک جانا ہے نماز پڑھنے کے لیئے، اگر دیر ہو جائے گی تو نماز عید نہیں ملے گی۔"

تو آج نماز عید نہیں ملے گی اس پر بے نمازی شوہر بیوی پر ناراض ہو رہے ہیں۔ جلدی اٹھے بھی تھے جو سال میں کبھی نہیں اٹھتے تھے۔ آج انھوں نے غسل بھی فرمایا تھا یعنی غسل نہیں فرمایا گویا مذہب کا منہ دھو دیا اپنے خیال میں۔ بچوں کو بھی تیار کیا، مسجد جا رہے ہیں۔ نمازِ عید پڑھنا ہے اور جب پہونچے تو نماز

ختم ہو چکی تھی ـ تو ہم نے کہا۔ عید مبارک ہو !

کہا: کیا خاک مبارک ہو، اپنا نصیب خراب ہے۔ بیڈ لک ہیں۔

کیا ہوا بھائی ؟

کہنے لگے: اتنی کوشش کے بعد بھی نماز میں نہیں پہونچے۔

تو اب مجھے یہ سوچنا پڑا کہ انھیں کو سال میں جب بیوی نے کہا نماز پڑھ لو، تو یہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے اور یہ عید کے دن اتنے شوقین ہیں کہ نماز چھوٹ نہ جائے اس کیلئے پریشان ہو رہے ہیں۔ اور اگر نماز چھوٹ گئی تو اپنے کو بدنصیب کہہ رہے ہیں اور بیوی پر ناراض ہو رہے ہیں کہ تمھاری وجہ سے دیر ہو گئی، بچوں کو تیار نہیں کیا، اور راستے میں جہاں جہاں ٹریفک جام ہوئی حکومت کو، گورنمنٹ کو اور کارپوریشن کو گالیاں دینا شروع کیں، جو اگلا گاڑی والا نظر آیا اس کو ماں بہن کی گالیاں ارشاد فرمائیں۔ یہ نماز پڑھنے جا رہے ہیں اور جب نماز ختم ہو گئی تو ناراض ہیں، رنجیدہ ہیں، بدقسمت ہیں آج بھی اللہ کو سجدہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔

تو ہمیں سوچنا پڑا کہ یہ اگر اللہ والے ہیں تو اس دن کیوں ناراض ہو گئے تھے؟

تو بس یاد رکھیئے گا روز کی نماز ہے اللہ کی نماز اور عید اور بقرعید کی نماز ہے سوسائٹی کی نماز ــ چوں کہ پوری سوسائٹی نماز پڑھنے جا رہی ہے اور وہاں جب جائیں گے تو سب نظر آئیں گے۔ اسی دن موقع بھی ہو گا کہ کس کے پاس سوٹ کیسا ہے، اسی دن مقابلہ بھی ہو گا کس کے بچوں کے پاس کپڑے کیسے ہیں۔ یعنی مسجد میں بھی آ رہے ہیں تو دنیا دکھانے کے لیئے آ رہے ہیں، دین دکھانے نہیں آ رہے ہیں۔

تو میں آپ کی خدمت میں صرف اتنی سی بات کہنا چاہتا ہوں کہ جس دن سوسائٹی نماز پڑھتی ہے اس دن بے نمازی بھی نماز پڑھنے کے لیے بے چین ہوتا ہے۔

سال میں ہم نے کہا: نماز پڑھو!

کہا: مولوی صاحب آپ پڑھیئے ___ ابھی تو لائف اتنی بزی ہے کہ نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ مولوی صاحب! دعا کیجئے کہ ہم بھی نمازی بن جائیں۔

تو میرا جواب ہوتا ہے کہ ہم آپ کے لیئے دعا نہیں کریں گے، اس لیئے کہ اللہ اتنا بزی ہے کہ آپ کے لیئے دعا نہیں سنے گا ___ ارے بھئی جب آپ بزی ہیں تو وہ بھی بزی ہے اور وہ تو ہے ہی بزی۔ وہ ہر دن ایک نئی شان رکھتا ہے ___ تو اس سے زیادہ بزی کون ہے ___ ساری کائنات چلا رہا ہے اس سے زیادہ مصروف کون ہے؟

لیکن ___ مصروفیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب ہم مصروف ہو جاتے ہیں تو ہم بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ وہ تو وہ ہے کہ ارادہ کرتا جاتا ہے چیزیں ہوتی جاتی ہیں ___ تو بزی سے آپ وہ تھکن نہ محسوس کیجئے گا، وہ ٹینشن نہ سوچیئے گا معاذ اللہ خدا کے لیئے جو ہمارے اندر ہے۔

تو بات گزر گئی، وقت پورا ہو گیا۔ میں آپ کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا تھا کہ یہ سوسائٹی اگر بگڑ جائے تو انسان کو بدترین بنا دیتی ہے ___ اور اگر سوسائٹی اچھے راستے پر آ جائے تو سال بھر کے بے نمازی کو بھی نمازی بنا دیتی ہے اگر میری بیٹیوں نے، میری بہنوں نے، میرے بچوں نے، میرے نوجوانوں نے، میرے بھائیوں نے میری ان باتوں کو توجہ سے سنا ہے تو ان سب کی خدمت میں ہاتھوں کو جوڑ کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ___

___ تم کو ان تکلیفوں کا واسطہ جو نبیؐ نے اٹھائی ہیں۔

___ تم کو ان دکھوں کا واسطہ جو فاطمہؑ نے اٹھائے۔

____ تم کو ان تکلیفوں کا واسطہ جو علی مرتضیٰؑ اس دُنیا میں جھیل گئے

____ تم کو ان تکلیفوں کا واسطہ جن کی بنا پر حسن مجتبیٰؑ نے خونِ جگر کے گھونٹ پی پی کر زندگی بسر کی۔

____ تم کو ان تکلیفوں کا واسطہ جب حسینؑ مدینہ چھوڑ رہے تھے

____ تم کو اس تکلیف کا واسطہ جب دُنیا حج کرنے آ رہی تھی اور حسینؑ حج چھوڑ کے جا رہے تھے۔

____ تم کو اس تکلیف کا واسطہ جب جلتی ہوئی دُنیا میں، جلتے ہوئے موسم میں، جلتے ہوئے زمانے میں اونٹوں پر سفر کر رہی تھیں زینبؑ اور ربابؑ۔ اور ربابؑ کی گود میں ایک ننھا سا بچّہ بھی سفر کر رہا تھا۔ کسی نے پوچھا، یہ بچّہ لے کے رباب کہاں جا رہی ہو؟ — کہا: ابھی بتانے کا وقت نہیں ہے۔ مگر رباب کا دل جانتا تھا کہ یہ میری گود میں بچّہ ہے اسے میں اس لیئے لے جا رہی ہوں کہ دین کے گلے کو بچانے کے لیئے یہ بچّہ دین کے گلے پر آنے والے تیر کو اپنے گلے پر روک لے گا، تو ان دُکھوں کا واسطہ، اس تکلیف کا واسطہ۔

____ اس تکلیف کا واسطہ جو عباسؑ کے دل پر، کلیجے پر اس وقت آئی جب عباسؑ جیسے شیر کے سامنے حُر نے یہ کہا کہ ابن زیاد کا یہ حکم ہے کہ دریا سے دور نہر سے الگ جلتی ہوئی زمین پر خیمے لگائے جائیں اور حسینؑ نے کہا: عباسؑ! ہم عظیم مقصد کے لیئے لڑنے آئے ہیں، لہٰذا اپنے ساتھیوں کو قابو میں رکھو۔ کوئی بے قابو نہ ہونے پائے — تو کلیجے پر قابو پا کے شیر نے اپنے بہادر ساتھیوں سے کہا کہ جہاد حکمِ امامؑ کی تعمیل میں ہے، اپنے جذبات اور خیالات کو پورا کرنے کا نام جہاد نہیں ہے۔

تو ہزاروں کے مجمع میں کھڑے ہو کر لڑتے تھے اور جگہ سے نہیں ہٹتے تھے۔

کہا: "بھائی! ہماری بات تو سنو۔ حضرت علی علیہ السلام بہت بہادر تھے مگر اللہ سے ڈرتے تھے۔ لیکن یہ ایسے بہادر تھے کہ اللہ سے نہیں ڈرتے تھے۔"

خوش ہو لیجئے اور ایک صلوات بھیج دیجئے

اب یہ سوچئے کہ ہم کس لائن میں ہیں۔ اگر ہم اللہ سے ڈرتے ہیں تو ہم اس لائن میں کھڑے ہیں جس کے امام علی علیہ السلام ہیں اور اگر ہم اللہ سے نہیں ڈرتے ہیں تو پھر...... بقیہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خط میں جگہ چھوڑ دی جاتی ہے۔ تو اگر ہم اللہ سے نہیں ڈرتے ہیں تو ہم لاکھ اپنے کو کہیں کہ ہم نبیؐ والے ہیں، ہم علیؑ والے ہیں ہم آلِ محمدؐ والے ہیں لیکن جب ہمارا کیریکٹر ان لوگوں سے جا کر مل جائے جو خدا سے نہیں ڈرتے تھے۔ تو پھر ہمارا نام اِدھر لکھا جائے گا۔ اگر وہاں سے نام کٹوانا چاہتے ہیں تو پہلے کیریکٹر کارڈ دینا پڑے گا تب ہمارا نام اُدھر لکھا جائے گا۔

رہی یہ بات کہ اس زمانے میں آدمی دیندار کیسے بنے؟ یہ بھی ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اچھا آپ سے ایک بات کہیں؟ کسی دن اور تفصیل سے کہیں گے۔ لیکن آج دو لفظوں میں کہہ دیں۔ اس دنیا میں بیچارے دین سے زیادہ غریب کوئی نہیں۔ غریب سے غریب آدمی بھی اتنا غریب نہیں ہے جتنا دین غریب ہے۔ کیوں ــــ؟ دین اتنا غریب ہے کہ امیر تو امیر غریب آدمی بھی اسے اپنے گھر میں جگہ دینے پر تیار نہیں!!

ایک دولت مند آدمی سے ہم نے کہا: نماز نہیں پڑھتے ہو؟

کہنے لگے: "کیا لینا باقی ہے جو پڑھیں۔"!!! کروڑپتی ہو گئے ہیں نا۔ نواب ان کی نگاہ میں کروڑ کے آگے کچھ ہے ہی نہیں، اگر ان کی نگاہ میں جنّت کا تصوّر

تو میری بیٹیو اور میری بہنو! تم کو ایک ایک تکلیف کا واسطہ دینا چاہتا ہوں پھر اور مجلسیں پڑھوں گا، ان میں اور باتیں یاد دلاؤں گا مگر اتنا تو مجھے کہہ لینے دو کہ عاشور کی رات جب پیاسے بچے رو رہے تھے تو ان رونے والے پیاسے بچوں کی آواز کا واسطہ!

— اور ننھی سکینہؑ جب صبح کو کبھی چچا سے، کبھی باپ سے، کبھی بھائی سے کہہ رہی تھی کہ پیاس سے کلیجہ جلا جاتا ہے تو اس سکینہؑ کی بے کسی کا واسطہ!

— اور جب رباب کے سامنے اصغرؑ کی خون میں ڈوبی ہوئی لاش آئی تھی تو اس خون میں ڈوبی ہوئی ننھی سی لاش کا واسطہ!

— اور جب حسینؑ کی لاش پر زینبؑ آئی تھیں اور کچلی ہوئی لاش کو بہن نہیں پہچان سکی تھی اس کچلی ہوئی لاش کا واسطہ!

— اور جو بیمار بستر پر اُٹھ کر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس کو زبردستی اونٹ پر بٹھا کر پیروں کو رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا، اس بیمار کی بے کسی کا واسطہ!

— اور جو بچے اونٹوں سے گر گر پڑے تھے ان کے چوٹ کھانے کا واسطہ!

— اور جو بچے قید خانے میں مر گئے ہیں ان کی بے کسی کی موت کا واسطہ!

دین دار بنو، دین دار بناؤ — یہ سوسائٹی دین دار بن جائے تاکہ ربابؑ اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ زینبؑ اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ فاطمہؑ اپنے آنسو پونچھ ڈالیں اور مقاصد حسینؑ پورے ہو جائیں۔

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ
اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ

کریم ! بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

ہماری قوم کے ہر نوجوان کو دین دار بننے کی
توفیق عطا فرما۔

اب کریم !

ہماری قوم کی عورتوں کو دین دار بننے کی
توفیق عنایت فرما۔

کریم !

ہماری قوم کی ہر فرد کو دین دار بننے کی
توفیق عطا فرما۔

کریم !

ہمارے قلب و دماغ میں زندگی سے زیادہ
دین کی اہمیت پیدا کر۔

کریم !

ہم کو اور ہماری نسلوں کو امام عصرؑ
کے مددگاروں میں شمار کر۔
ہم کو توفیق دے کہ ہم اپنا کردار
ایسا بناسکیں کہ ہم مددگاروں میں شمار
کیئے جاسکیں۔

کریم!

ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔

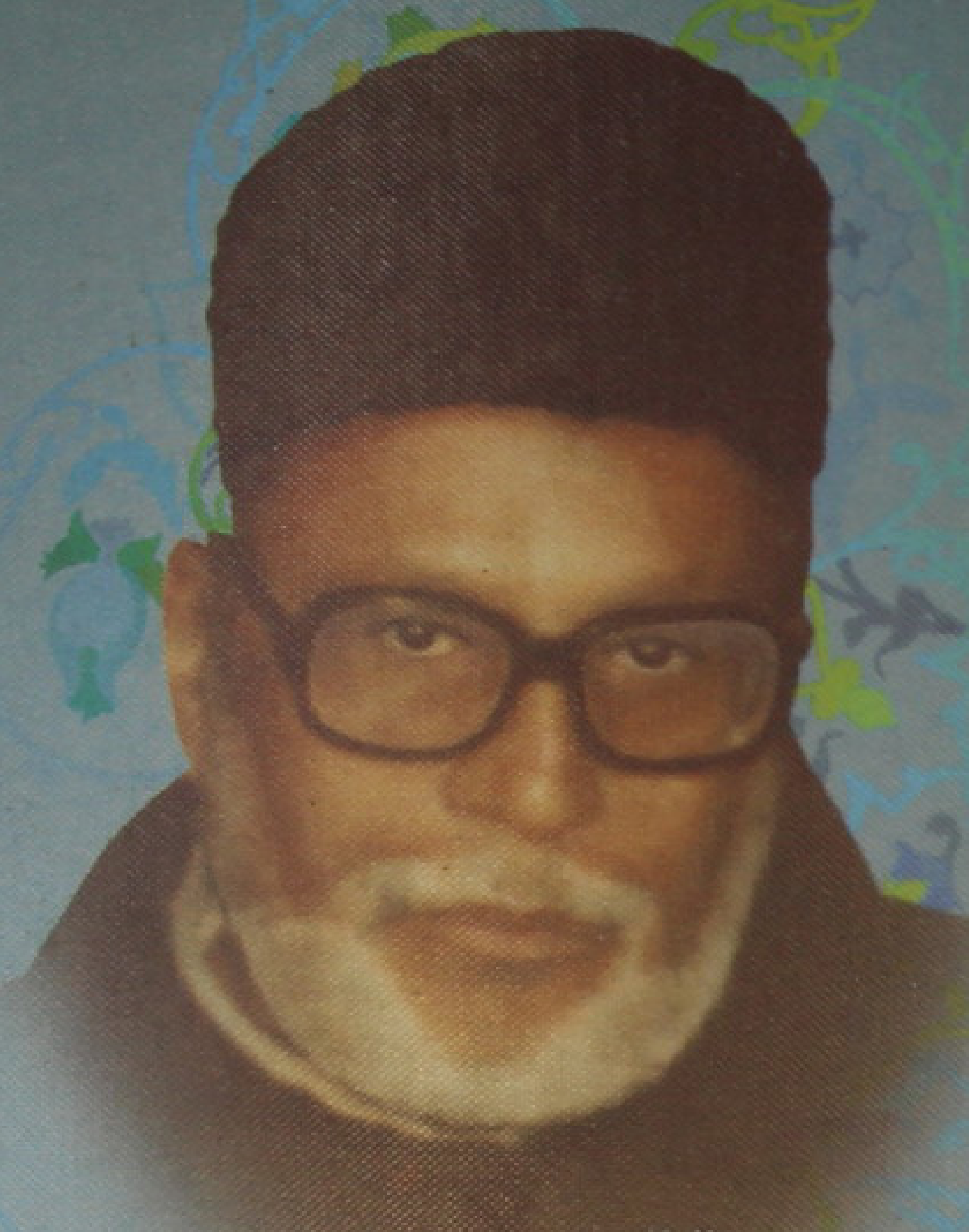
مرحومین اور والدین کی مغفرت فرما۔

اسلامی انقلاب کی حفاظت فرما۔ اس کے حامی اور مددگار پیدا فرما۔

اور جہاں کہیں بھی مومنین آباد ہیں ان کو اپنی سوسائٹی کو دین دار بنانے کی توفیق عطا فرما۔

سب کی حاجتیں پوری فرما۔

آمین یارب العالمین



بانی تنظیم خطیب اعظم

مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

TANZEEMUL MAKATIB

GOLAGANJ LUCKNOW - 226 018 U.P. (INDIA)

Phone : 91 522 2215115, Fax : 91 522 2228923

e mail : tanzeem@tanzeem.com

ہوتا تو نماز پڑھتے۔

غریب آدمی سے ہم نے کہا: "بھیّا تم کیوں نہیں نماز پڑھتے؟"

جواب دیا: "ہمیں دیا ہی کیا ہے جو ہم پڑھیں؟"

تو معلوم ہوا کہ دین اتنا غریب ہے کہ نہ یہاں جگہ مل رہی ہے نہ وہاں۔ زندگی کا کوئی کام ہو، ہم تیار ہو جائیں گے۔ ارے صاحب! مشکل کیسی؟ جب آدمی کرنے پر آجائے سب کام ہو سکتے ہیں۔ ہم نے کہا: یہ کام تم سے نہیں ہوگا۔ کہا: مولوی صاحب! ہمیں یہ کام کرنے تو دیجئے ___ ہم کہہ رہے ہیں مشکل ہے تم سے نہیں ہوگا۔ تو نچے ہم سے کہتے ہیں آپ کام ہمیں دیجئے تو ہم کر کے دکھائیں گے۔

اور دین کی بات آئی تو کہا: "مولوی صاحب! اب اس زمانے میں دین کی باتوں پر عمل تو بہت مشکل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا میں نہ بزنس مشکل ہے، نہ سروس مشکل ہے، نہ گھر میں بیٹھا رہنا مشکل ہے، نہ بازار میں نکلنا مشکل ہے۔ کوئی مشکل نہیں ہے ___ مشکل کیا ہے؟ بیچارہ دین! اور یہ بیچارہ اس لیے ہے کہ یہ اللہ والا ہے۔ شیطان والی جتنی چیزیں ہیں وہ بیچاری نہیں ہیں۔

اب آپ خود محسوس کریں جو کافر ہے وہ کہے دین پر عمل نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ ٹھیک کہتا ہے لیکن جو مومن ہے، شیعہ ہے، اثنا عشری ہے، چہاردہ معصومینؑ سے محبت کرتا ہے وہ اگر کہتا ہے کہ دین پر عمل نہیں ہو سکتا ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دین پر عمل نہیں ہو سکتا ہے تو اس دین پر پیغمبرؐ نے اپنی زندگی کیوں خرچ کی۔؟ اس دین کے لیے فاطمہؑ نے چکّیاں کیوں پیسیں؟ اس دین کے لیے علیؑ نے کیوں اپنا خون بہانا گوارا کیا؟ اس دین کے لیے حسنؑ نے کیوں خون جگر پیا۔؟ اس دین کے لیے کربلا میں ساری مصیبتیں کیوں برداشت کی گئیں۔؟؟

اگر یہ دین ناقابلِ عمل ہے تو اس کے لیے اتنی عظیم شخصیتوں کو قربانیاں نہیں دینی چاہیے تھیں۔ تو یہ کیسی بات ہے کہ ——

—— ہم حضورؐ کو مانیں گے اور دین کے لیے کہیں گے ناقابلِ عمل ہے۔

—— مولا علیؑ پر جان چھڑکیں گے اور کہیں گے دین ناقابلِ عمل ہے۔

—— حسین علیہ السلام کے غم کے لیے سال بھر تیار رہیں گے اور جس حسینؑ نے دین کو بچایا ہے اس کے لیے کہیں گے یہ ناقابلِ عمل ہے۔

تو میں آپ کے سامنے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک دل میں یہ خیال رہے گا کہ دین مشکل ہے، تب تک دین مشکل رہے گا اور جس دن سے ہمارے بچے بڑی سے بڑی مشکل سے مشکل بات کے لیے ہمّت کر کے تیار ہوتے ہیں، جب ارادہ کر لیا تو کیا مشکل ہے۔ تو جس دن ہم طے کر لیں گے کہ ہمیں دیندار بننا ہے اس دن دین کچھ مشکل نہیں رہے گا۔

اگر خود کو تیار کرنا ہے تو بس میری دو لفظیں یاد رکھیے کہ جب تک ہم اللہ سے نہیں ڈریں گے تب تک دیندار نہیں بنیں گے اور جب اللہ کا ڈر ہمارے دل میں پیدا ہو جائے گا ہم دیندار بن جائیں گے۔ اسی لیے خدا نے کہا ہے کہ اللہ کے ڈر میں، تقوے میں، خوفِ خدا میں ایک دوسرے کا ساتھ دو۔ سرکشی نافرمانی میں اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں ایک دوسرے کا ساتھ مت دو —— اور میں نے بار بار کہا ہے آج بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آج روئے زمین پر کوئی شیعہ ایسا نہیں ہے جس کو بارھویں امام عجل اللہ فرجہ الشریف کا انتظار نہ ہو اور یہ بالکل ٹھیک ہے۔ فرض کیجیے جب مجلس شروع ہوئی تھی، مثلاً میں نے ۴۵ منٹ مجلس پڑھ لی، تو یہ بات بالکل پکّی ہے کہ حضرت کا ظہور ۴۵ منٹ یقیناً قریب

ہوگیا۔ دُنیا میں کسی کو حق نہیں ہے کسی قسم کی پیشین گوئی کرنے کا کہ حضرت کب ظہور فرمائیں گے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کوئی حضرت کے ظہور کا وقت بتائے تو اسے جھوٹا اور کذّاب سمجھنا۔ کسی کو علم نہیں دیا گیا ہے کہ ظہور کا وقت بتائے۔ لیکن بالکل سیدھی سی بات ہے ہم نے ایک گھنٹہ مجلس میں گزارا تو تین چیزیں ہم سے قریب ہوگئیں ___ ہماری موت ہم سے ایک گھنٹہ قریب ہوگئی، دنیا سے قیامت ایک گھنٹہ قریب ہوگئی اور حضرت کا ظہور ایک گھنٹہ قریب ہوگیا۔ اس میں کوئی شبہ تو نہیں ہے۔

اچھا تو جب حضرت کا ظہور ہونے ہی والا ہے تو یہ بھی دنیا کا ہر شیعہ جانتا ہے کہ حضرت کے ظہور کا مقصد ہی یہ ہوگا کہ دُنیا سے وہ ساری سوسائٹیاں بالکل ختم ہوجائیں جن میں گناہ ہوتا ہے۔ جو اللہ سے نہیں ڈرتی ہیں۔ فقط وہ سوسائٹی پیدا ہوجائے اور باقی رہے۔ جو ایمان والوں کی ہو، جو نیکی والوں کی ہو، جو تقوے والوں کی ہو۔

صلوات

میں اپنی تقریر کو حضرت کے ظہور سے وابستہ کرتے ہوئے یوں کہتا ہوں کہ حضرت کے ظہور کا مقصد ہی یہ ہوگا کہ وہ پوری دُنیا کو ایسی سوسائٹی بنادیں جو نیکی میں ایک دوسرے کی مددگار ہو، تقوے اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مددگار ہو اور حضرت کے ظہور کے بعد جو آپ کی لڑائیاں ہوں گی، جو آپ کی جنگیں ہوں گی وہ اس لیے ہوں گی کہ ہر وہ سوسائٹی دنیا کے کونے کونے سے مٹادی جائے جہاں گناہ میں ساتھ دیا جارہا ہے ___ جہاں سرکشیوں میں ساتھ دیا جارہا ہے۔

تو اگر آج ہم اپنی فیملی، اپنے خاندان، اپنے گھر اور اپنے محلے کو، اپنی قوم اور اپنے سماج اور معاشرے کو دیندار بنانا شروع کردیں تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ہم حضرت کے کام میں کچھ کمی پیدا کررہے ہیں۔ اور اگر ہم بھی بے دین رہے تو

ظہور کے بعد حضرت کو پریشانی ہی رہے گی۔ کافر کو بھی مسلمان بنانا ہے، مسلمان کو بھی مسلمان بنانا ہے اور شیعہ کو بھی شیعہ بنانا ہے۔ توکم سے کم ہم شیعہ تو شیعہ رہیں تاکہ امام کے لیے اتنا کام توکم رہے اور حضرت جب تشریف لائیں گے تو دُنیا میں کوئی بے دین آدمی باقی نہیں رہے گا، فقط وہی باقی رہ جائیں گے جو دیندار ہوں گے کوئی بے دین نہیں باقی رہے گا۔ یہاں تک کہ روایتوں میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت کی تلوار سب سے پہلے ان علماء پر چلے گی جو عالم بن کے انسانوں کو بے دین بنا رہے ہیں ___ تو ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اگر کوئی عالم بن کے سوسائٹی کو بے دین بنا رہا ہے تو امام کی تلوار اگر اس پر چلے گی تو اگر کوئی مومن ہو کے بے دین بنا رہا ہے تو تلوار اس پر چلے گی یا نہیں چلے گی؟

بات میں بات نکل آئی۔ آپ کو ایک قصّہ سُنا دیں، آپ کا موڈ ٹھیک ہو جائے۔ ایک مولوی صاحب نے منبر پر بھی کہا کہ جو بے عمل علماء ہوں گے، جو زبان سے کہتے کچھ ہوں گے کرتے کچھ ہوں گے۔ جب مولا کا ظہور ہو گا تو وہ قتل کیے جائیں گے۔ مجلس ختم ہوئی، تو جیسے لوگ مصافحہ کرتے ہیں، مصافحہ کرنا شروع کیا۔ اِن سے ہاتھ ملایا، اُن سے ہاتھ ملایا۔ مجمع میں سے ایک آدمی اٹھا، اس نے ہاتھ ملانے کے بجائے مولوی صاحب کا گلا چومنا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ چوما، دو مرتبہ چوما۔ مولوی صاحب سمجھے بڑی اچھی تقریر کی ہے۔ یہ ہم سے متاثر ہو گیا ہے، اس لیے گلا چوم رہا ہے۔ مگر وہ چٹا چٹ چومے چلا جا رہا ہے۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔ مولوی صاحب نے بھی پوچھا: کیا بات ہے؟

کہا: "حضور! مجھے جی بھر کے چوم لینے دیجیے"۔

کہا: بھائی چوم لو مجھے، میں کہاں بھاگا جا رہا ہوں، مگر وجہ تو بتا دو۔"

کہا: "میں تو اس لیے چوم رہا ہوں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں میرے مولا کی تلوار چلے گی۔"

تو یہ لطیفے کا لطیفہ بھی ہے اور یہ میرے لیے آپ کے لیے ہر آدمی کے لیے سوچنے کے قابل بھی ہے کہ خدانخواستہ خدانخواستہ ہم اپنی بے دینی سے، اپنی غفلت سے کہیں ایسے تو نہیں ہو گئے ہیں کہ ہمارا گلا اسی قابل رہ گیا ہو کہ مولا کی تلوار اس پر چلے ——؟ اتنی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ نام لینے والوں سے خوش نہیں ہوتے ہیں۔ یہ کام کرنے والوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر نام لینے والوں سے خوش ہو سکتے ہوتے تو جو بھی ان کا نام لے لیتا اس سے راضی ہو جاتے۔ لیکن ان کا اعلان ہے۔ صاف صاف اعلان ہے۔

—— کہا: "جاؤ اے جابر! جا کے کوفہ میں ہمارے شیعوں کو ہمارا سلام کہنا۔"

امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں کہ جاؤ جابر کوفے میں جا کے ہمارے شیعوں کو سلام کہنا اور ہمارا ایک پیغام دے دینا کہ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے فیملی والے تعلقات نہیں ہیں۔ وہ خدا ہے ہم بندے ہیں —— ٹھیک ہے اس نے ہم کو بہت عزت دی ہے۔ اس نے سارا کمال ہم کو دیا ہے لیکن تم کو یہ دھوکا نہ ہونے پائے۔ بس تم اتنا یاد رکھو کہ اگر تم خدا سے اپنا تعلق باقی رکھو گے تو ہم سے بھی تعلق باقی رہے گا، اور اگر تم خدا سے تعلق توڑ دو گے تو ہم سے بھی تمہارا تعلق ٹوٹ جائے گا۔ ہاں خدا سے تعلق باقی رکھنے کی تمہاری جتنی طاقت ہے، اتنی کوشش کرو، اس کے بعد جو کمی رہ جائے گی اس کمی کے لیے ہم کہیں گے: پالنے والے! اس نے کوشش کی تھی مگر یہ ہمارا ہے، لہٰذا جو غلطیاں ہیں اس کو معاف کر دے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچے فیل ہونے کے قریب آجاتے ہیں لیکن اگر ان کو ایک نمبر مل جائے، ڈیڑھ نمبر مل جائے تو پاس ہو جائیں گے۔ تو ممتحن کو، اگزامنر کو

یہ حق دیا جاتا ہے کہ اگر یہ دیکھ لیا کہ لڑکا اس قابل ہے کہ اس نے کوشش کی ہے مگر پیپر خراب ہو گیا ہے تو وہ اپنا حق استعمال کر کے ایک نمبر، ڈیڑھ نمبر، دو نمبر دے کے اسے پاس کر دے۔ تو یہ کس کے لیے ہو گا، اگر مثلاً سو میں ۳۳ نمبر پر پاس ہوتا ہے تو جو ۳۲ تک آگیا ہے، ساڑھے اکتیس تک آگیا ہے، ۳۱ تک آگیا ہے اسی کو تو یہ مارک ملیں گے اور جو نمبر تین پر بیٹھا ہے اس کو کتنے نمبر دیے جائیں گے۔ تو ہم کو یہ ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو اس قابل بنائیں کہ آلِ محمدؐ علیہم السلام ہماری شفاعت کر سکیں۔

اب میں اپنی ساری گزارشوں کا خلاصہ آخرِ کلام میں، ایک جملہ میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان ساری مجلسوں کا فقط ایک مقصد ہے کہ ہم اللہ سے ڈریں، اپنے کو دین دار بنائیں، گناہوں سے بچائیں اور اپنی سوسائٹی کو دیندار بنائیں۔ اسی میں خدا راضی ہے، اسی میں نبیؐ راضی ہیں، اسی میں امامؑ راضی ہیں۔
اور اس کے خلاف اگر ہم کام کرتے ہیں تو خدا بھی ناراض ہے، نبی بھی ناراض ہیں، امامؑ بھی ناراض ہیں ——— اپنے آپ کو دھوکا نہیں دینا چاہیئے کہ ہم ناجائز کام کرتے رہیں اور ہم نے فقط ایک مجلس کر لی یا ایک مرتبہ نوحہ پڑھ لیا، یا میں سمجھوں میں نے ایک مجلس پڑھ لی، میرے سارے گناہ دُھل جائیں گے۔ نہیں، سوال یہ ہے کہ میں نے مجلس پڑھی اس کا مجھے ثواب ملے گا۔ مگر مجھے یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ جس کی میں مجلس پڑھ رہا ہوں وہ خون میں کس لیے نہایا تھا۔ اس نے اتنے زخم کیوں کھائے تھے کہ وقت آخر امام حسین علیہ السلام جب امام زین العابدین علیہ السلام سے رخصت ہونے کے لیے آئے ہیں تو آپ نے جناب زینبؑ سے کہا:

"بہن! میں اپنے فرزند سے رخصت ہونے جا رہا ہوں تم میرے ساتھ چلو۔"

میرا دل چاہتا ہے کہ میں آقا سے پوچھوں کہ مولا! سید السجادؑ واقعہ کربلا میں ۲۲، ۲۳ سال کے ہیں، تو ۲۲، ۲۳ سال میں ہزاروں بار آپ ان کے پاس گئے ہیں یہ آپ کے پاس آئے ہیں۔ یہ آج جب آپ آخری مرتبہ ملنے جا رہے ہیں تو بہن کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟ تو امامؑ کا یہی جواب ہوگا کہ تمہارے لفظ میں خود ہی جواب موجود ہے کہ میں آخری مرتبہ ملنے جا رہا ہوں۔ اس ۲۳ برس میں ۲۳ ہزار مرتبہ مجھ سے ملے ہوں گے لیکن وہ آخری ملاقات نہیں تھی۔ لیکن جب میں بیٹے سے یہ کہوں گا کہ بیٹا! میں سر کٹانے جا رہا ہوں۔

——جب میں بیٹے سے یہ کہوں گا کہ بیٹا! میری شہادت کے بعد تم کو طوق پہننا پڑے گا۔

——جب بیٹے سے میں یہ کہوں گا کہ تم کو میری شہادت کے بعد میری لاش دیکھنا پڑے گی جس پر گھوڑے دوڑائے جا چکے ہوں گے۔

——تم کو میری شہادت کے بعد اپنی پھوپھیاں، مائیں اور بہنیں اس طرح دیکھنا پڑیں گی کہ کسی بچے کے چہرے پر طمانچے کے نشان ہوں گے اور کسی بی بی کی پیٹھ پر تازیانے اور کوڑے کا نشان ہوگا۔

تو جب میں یہ وصیتیں کر کے اور سمجھا کے چلوں گا تو سید سجادؑ بہت بے تاب ہو جائیں گے اور جب میں چلنا چاہوں گا تو جیسے جیسے میں ایک ایک قدم آگے بڑھاؤں گا سید سجادؑ بے چین ہوتے جائیں گے۔ کم سے کم تھوڑی دیر زینبؑ ان کے پاس بیٹھ تو جائیں گی تاکہ سید سجادؑ کی بے چینی کم ہو جائے۔

ہاں میرے مولا! آپ سے بہتر کون پہچان سکتا تھا اس بے چینی کو اسلیے کہ ہم نے خود کتاب میں پڑھا ہے کہ جب جناب علی اکبرؑ جا رہے تھے تو ان کے کان میں

آواز آرہی تھی جیسے کوئی پیچھے پیچھے دوڑتا ہوا آرہا تھا اور گر پڑا۔ اور جب پلٹ کے دیکھا تو امام حسین علیہ السلام تھے۔ کہا: "بابا!" اور گھوڑے سے اُتر پڑے۔

کہا: "بابا! آپ تو مجھے رُخصت کر چکے ہیں۔"

کہا: "ہاں بیٹا رخصت کر چکا ہوں، مگر رخصت کرنے کے بعد دل بہت بے چین ہو جاتا ہے"۔۔۔ تو حسینؑ جانتے تھے اکبرؑ جدا ہوں تو میرا دل بے چین ہو رہا ہے اور میرا جیسا چاہنے والا باپ اور امام جب سیّد سجّادؑ سے رُخصت ہوگا تو سیّد سجّادؑ کا دل بہت بے چین ہوگا۔ لہٰذا زینبؑ کو ساتھ لے گئے۔ اور جناب زینبؑ کے لیے میں یہی تصوّر کرتا ہوں کہ حسین علیہ السلام جب آگے بڑھ گئے ہوں گے تو زینبؑ بیٹھ گئی ہوں گی، سیّد سجّادؑ نے رونا شروع کیا ہوگا۔ جناب زینبؑ نے سیّد سجّادؑ کا سر اپنی گود میں لیا ہوگا اور کہا ہوگا: "بیٹا، بیٹا! آنسو روک لو، نہ رو، ابھی تم کو تو بڑے بڑے مراحل دیکھنا ہیں۔"

بس! ایک جملہ میں سُناؤں گا اور مجلس تمام کردوں گا۔ جب کبھی میں یہ سوچتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ زینبؑ کے دل میں ایک ساتھ دو باتیں آرہی ہوں گی۔ اے کیسے میں اپنے بچے کو چُپ کراؤں، اور اسی لمحہ یہ بھی خیال آتا ہوگا سیّد سجّادؑ کو اگر نہ چھوڑوں تو بھائی کو رخصت کیسے کروں۔۔۔ اللہ وہ کیسی صابر بہن تھی، کیسی وہ صابر بی بی تھی کیسی وہ صابر پھوپھی تھی جو سیّد سجّادؑ کو تسلّی بھی دے رہی تھی اور حسین علیہ السلام کو رخصت کرنے کے لیے بھی آرہی تھی۔

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝

اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ

مجلس (۲)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

قَالَ اللّٰہُ تبارَكَ وَتعَالیٰ :

تعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلاَ تعَاوَنُوا عَلَی الاِثْمِ وَالعُدْوَان ۵

صلوات

پروردگار عالم نے ہم کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ ہم نیکی اور تقوے میں ایک دوسرے کا سہارا بنیں، ساتھ دیں۔ اور گناہ، سرکشی اور نافرمانی میں نہ ساتھ دیں، نہ سہارا بنیں۔

میں نے بہت سی باتیں رفتہ رفتہ آپ کی خدمت میں بیان کیں اور اب تک میں نے جو کچھ آپ کے سامنے کہا ہے اس کا مقصد اور ماحصل یہی ہے کہ میرا اور آپ کا ہر جوان کا، ہر عورت کا، ہر بوڑھے اور ہر بزرگ کا یہ فریضہ ہے، یہ ڈیوٹی ہے کہ ہم ذاتی طور پر پہلے خود دیندار بنیں اور پھر ایسی سوسائٹی بنانے کی کوشش کریں جو دیندار ہو۔

آج اس سلسلہ میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر ہم اپنی اس بے دین سوسائٹی کو

دیندار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ ڈھونڈھنا پڑے گا کہ ہمارے اندر وہ کون سے ایسے خیالات پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر ہمارا ایمان سُن ہو گیا ہے، مفلوج ہو گیا ہے، جامد ہو گیا ہے کہ خدا کو بھی مانتے ہیں، نبیؐ کو بھی مانتے ہیں، بارہ اماموںؑ کو بھی مانتے ہیں ___ مگر زبان سے مانتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی خیال ہے کہ دل سے مانتے ہیں، مگر عمل سے نہیں مانتے ہیں ___ اگر ہمارے دل و دماغ میں، ہماری سوسائٹی میں کوئی ایسا خیال نہیں ہے جس نے ہمیں تھپک کے سُلا دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ قرآن دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی طرف ہمیں متوجہ کر رہا ہے اور ہم آرام سے گناہ کر رہے ہیں۔ وہ ہمیں جنّت کی بہاریں دکھا رہا ہے اور ہم میں کوئی شوق پیدا نہیں ہو رہا ہے۔

تو ہمیں اپنا مطالعہ کر کے، خود اپنی ذات، اپنی زندگی، اپنی سوسائٹی کی ریڈنگ کر کے وہ سبب معلوم کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کسی بیماری کا علاج اس وقت تک صحیح ممکن نہیں ہے جب تک بیماری کا سبب دریافت نہ کیا جائے۔

تو میں آج آپ کی خدمت میں اس سبب کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جس سبب سے یہ بات پیدا ہو گئی ہے، کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر حکم خدا نہیں مانتے ہیں، ہم نبیؐ کو مانتے ہیں مگر حکم نبیؐ نہیں مانتے ہیں، ہم بارہ اماموں کے نام پر جان چھڑکتے ہیں مگر ان کے احکام پر عمل نہیں کرتے ہیں ___

وہ کون سا خیال ہے؟ وہ خیال یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ میں میرے جیسے کمزور ذاکرین نے یہ خیال بٹھا دیا ہے کہ اگر ایمان صحیح ہے، عقیدے درست ہیں، تو ہم لاکھ گناہ کریں، ہم لاکھ سرکشیاں کریں، ہم لاکھ واجبات چھوڑیں، ہم لاکھ

حرام کاموں کا ارتکاب کریں، لیکن کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی دن ہم جنت میں پہونچ ہی جائیں گے ـــــــ بس یہی وہ خیال ہے اور یہی وہ غلط خیال ہے جس نے ہماری سوسائٹی کو، جیسے مارفین کا انجکشن دے کے انسان کے جسم کو سُن کر دیا جاتا ہے، ویسے ہی یہ خیال ہے جو مارفین کی طرح سے ہمارے عمل کو سُن کر رہا ہے۔

میں آپ کے سامنے اس بات کی پہلے وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے، بالکل حقیقت ہے، بالکل برحق ہے کہ جس کا عقیدہ غلط ہے، جس کا ایمان غلط ہے وہ جنّت کی بو نہیں سونگھ سکے گا۔ ہم نے کل بھی یہی کہا تھا، آج بھی کہتے ہیں اور کل بھی کہیں گے کہ یہ بات بالکل صحیح ہے جو خدا کو نہیں مانتا ہے وہ جنّت میں نہیں جا سکے گا۔ جو خدا کو مان کے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوںؑ کو نہیں مانتا ہے وہ جنت میں نہیں جا سکے گا۔ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو مان کے حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتا ہے وہ جنّت میں نہیں جا سکے گا۔ جو آپ کو آخری نبی ماننے کے بعد آپ کی جگہ پر مولائے کائنات، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ الصلواۃ والسّلام کو نبیؐ کا درمیان میں بغیر کسی فاصلہ کے خلیفہ نہیں مانتا ہے، امامِ اوّل نہیں مانتا ہے، ولایت کا علم کا مالک نہیں مانتا ہے، صاحب اعجاز نہیں مانتا ہے، معصوم نہیں مانتا ہے وہ بوئے جنّت نہیں سونگھ سکے گا۔

جو اللہ کو مانتا ہے، نبیؐ کو مانتا ہے، علیؑ کو مانتا ہے مگر بارہ اماموں میں سے کسی بھی امام کا انکار کرتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا، وہ جنّت میں نہیں جا سکتا۔ اگر خدا کا ماننے والا اور نبیؐ کا نہ ماننے والا دوزخ میں جائے گا تو خدا و نبیؐ دونوں کا ماننے والا اور علیؑ کو نہ ماننے والا بھی دوزخ میں جائے گا۔ اگر خدا، نبیؐ اور علیؑ کا ماننے والا

امام حسنؑ کا انکار کردے گا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔ اگر خدا سے لے کر امام حسنؑ تک مانے گا مگر امام حسینؑ کا انکار کردے گا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

اگر خدا سے لے کر امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام تک سب کو مانے گا لیکن امام موسیٰ بن جعفرؑ کا انکار کردے گا وہ بھی دوزخ میں جائے گا

جو امام موسیٰ بن جعفرؑ کو مانے گا لیکن امام علی رضاؑ کو نہیں مانے گا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

جو خدا سے لے کے نبیؐ تک اور نبیؐ سے لے کے علیؑ تک اور علیؑ سے لے کے امام حسن عسکریؑ تک سب کو مانے گا مگر امام زمانہ عج کو نہیں مانے گا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جس میں کوئی شک و شبہ ہو ——

یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کے ساتھ قرآن مجید کی درجنوں آیات ہیں جو ہم دلیل میں پیش کر سکتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیثیں ہیں جو ہمارے علماء نے بھی لکھی ہیں اور دوسرے علماء نے بھی لکھی ہیں جو یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ اگر ان عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی چھوڑ دے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بارہ اماموں کو مان لینے کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے، ایسا شخص جنت میں نہیں جاسکے گا۔ جو یہ مانتا ہے کہ زندہ ہوں گے مگر حساب و کتاب نہیں ہوگا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ جو حساب و کتاب کو مانتا ہے مگر یہ بھی مانتا ہے کہ سب کے سب حساب کے بعد جنت ہی میں بھیج دیے جائیں گے دوزخ کا کوئی وجود نہیں ہے وہ بھی

جنّت میں نہیں جائے گا۔

میں اس ساری تفصیل میں اس لیے گیا ہوں کہ میں جو اگلی باتیں کہنا چاہتا ہوں ان میں ذہن الجھنے نہ پائے۔ میں جانتا ہوں اور انسان کی اس سایکولوجی سے واقف ہوں، نفسیاتِ انسانی سے باخبر ہوں کہ اگر کسی بات میں عمل سے روکنا ہوتا ہے تو عمل سے روکنے کا بہترین راستہ یہ ہوتا ہے دشمن کی طرف سے کہ بحث میں بات الجھادی جائے۔ جب بحث میں بات اُلجھادی جاتی ہے تو پھر عمل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ تو میں اتنے مضبوط راستے سے بات کہنا چاہتا ہوں کہ بات بحث میں الجھائی نہ جاسکے، ہمارے مجمع کے ذہن کو اگر بحث میں الجھایا نہیں جاسکا تو جس دین کے راستے کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں، انشاءاللہ اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔

تو میں نے اجمالی طور پر آپ کے سامنے عقیدوں کا تذکرہ کیا۔ اگر ان میں سے کوئی عقیدہ بھی کوئی نہیں مانتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا، یقیناً دوزخ میں جائے گا۔ اس کا شمار دنیا میں چاہے مسلمانوں میں ہوتا ہو، کسی طبقے میں ہوتا ہو لیکن وہ مرنے کے بعد کافر قرار پائے گا اور وہ اس دُنیا میں بھی نجس قرار پائے گا۔ اس کے لیے وہی احکام ہوں گے جو کافروں کے احکام ہوں گے

یہ بات میں یہاں تک لاکر ایک جملہ مکمل کرنا چاہتا ہوں ــــ یعنی دین کے دو حصّے ہیں پہلے حصّے کا نام ہے اصولِ دین جو خدا سے شروع ہوتا ہے اور ــــ عقیدۂ قیامت پر جاکے ختم ہوتا ہے۔ اس میں بہت سی باتیں ہیں جو میں کہنے کے باوجود بھی نہیں کہہ سکتا۔ مثال کے طور پر سب مان لیں مگر قرآن کو اللہ کی کتاب نہ مانیں۔ یا سب مان لیں مگر کعبہ کو قبلہ نہ مانیں ــــ تو یہ سب دوزخ ہی میں جانے کے لائق ہیں۔

تو میں بات کی تفصیل کو یہ کہہ کے مکمل کرنا چاہتا ہوں کہ جن چیزوں کا ماننا واجب ہے

ان کا نام اصولِ دین ہے، جن کا دلیل سے سمجھنا ضروری ہے ــــ یعنی ہم کسی کو بتا سکیں کہ یہ عقیدہ ہم کیوں رکھتے ہیں۔ جب ہم کیوں کی وجہ بتا سکیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے دلیل سے مانا ہے۔

اس کے بعد دین کا دوسرا حصّہ شروع ہوتا ہے جس کا نام ہے فروعِ دین ــــ فروعِ دین کی صورت کیا ہے کہ وہاں ہم کو اللہ کا، نبیؐ کا، امامؑ کا حکم سُن کے عمل کرنا ہے۔ بس یہ وہ جگہ ہے جو آج میری تقریر کا خاص موقع اور محل ہے۔

صلوات

میں اپنے دوستوں کے سامنے، بزرگوں کے سامنے، بھائیوں کے سامنے، بچّوں کے سامنے، بہنوں کے سامنے، بیٹیوں کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی دماغ میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ہم نے عقیدے صحیح کر لیے ہیں، اللہ سے لیکر قیامت تک ہم سب چیزیں مان رہے ہیں تو ہم ضرور جنت میں جائیں گے۔ میں آپ کے سامنے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے، بالکل غلط ہے۔ قرآن اس خیال کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ ارشاداتِ معصومینؑ اس خیال کی مخالفت کرتے ہیں۔ اصولِ دین کو ماننا اور فروعِ دین کو چھوڑ دینا، یہ کہیں سے اسلام میں جائز نہیں ہے۔

میں آپ کے سامنے ثبوت کے طور پر قرآن مجید کی دو آیتیں پڑھنا چاہتا ہوں جو آپ کو یہ بتائیں گی کہ صحیح عقیدے والا اپنے عمل کی بنا پر جہنم میں جائیگا اور دوزخ میں ایسا جائیگا کہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ جو تصور ہمارے سماج میں پیدا کیا گیا ہے، سوسائٹی کو غلط سمجھایا گیا ہے کہ ہم نے اگر عقیدے صحیح مان لیے تو کسی نہ کسی طرح ایک نہ ایک دن جنت میں پہنچ ہی جائیں گے ــــ نہیں! قرآن مجید

کی میں ایک آیت پڑھ کے ہر سننے والے کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی اس کے خلاف دلیل بتا سکے تو بتائے تاکہ میں اپنے خیال میں ترمیم کرنے کی کوشش کروں۔ عزیزانِ گرامی! قرآن مجید کی ایک آیت ہے :

مَن قَتَلَ مُؤمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَآءُہٗ جَھَنَّمُ خَالِداً فِیھَا ؕ

جو شخص جان بوجھ کر، کسی مومن کو عمداً قتل کر دے، ایسا مومن کا قتل کرنے والا اس کی جزا دوزخ ہے۔ ایسی دوزخ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر ایک کافر نے مومن کو قتل کر دیا تو وہ دوزخ میں رہے گا، اس کے دوزخ میں رہنے کے لیے اس کا کافر ہونا کافی ہے۔ ایک غیر اثنا عشری نے کسی مومن کو معاف کر دیا چوں کہ اس کے عقیدے، اصولِ دین صحیح نہیں ہیں اسے تو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے تو جب ان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے تو یہ قرآن کس کے لیے کہہ رہا ہے —؟ قرآن نے ایک بات کہی :

مَن قَتَلَ مُؤمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَآءُہٗ جَھَنَّمُ خَالِداً فِیھَا

"جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر، عمداً قتل کر دے اس کی جزا یہ ہے کہ وہ دوزخ میں رہے گا، ہمیشہ ہمیشہ رہے گا"—

یہاں جتنے بیٹھے ہوئے ہیں، جہاں تک میری آواز جا رہی ہے، میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک پکّے ایمان والا اثنا عشری ہے، عقیدے میں کہیں سے کوئی خرابی نہیں ہے نبیؐ کے بارے میں، اماموں کے بارے میں، شریعت کے بارے میں کسی چیز کا اسے انکار نہیں ہے لیکن خدانخواستہ اس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر دیا تو وہ دوزخ میں جائے گا یا نہیں جائے گا۔؟ قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں کیا فیصلہ ہوگا؟ یہی فیصلہ ہوگا کیونکہ اس نے مومن کو قتل کیا ہے لہٰذا پکے ایمان کے باوجود بھی

اسے دوزخ میں رہنا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔

اب آپ بتائیے۔ میرے جیسے ذاکر کی نکتہ آفریں مجلس کے ذریعہ اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ ہم لاکھ گناہ کریں لیکن اگر ایمان پکا ہے تو ہم کسی نہ کسی دن جنت میں پہونچ ہی جائیں گے۔ قرآن صاف صاف اعلان کر رہا ہے: تمھارے عقیدے لاکھ صحیح ہوں لیکن اگر تم سے جُرم سرزد ہو گیا کہ تم نے مومن کو قتل کر دیا اور دُنیا سے اس خطا کی توبہ کیے بغیر مر گئے تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ عمل کی اتنی اہمیت ہے کہ عقیدے بھی کبھی کبھی نہیں بچایا کرتے۔

میں قرآن مجید کا دوسرا فقرہ پڑھنا چاہتا ہوں کہ زندگی میں ساتھ رہنے والے ایک فیملی، ایک خاندان میں رہنے والے، ایک محلہ میں رہنے والے، ایک شہر میں رہنے والے، ایک فیکٹری، ایک کارخانے اور آفس میں ساتھ کام کرنے والے مرنے کے بعد تقسیم ہو جائیں گے۔ کیسے تقسیم ہوں گے؟ وہاں دو ہی قسمیں ہیں یا مرنے والا مرنے کے بعد جنت میں جائے گا یا مرنے والا مرنے کے بعد دوزخ میں جائے گا ــــ تو زندگی میں ساتھ رہتے تھے رشتہ دار تھے، عزیز تھے، دوستی تھی۔ ایک سوسائٹی تھی ــــ یہ پہونچا جنت میں، وہ پہونچا دوزخ میں۔ تو قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ زندگی کے ساتھی جب اپنے ساتھیوں کو دوزخ میں دیکھیں گے تو ان سے پوچھیں گے:

"مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ؟"

"تم تو ہمارے ساتھ دُنیا میں رہتے تھے۔ تمہارے کون سے کام ہیں جو تم کو دوزخ میں لے گئے۔؟"

بات آپ کو یاد ہے؟ جس پوائنٹ پر میں نے گفتگو شروع کی ہے، اس بُنیادی بیسک پوائنٹ پر آپ کی نگاہ رہنا چاہیئے کہ مکمل ایمان کے باوجود عمل آدمی کو دوزخ میں لے جاتا

ہے یا نہیں لے جاتا ہے۔ اگر عمل دوزخ میں نہیں لے جاتا ہے تو پھر قرآن کی اس آیت کا مطلب کیا ہوگا اور اگر قرآن کی اس آیت کا مطلب صحیح ہے تو پھر ہم کو اپنے دماغ سے یہ خیال نکال دینا پڑے گا کہ فقط عقیدہ کافی ہے۔ نہیں! عقیدے کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے اور بے حد ضروری ہے۔

"مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ" ___ یہ جنت میں جانے والے اپنے دوزخی ساتھیوں سے پوچھیں گے کہ تمہارے کون سے کام ہیں جو دوزخ میں لے گئے؟ تو ان کا پہلا جواب ہوگا:

"لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ"

ہم دوزخ میں اس لیے آئے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے! ___ اب کسی کا فتویٰ بچائے گا یا قرآن کا بیان سُنیں گے۔ آپ یقین مانیے کہ مجمع کو یہ کہہ کے خوش کرنا تو بہت آسان ہے کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو جنّت میں تو پہنچنے ہی والے ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ میں ایسی بات کہہ کے خود اپنے لیے دوزخ میں جگہ بنا رہا ہوں ___!!

کیوں ___؟

اس لیے کہ قرآن مجید صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ زندگی میں ساتھ رہنے والے ___ ایک جنت میں گیا، ایک دوزخ میں گیا۔ جنت والے نے پوچھا:

"تم دوزخ میں کیوں گئے"؟

بات میں سُنا چکا، دُہرا کیوں رہا ہوں؟ وجہ سُنیے۔ یہ سوال ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے؟ جنت والے دوزخ والوں سے یہ سوال کر چکے یا کرنے والے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ ابھی نہ کوئی جنت میں گیا ہے اور نہ کوئی دوزخ میں گیا ہے۔ جو زندہ ہیں وہ زندہ ہیں جو مر گئے ہیں وہ عالمِ برزخ میں ہیں ___ تو عالمِ برزخ والے

یا وادی السلام میں ہیں یا وادی برہوت میں ۔ نہ کوئی جنت میں ہے نہ کوئی دوزخ میں ہے ۔۔۔ تو معلوم ہوا ابھی نہ کوئی جنت میں گیا ہے اور نہ دوزخ میں گیا ہے ۔

تو نہ جنّتی سوال کر رہے ہیں اور نہ دوزخی جواب دے رہے ہیں ۔

پالنے والے! تو قرآن مجید میں ایسے کیوں بیان کر رہا ہے ؟

کہا: دیکھو! جب جنّتی پوچھیں گے اور دوزخی بتائیں گے تو وہ ایک واقعہ ہو گا اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا ۔ میں رحمٰن خدا ہوں ، میں رحیم خُدا ہوں ، میں ارحم الراحمین خدا ہوں ۔ کل پیش آنے والے واقعہ کو میں آج بتانا چاہتا ہوں تاکہ مرنے سے پہلے آنکھ کھُل جائے ۔ موقع نکلنے سے پہلے سمجھنے کی جگہ مل جائے ۔ اسلیے جو سوال و جواب کل ہونے والا ہے وہ خدا آج ہمیں سُنا رہا ہے ۔

تو پہلا جواب کیا ہے ؟ لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ

"ہم دوزخ میں اس لیے آئے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے ۔"

اب آپ بتائیے قرآن مجید کی اس صاف صاف ، صریحی بات کے بعد کون آدمی ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ عقیدہ صحیح رہے اور نماز نہیں پڑھیں تو بھی ہم جنّت میں پہونچ جائیں گے ۔

پُوچھا: "اور کون سے کام تم نے کیے جن کی بنا پر تم دوزخ میں آئے ؟"

کہا: "دوسرا کام ہم یہ کرتے تھے کہ ہمارے سامنے غریب اور بھوکے آتے تھے ۔ لیکن ہم ان کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ۔"

ان لفظوں کو ایک وسیع مفہوم کی روشنی میں سمجھیے گا ۔ اللہ نے کہا :۔ "یہ دوزخی کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ دنیا میں رہتے تھے مگر ہم اس لیے دوزخ میں آئے کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی ۔۔۔ اور اس لیے دوزخ میں آئے کہ ہم نے غریبوں کے حقوق ادا نہیں کیے ۔۔۔ " وَكُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِيۡنَ " ط

اصل فقرہ یہ ہے سننے کے قابل، جس کو مجھے سنانا ہے۔ یہ دوزخ میں جانے والے اپنے جنتی ساتھیوں کو جب بتائیں گے کہ ہمارے کون کون سے کام، کون کون سے کرتوت ہم کو دوزخ میں لائے ہیں، تو ان کا تیسرا فقرہ یہ ہوگا کہ ہم حد سے گزر جانے والوں کے ساتھ سوسائٹی میں اس طرح شریک ہوتے تھے کہ جہاں تک وہ حد سے گزرتے چلے جاتے تھے ہم ان کا ساتھ دیتے چلے جاتے تھے"

یہ قرآن مجید کا عجیب و غریب فقرہ ہے جو اتفاق کی بات یہ ہے کہ آج کی ہماری سوسائٹی پر بالکل سو فیصدی، سینٹ پرسینٹ فِٹ ہوتا ہے۔ ہماری زندگی میں ایسے نمونے ملیں گے:— غریب، مسجدوں میں آنے والے دینداروں کے درمیان اگر کسی نے خدا کے بارے میں، نبیؐ کے بارے میں، امامؑ کے بارے میں ذرا سا بھی، ادنیٰ سا، چھوٹا سا بھی بے ادبی کا لفظ کہہ دیا تو سب طرف سے آواز آئے گی:

"اَستَغفِرُاللّٰہَ، اَستَغفِرُاللّٰہَ، لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہ — توبہ کرو، یہ تم نے کیا کہا"— ایسی سوسائٹی۔

اب ذرا وہاں چلیے جہاں لائن سے آئی، اے، ایس افسران بیٹھے ہیں، لیڈرس بھی بیٹھے ہیں، صاحبانِ دولت بھی بیٹھے ہیں — وہاں باتیں شروع ہوئیں تو ایک نے نماز کا مذاق اڑایا، دوسرے نے روزے کا مذاق اڑایا...... تو اب وہاں مقابلہ کس چیز کا ہے کہ جب دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو اس نے ایک بات کہی ہے، بڑا انٹلی جینٹ آدمی ہے تو ہم پیچھے کیوں رہ جائیں، ہم بھی کوئی بات کہیں گے۔

ایک صاحب نے ہم سے پوچھا کہ "جناب! یہ حدیث ہم نے سُنی ہے کیا صحیح ہے؟"

ہم نے کہا: "صحیح یا غلط تو بعد میں بتائیں گے پہلے یہ بتائیے کیا حدیث سُنی ہے۔"

کہا: "یہ سُنا ہے کہ جو آدمی حج کرے اللہ اس کے سارے پچھلے گناہ معاف

کر دیتا ہے"۔

ہم نے کہا: "ہاں صحیح ہے، بالکل صحیح ہے"۔

کہا: "تو پھر ہم لوگوں نے یہ طے کیا ہے کہ سال بھر ڈٹ کے، اطمینان سے گناہ کرو۔ اپنے لیے نہ فارن کرنسی کا کوئی پرابلم ہے، نہ جہاز کے ٹکٹ کی کوئی زحمت ہے گئے۔ حج کیا، سال بھر کے گناہ دُھل گئے"۔

تو میں نے ان سے کہا کہ آپ نے اپنی ذہانت کا اظہار تو کر دیا، مگر آپ یہ بھول گئے کہ آپ کا واسطہ کس سے ہے؟ قانون کے ہاتھوں جو حکومت مجبور ہوتی ہے، جو قانون کے لفظوں کو نہیں ہٹا سکتی ہے، وہ چاہے ظلم ہو۔ اس حکومت کو آپ جیسے چاہیں قانون کے ذریعہ دھوکا دے دیں۔ مگر اتنا یاد رکھیے گا کہ یہ حج اور گناہ کی معافی کا معاملہ اس خدا سے ہے جو خبیر بھی ہے، جو قدیر بھی ہے، جو علیم بھی ہے۔ تو اتنا یاد رکھیے گا کہ حج جب کردار ہو گا تب قبول ہو گا، جب کاروبار ہو گا تب قبول نہیں ہو گا۔

صلوات

اُس نے اگر یہ کہا ہے کہ آدمی اگر حج کرے گا تو ہم سارے پچھلے گناہ معاف کر دیں گے، تو اگر آپ اس حدیث کا یہ مطلب لینا چاہتے ہیں کہ سال بھر ڈٹ کر گناہ کرو حج کر کے سارے گناہ معاف کرا لیں گے، تو اتنا یاد رکھیے گا کہ جس کو قانون بنانے کا حق ہوتا ہے اسے قانون بدلنے کا بھی حق ہوتا ہے، جس کو قانون بنانے کا حق ہوتا ہے اس کو قانون کی تشریح کرنے کا بھی حق ہوتا ہے، جس کو بولنے کا حق ہوتا ہے اس کو اپنی بات سمجھانے کا بھی حق ہوتا ہے۔ خدا صاف صاف اعلان کرے گا کہ میں ان کے گناہ معاف کروں گا جو حج کرنے آتے ہیں گناہ معاف کرانے کے لیے۔ ان کے گناہ معاف

نہیں کروں گا جو حج کرنے آتے ہیں گناہ کرنے کے لیے۔

تو یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں، میں بہت کچھ سُنا سکتا ہوں لیکن یہ کیا ہوتا ہے، یہ وہی ہوتا ہے :- کُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِینَ۔- جب حدود سے گزر کے باتیں کرنے والے باتیں کرتے ہیں تو یہ لوگ بڑھ چڑھ کے حصّہ لیتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ انگلینڈ اور امریکا ہی میں ایسے پائے جائیں، اپنے پیارے ہندوستان میں کسی مال کی پیداوار میں کوئی کمی نہیں ہے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا ہے، کسی غیر سے نہیں سنا ہے ــــــ

سُوکھا پڑ گیا ہے، پانی نہیں برس رہا ہے، کھیتیاں سُوکھ رہی ہیں۔ بمبئی والے بھی جانتے ہیں کہ سُوکھا کیسا پڑتا ہے۔ ہم یو۔پی والے تو، سُوکھا پڑتا ہے تو زیادہ سے زیادہ بھی سوچتے ہیں کہ اب کی فصل نہیں اُگے گی، اب کی غلہ مہنگا ہو جائے گا۔ اب کی مثلاً ایک وقت پیٹ کاٹ کے روٹی بچانا پڑے گی ایک وقت کی کھانا پڑے گی ــــــ لیکن بمبئی میں جب سُوکھا پڑتا ہے تو حکومت اعلان کرتی ہے کہ اب جھیلوں کا پانی گھٹ رہا ہے ہم پانی فراہم نہیں کر سکتے ہیں، اسپیشل ٹرینیں فراہم کر سکتے ہیں کہ بمبئی والے وہاں چلے جائیں جہاں پانی ہے ــــــ تو سُوکھا بڑی مصیبت ہوتا ہے۔ تو سُوکھا پڑ گیا۔ لوگوں نے دُعائیں کیں ــــــ ہر شخص نے دُعا کی۔ پانی برسنے لگا ــــــ

اب اتنا برسا، اتنا برسا کہ سیلاب آ گیا ــــــ ایک طرف سُوکھا تھا اور ایک طرف سیلاب آ گیا ــــــ تو ایک صاحب نے اپنے خیال میں اپنی ذہانت خدا پر صرف کی۔ کہا: عجب بات ہے پہلے سُوکھا تھا اب سیلاب آ گیا۔

کہنے لگے: "جناب! اس میں خدا کی کچھ ذمّہ داری نہیں ہے، غلطی ہماری ہے۔"

اب ہر سننے والا متوجہ ہو گیا کہ جب خدا کی ذمّہ داری نہیں ہے، غلطی ہماری ہے

تو کوئی بڑی قابلِ قدر بات کہنے والے ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد وہ ملعون بات کہی اس شخص نے ـــ کیا کہا؟

کہا: "اصل میں ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے دُعا زیادہ کر دی ہے"۔

اس کا مطلب سمجھے آپ؟ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ اس ملعون کہنے والے کی نگاہ میں نہ خدا کچھ سمجھتا ہے، نہ خدا کچھ جانتا ہے۔ وہ گویا کہ غفلت میں بیٹھا ہوا تھا۔ پانی نہیں برساتا تھا۔ جب بندوں نے چیخ پکار شروع کی ـــ "پالنے والے! پانی برسا دے ـــ پانی برسا دے ـــ" تو گویا معاذ اللہ ایک مرتبہ چونکا کہ پانی برسانا چاہیے ـــ چونکہ ہم نے دُعا زیادہ مانگ لی تھی لہٰذا اس نے پانی زیادہ برسا دیا ـــ یہ گویا خدا کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ یہ کسی کافر کا ذکر نہیں ہے، یہ کسی ناصب کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اثنا عشری "مومنین" ہوتے ہیں۔ جو ایڈوانس ہوتے ہیں، ترقی یافتہ ہوتے ہیں ـ ذرا ان کی جیبیں بھری ہوتی ہیں۔ ذرا ان کے دماغ میں فرعونیت کا نشہ ہوتا ہے۔

آج کی سوسائٹی میں آپ دیکھیں تو کروڑپتی کو خوشامد کر کے بُلایا جائے گا ـــ حضور ایک پیالی چائے ہی پی لیجیے! ـــ آپ فقط تشریف لے آئیں! ـ وہ کہتے ہیں، ہم بزی ہیں، پروگرام میں گنجائش نہیں ہے ـــ یہ کہتے ہیں، کسی طرح ٹائم نکال لیجیے، اور جتنے ان کے گرد گھوم رہے ہیں ان سب کے پاس جا رہے ہیں ـ ذرا ہمارے لیے بھی موقع نکال لیجیے ـــ

تو میں ایک جُملہ کہا کرتا ہوں، دو ہوتے ہیں ـــ ایک آدمی جو گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ ایک گھوڑا جس پر آدمی ..... میں نے بڑے احترام سے گھوڑے کا نام لیا ہے ورنہ گھوڑے کی جگہ پر گدھا بھی ہوتا ہے۔ تو گدھے کا کام ہے سواری دینا

آدمی کا کام ہے سواری لینا ـــــ تو اس دُنیا میں وہ کیرکٹر بھی ہے جو ناک میں لیتے ہیں جس پر سواری لی جائے، اور اس دُنیا میں وہ احمق اور بے وقوف بھی ہیں جو سواری دینے میں عزّت سمجھتے ہیں۔

ایک آدمی دلی سے آیا ہے۔ وہ دن بھر بمبئی میں دس جگہ جائے گا تو چار لفظیں کہے گا، ہار پھول پہنے گا چلا جائے گا۔ اب ہم بھی دیکھیں گے، بھیڑ لگائے ہیں۔ ہمارا ہار بھی گلے میں پڑ جائے ـ ارے ہار گلے میں پڑتے وقت اس کے دل میں نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ ویسے ہی دس دس آدمی ہار ڈال چکے ہیں تم دفع ہو کسی طرح۔ بچّے گھر میں بھوکے ہیں، ہم ان کی بھوک کے بجائے ۵۵ رُوپے کا ہار خرید کے لائے ہیں کہ نیتا جی کے گلے میں ڈال دیا جائے۔ اس سے بڑے ہیں، کہا گھر پر آجائیں، فقط اتنے کے لیے کہ فلاں لیڈر، فلاں منسٹر ہمارے دروازے پر آیا تھا ـــــ تو یہ کیرکٹر جو ہے، یہ رول جو ہے تو یہ وہی ہے کہ یہ وہ گدھے ہیں جن کا ذوق ہے سواری دینا ـــ اور وہ عقل مند ہیں، چالاک ہیں جن کا رول ہے، کیرکٹر ہے سواری لینا۔

بھائی یہ احمق اور بے وقوف والی باتیں ہیں، تو میں ان تفصیلات میں آپ کے سامنے زیادہ وقت خرچ نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان حقیر انسانوں کو دیکھ کر ہم ان کے سامنے جھکنے پر تیار ہو جاتے ہیں اور ایسے انسان جب بیٹھتے ہیں تو ـــ اثنا عشری ہونے کے باوجود، مسلمان ہونے کے باوجود ـــ خدا کا مذاق اڑاتے ہیں، دین کا مذاق اڑاتے ہیں۔ میرے سامنے خود پوچھنے والے پوچھتے ہیں کہ:

"جناب! یہ جو تحفۃ العوام میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں تسبیح پڑھو تو زندگی کے فلاں گُناہ معاف ہو جائیں گے ـــــ یہ باتیں کیا صحیح ہیں؟"

ہم نے کہا: "ہاں صحیح ہیں" ـــ کہا: "پھر کیا ضرورت ہے حلال، حرام

نجس، پاک ساری زندگی کا جنجال پالنے کی؟ ہم تسبیح پڑھ لیا کریں گے، گناہ معاف ہو جائیں گے" ___ لیکن انھیں یاد نہیں ہے کہ امامؑ نے ایسے ہی دماغوں کی اصلاح کے لیے کہا تھا جس آدمی نے روٹیاں چرائی تھیں اور پھل چرائے تھے اور جا کر کے اس نے غریبوں میں تقسیم کر دیا تھا، اور امامؑ نے اسے ٹوکا تھا کہ "یہ تم چوری کر کے جو خیرات کر رہے ہو اس کا کیا فائدہ ہوا؟"

کہا: تم آلِ محمدؐ میں سے ہو، تمھارے گھر میں قرآن اترا ہے اور تمھیں قرآن کے معنی معلوم نہیں ہیں۔؟

فرمایا: تو ٹھیک ہے۔ تم مجھے بتاؤ کیا معنی معلوم نہیں ہیں۔

کہا: قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ گناہ کی ایک سزا ملے گی اور نیکی کے دس ثواب ملیں گے۔ تو ہم نے چار چیزیں چرائی ہیں یعنی ہم نے چار گناہ کیے ہیں لیکن ہم نے چاروں چیزوں کو خیرات کر دیا ہے، تو چالیس ہم کو ثواب مل گئے، چار مائنس ہو جائیں گے، ۳۶ ثواب رہ جائیں گے۔

تو امامؑ نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے یہ تم کو چالیس ثواب تب ملیں گے جب یہ تمھاری چاروں خیراتیں قبول ہو جائیں گی اور اللہ کہتا ہے:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝

اللہ فقط ان کے اعمال قبول کرتا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جو خدا کے احکام مانتے ہیں، جو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں ___ تو تمھاری خیرات تو قبول ہوئی نہیں لہٰذا چالیس ثواب تو نہیں ملے مگر چار گناہوں کی سزا تمھارے نامۂ عمل میں لکھی گئی۔

تو ٹھیک ہے تحفۃ العوام میں لکھا ہے برحق لکھا ہے، صحیح لکھا ہے کہ اس تسبیح کے پڑھنے

والے کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے ـــــ مگر کس کے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ جس نے اپنے گناہ معاف کرانے کے لیے توبہ پہلے کی ہوگی، تقویٰ اختیار کیا ہو گا اور پھر اپنے گناہوں کی معافی کے لیے جو توبہ کی ہے وہ قبول ہو جائے اس کے لیے بطورِ سفارش تسبیح پڑھی ہوگی۔

صلوات

میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں، یہ بات میری بیٹیوں اور میرے بیٹوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی دُعا ہو، کوئی تسبیح ہو، کوئی عمل ہو، کوئی تعویذ ہو، کوئی کارِ خیر ہو کبھی یہ نہ سوچیے گا کہ اس میں اتنی طاقت ہے کہ یہ خدا کو مجبور کر دے۔ دُعا اس کی بتائی ہوئی ہے، تسبیح اس کی بتائی ہوئی ہے ـــــ تو یہ تسبیحیں اس سے مانگنے اور مانگ پوری کرانے، راضی کرانے کا ذریعہ ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ تسبیح اگر ہم پڑھ دیں گے تو خدا مجبور ہو جائیگا۔ اس بات کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم خدا کا مذاق اُڑا رہے ہیں، ایمان ہی نہیں رکھتے ہیں۔

صلوات

تو بات کہاں سے شروع ہوئی۔ بات یہاں سے شروع ہوئی کہ یہ جو ہمارے سماج میں خیال پیدا کر دیا گیا ہے کہ اگر ایمان پکّا ہے، اُصول دین صحیح ہیں مگر عمل میں ہم زیرو ہیں تو کسی نہ کسی طرح، ایک نہ ایک دن جنّت میں پہونچ ہی جائیں گے ـــــ نہیں! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جیسے اصولِ دین پر یقین ضروری ہے، ویسے ہی فروعِ دین پر عمل بھی ضروری ہے۔

میں نے آپ کے سامنے دو آیتیں پڑھیں کہ مومن کا قاتل ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ میں نے آپ کے سامنے دوسری آیتوں کا سلسلہ پڑھا کہ جنّت میں جانے والے دوزخ میں جانے والے ساتھیوں سے پوچھیں گے کہ کون سے کام ہیں

جو تم کو دوزخ میں لے گئے۔ تو وہ کہیں گے کہ پہلا کام یہ ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، دوسرا کام یہ ہے کہ ہم غریبوں کو اپنے دروازوں سے واپس کر دیتے تھے۔ اس بات کی میں تشریح کر رہا تھا۔ لیکن جو لکھ پتی اور کروڑ پتی ہیں جنھوں نے حلال و حرام سے اتنا بینک بیلنس کیا ہے کہ ہندوستان میں رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ ہندوستان سے باہر چھپا کے رکھتے ہیں، ان کو ہم خوشامد کر کے بلاتے ہیں، ایک پیالی چائے پی لیجیے — اور جو دو دن کا بھوکا آتا ہے اس سے ہم کہتے ہیں کہ مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی ہے، جاؤ سویرے سے دس آدمی آچکے ہیں — تو غریبوں کو واپس کیا جاتا ہے اور پیٹ بھروں کو بلایا جاتا ہے۔ یہ قرآن کا وہ نقشہ ہے جو بتا رہا ہے کہ چوں کہ ہم غریبوں کا حق ادا نہیں کیا کرتے تھے لہٰذا ہم کو دوزخ میں آنا پڑا — "وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ" اور حدوں سے گزرنے والے، باتیں بنانے والے، مذہب کا مذاق اڑانے والے جب باتیں کرتے تھے تو ہم ان کی باتوں میں دل چسپی لے کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ تو نتیجہ کیا ہوا کہ یہ دوزخ میں گئے۔

اور آخری فقرہ یہ ہے کہ: یہ نماز کا نہ پڑھنا، یہ غریب کو بھوک سے بلکتے ہوئے تڑپتے ہوئے دیکھنا اور کھانا نہ دینا، دینِ خدا و نبیؐ و امامؑ کا مذاق اڑایا جانا اور مذاق میں دل چسپی لینا — اصل میں بات یہ تھی کہ ہم کو یہ یقین ہی نہیں تھا کہ مریں گے، نامۂ عمل سامنے آئے گا اور حساب و کتاب ہوگا۔

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ تصوّر کہاں سے پیدا ہوا کہ خدا کو مانیں اور باقی باتیں نہ مانیں۔ نبیؐ کو مانیں اور نبیؐ کی باتوں کو نہ مانیں، امامؑ کو مانیں امامؑ کی باتوں کو نہ مانیں، آخرت کو مان لیں مگر آخرت سے نہ ڈریں اور ہم جنت میں پہونچ

جائیں گے۔ نتیجہ یہی نکلے گا کہ ہم کو اصل میں یقین ہی نہیں ہے کہ مرنا ہے اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

میں آپ کے سامنے ایک نہیں جتنے شواہد، جتنی دلیلیں کہیے، پیش کر سکتا ہوں۔ اب آپ کے سامنے بیان کو روکتے ہوئے دو چار ضروری باتیں کہنا چاہتا ہوں

—— جو یہ کہے کہ نماز واجب نہیں ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

—— اصولِ دین میں پکّے ایمان کے بعد بھی جو یہ کہے کہ نماز واجب نہیں ہے وہ کافر ہو جاتا ہے، وہ نجس ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کافر ہو جاتا ہے اور نجس ہو جاتا ہے تو اس کی مسلمان بیوی اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ ہم اس چکّر میں پڑے ہیں کہ خالی ایمان کافی ہے۔ وہاں فروعِ دین کی اتنی اہمیت ہے۔

میں ایک لفظ کہہ دینا چاہتا ہوں تاکہ مثالوں میں وقت خرچ نہ کرنا پڑے —— ضروریاتِ اسلام ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن باتوں کو ہمارے سارے مسلمان مانتے ہیں۔ چاہے ان کا تعلق اصولِ دین سے ہو، چاہے ان کا تعلق فروعِ دین سے ہو۔ سارے مسلمان جن چیزوں کو مانتے ہیں اگر ان میں سے کوئی آدمی کسی چیز کا انکار کر دے تو وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ مسلمان ہونے کے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، نبیؐ کو مانتے ہیں، عقیدۂ آخرت کو مانتے ہیں۔ یہ مان کے مسلمان ہو گیا۔ لیکن یہ کہے کہ میں نماز کو واجب نہیں مانتا ہوں۔ تو چونکہ دُنیا کے سارے مسلمان نماز کو واجب مانتے ہیں لہٰذا نماز سے انکار کرنے والا کافر ہو جائے گا۔ نجس ہو جائے گا، اور اسی لیے وہ فرقے جن میں نمازیں نہیں ہیں وہ کافر ہیں۔ جن فرقوں میں نماز ہو گی ان میں مسجد ہو گی اور جن فرقوں میں نماز نہیں ہو گی ان میں مسجد نہیں ہو گی۔ گھر ہونا اور چیز ہے، خانہ ہونا اور چیز ہے اور مسجد ہونا اور —— خانہ کا

مطلب ہے گھر اور مسجد کا مطلب ہے اللہ کا گھر۔ تو جس فرقے میں بھی مسجد کا وجود نہیں ہے۔ یہ مسجد کا نہ پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں نماز نہیں پائی جاتی ہے۔

میں زیادہ وضاحت کے ساتھ نہیں کہنا چاہتا ہوں کہ کسی کے دل کو ٹھیس لگ جائے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ جس دن پاکستان میں قادیانی کافر ڈکلیر کیے گئے، اس لیے کہ عقیدۂ ختم نبوت جس کو ساری دنیا کے مسلمان مانتے ہیں، ان کو اس عقیدہ سے انکار تھا۔ تو جب پاکستان میں وہ کافر قرار دیے گئے تو جن کے یہاں نماز نہیں تھی ان کے امام نے جلدی سے آرڈر نافذ کیا کہ آج سے نماز پڑھو ورنہ تم بھی کافر ڈکلیر کر دیے جاؤ گے ___ تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ کافر ڈکلیر ہونا واضح ہو گیا تھا لہٰذا نفاق کا پردہ ڈالنے کے لیے نماز کا حکم دیا گیا۔

میں آپ کی خدمت میں ایک بات کہنا چاہتا تھا کہ جن چیزوں پر مسلمان متفق ہیں اگر کوئی آدمی ان سے انکار کر دے تو وہ مسلمان نہیں رہے گا اور جن چیزوں پر مومنین متفق ہیں۔ مومن کی اگر تشریح کرنا ہے تو اثنا عشری شیعہ مذہب میں جتنی باتیں متفقہ طور پر پائی جاتی ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کر دے، چاہے اس کا تعلق اصول دین سے ہو یا فروعِ دین سے ہو تو وہ اثنا عشری مذہب سے یعنی ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

تو جو ضروریاتِ اسلام ہیں اگر کوئی ان کا انکار کر دے تو مسلمان نہیں رہے گا، جو ضروریاتِ ایمان ہیں اگر کوئی ان کا انکار کر دے تو مومن نہیں رہے گا اسے آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ صرف عقیدہ نجات کے لیے کافی نہیں ہوا کرتا ___ اور اب میرے پاس وقت نہیں رہ گیا۔ جو باتیں مجھے کہنا تھیں، وہ رہ گئیں۔

ان کے لیے صرف اتنا مجھے کہنا ہے کہ ہم نے کیا سیکھا ہے واقعۂ کربلا سے ۔۔۔؟ کیا کربلا والے فقط ایمان لیے بیٹھے تھے ؟ کربلا والے مجسم آلِ علیؑ بنے تھے ۔ میں چُپ بیٹھا ہوں، آپ کے ساتھ زندگی بھر بیٹھا رہا ۔ آپ فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کہ میں آپ کا دوست ہوں یا دشمن ۔ میرے دل میں دوستی ہے یا دشمنی، اس کا پتہ چل ہی نہیں سکتا ہے میرے عمل کے بغیر ۔ میں نے سلام سے اعلان بھی کیا کہ میں آپ کا دوست ہوں تب بھی آپ مجھے دوست نہیں مانیں گے، اور دنیا میں کوئی سمجھدار آدمی میرے دعوے کو تسلیم نہیں کرے گا وہ میرے دعوے کو میرے عمل سے پرکھے گا ۔ مثال کے طور پر ہم آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور خدانخواستہ خبر آئی ۔۔۔ جو میرے برابر بیٹھا ہوا ہے جس کے لیے میں نے دوستی کا دعویٰ کیا ہے ۔۔۔ اس کے لیے خبر آئی کہ اس کا گھر جل کے خاک ہو گیا ۔ میرے چہرے پر نہ کوئی رنگ آیا اور نہ کوئی رنگ گیا ۔ تو دیکھنے والا طے کرے گا کہ اس کے دل میں دوستی نہیں ہے ۔ اگر دوستی ہوتی تو دوست کے گھر کے جلنے کے بعد اس کے چہرے پر کم سے کم غم تو پیدا ہوتا ۔ اس کے علاوہ دوسری کیفیتیں بھی ہوتی ہیں ۔

خبر آئی کہ جس کے ساتھ ہم بیٹھے رہتے ہیں اس کا گھر جل گیا ۔ سامان کچھ بچا ہی نہیں ۔۔۔ اب سننے والا اپنی خوشی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہے، کہہ نہیں سکتے ہیں اب وہ مسکراہٹ آرہی ہے نہ ۔۔۔ تو مسکراہٹ کے چھپانے کا ایک راستہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہونٹ پر ہونٹ جما لیے جائیں ۔ دوسرا راستہ یہ بھی ہوتا ہے کہ رومال رکھ لیا جائے اور آخری راستہ یہ ہوتا ہے کہ بلاوجہ بولنا شروع کر دیا جائے تاکہ مسکراہٹ میں جو ہونٹ پھیلنے والے ہیں ان کو لفظوں میں پھیلا دیا جائے ۔

کہا: "ہمارا تو کئی دن سے دل کہہ رہا تھا کہ آپ کا گھر جلنے والا ہے ۔ آج صبح سے

پتہ نہیں کیوں مجھے یقین ہو رہا تھا کہ آپ کا گھر جلنے والا ہے۔"
ارے بندۂ خدا! تمھارا دل کہہ رہا تھا تو تم نے ان کو بتایا ہوتا کہ گھر بچاؤ۔ تو اب ہم سمجھ گئے۔ یعنی کئی دن سے تمھارا دل چاہ رہا تھا کہ ان کا گھر جل جائے ـــــ تو دوستی دشمنی کا پتہ عمل سے چلتا ہے۔

اگر دوستی دشمنی کا پتہ عمل سے چلتا ہے تو ایمان ہے یا نہیں، اصولِ دین ہم مانتے ہیں یا نہیں اس کا پتہ فروعِ دین سے چلے گا۔ اللہ کو نماز کی ضرورت نہیں ہے اللہ کو سجدوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کو رازق ہونے کے بعد روزہ رکھوا کے بھوکا رکھنے کی ضرورت نہیں ہے ـــــ مگر وہ تو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ مجھے مانتے ہو یا نہیں مانتے ہو۔ سجدہ میں مجبوراً پیشانی رکھنا کہ سجدہ سے پیشانی نیچ ہوئی اور اٹھ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مجبوراً نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہمارے دل کی گہرائی میں خدا نہیں اُترا ہے۔ لیکن ہاتھوں کا جمانا، گھٹنوں کا ٹیکنا، انگوٹھوں کے سِرِدل کا رُک جانا اور اس کے بعد جب سانس رُک جائے تو اطمینان سے کہنا: سُبحان اللہ، سُبحان اللہ، سُبحان اللہ۔ تین مرتبہ کہنے کے بعد دل میں اور خواہش کا پیدا ہونا کہ لاؤ تین مرتبہ اور کہہ لیں، سُبحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ وَبِحَمْدِہٖ کہہ لیں۔ تین مرتبہ کہہ کے سات مرتبہ اور کہہ لیں۔ یہ کہہ لیا ہے تو ایک صلوات بھی پڑھ لیں۔ صلوات پڑھ لی ہے تو اس کے بعد عَجِّلْ فَرَجَہٗ بھی کہہ لیں، وَتَقَبَّلْ شَفَاعَتَہٗ بھی کہہ لیں ـــــ یہ بتاتا ہے کہ دل میں خدا اترا ہوا ہے لہٰذا سجدے میں دل لگ رہا ہے

صلوات

تو۔ عمل کے بغیر عقیدہ ہے یا نہیں ہے، ایمان ہے یا نہیں ہے، اس کا پتہ ہی نہیں چلتا ہے۔ کربلا والے سر سے پیر تک عمل بن کر آواز دے رہے تھے کہ اس

کے عقیدہ کا کہیں پتہ نہیں ملے گا جس کے پاس عمل نہ ہو اور عمل وہیں پر ہو گا جہاں عقیدہ ہو گا اور عقیدہ وہیں پر ہو گا جہاں عمل ہو گا۔

تو میں آج کی تقریر میں جو گذارشیں نہیں کر سکا ہوں، ان کمیوں کے احساس کے باوجود اپنے سننے والے بھائی بہنوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دماغ میں اگر کسی بھی طرح سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ ہم اصولِ دین پر صحیح ہو جائیں اور عمل میں چاہے کتنے ہی نالائق کیوں نہ ہوں، کسی نہ کسی دن جنت میں پہونچ ہی جائیں گے۔ یہ فقط اپنے نفس کو فریب دینا ہے۔ دھوکا دینا ہے۔ دوسروں کے ساتھ دھوکا کرنا اگر غلط بات ہے تو اپنے اعمال کے ساتھ، اپنی نجات کے ساتھ، اپنی آخرت کے ساتھ دھوکا کرنا یہ بھی اتنا ہی بڑا جرم ہے بلکہ اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

احادیث میں، تشریح میں یہ بات کہی گئی ہے کہ غیر ہو کے دوسرا کوئی اتنا ہمارا دشمن نہیں ہو سکتا ہے جتنے ہم اپنے دشمن ہوا کرتے ہیں۔ دشمن کیا کرے گا گھر جلا دے گا۔ دشمن کیا کرے گا مال لوٹ لے گا۔ دشمن کیا کرے گا خدانخواستہ اولاد قتل کر دے گا۔ دشمن کیا کرے گا ہماری جان لے لے گا۔ مگر جو تکلیف ہو گی، وہ اس دن ختم ہو جائے گی جب ہم ختم ہو جائیں گے۔ لیکن جب ہم اپنے لیے معاذ اللہ خدانخواستہ دین کے احکام پر عمل نہ کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت کے بجائے دوزخ میں ریزرویشن کرا رہے ہیں ــــ تو سنیئے گھر جل کے ختم ہو گیا وہ دشمنی ختم ہو گئی، اولاد مر گئی وہ دشمنی ختم ہو گئی، ہم مر گئے وہ دشمنی ختم ہو گئی لیکن اگر ہم ساری زندگی اپنی بداعمالیوں کی بنا پر دوزخ میں جلتے رہے بھنتے رہے۔ وہ دوزخ جس کی چھت بھی آگ، جس کی دیواریں بھی آگ، جس کی زمین بھی آگ، جس کا لباس بھی آگ، وہاں جو کھانا ملے گا وہ بھی آگ، وہاں جو کوڑے پڑیں گے وہ بھی آگ کے۔

تو یہ خیال نہ پیدا ہونے پائے کہ ایک مرتبہ جل گئے اور ختم ہو گئے۔ اللہ نے بار بار کہا ہے کہ جب تم جل کے ختم ہو جاؤ گے ہم تم کو دوبارہ پھر جلنے کے قابل بنا دیں گے یہ یاد رکھو کہ تمہارے جسم میں ہم جلنے کی صلاحیت بار بار پیدا کرتے رہیں گے اس لیے کہ آج ہم نے سزا اور عذاب دینے کی نیت کر لی ہے۔

میں آپ کی خدمت میں آج کی تقریر کا خلاصہ بھی قرار دینا چاہتا ہوں کہ ایمان کے معنی ہیں کہ ایمان کے زیر اثر عمل پیدا ہو، یقین کے معنی ہی یہی ہیں کہ ایمان کے زیر اثر شخصیتوں سے جن کو ہم نے مانا ہے چاہے وہ خدا کی ذات ہو، چاہے نبیؐ کی شخصیت ہو، چاہے امام کی شخصیت ہو ــــ ان کے بارے میں ہمارے دل و دماغ میں یہ تصوّر پیدا ہو، ہر کام سے پہلے اور ہر کام کے بعد یہ خیال پیدا ہو کہ اس سے خدا راضی ہو جائے گا یا ناراض ہو گا۔

عزیزانِ گرامی!

میں اپنی بات کو آخری مرحلہ پر لا کے آج کی تقریر کو روکتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں میں آپ کے دروازے پر ملنے کے لیے جاتا ہوں، آپ گھر کے اندر بیٹھے ہیں فقط انڈر ویر پہنے بیٹھے ہیں مگر میں آپ کو آواز دیتا ہوں تو آپ کہتے ہیں ایک منٹ ٹھہر جایئے میں ابھی آتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں، ایک منٹ نہیں ٹھہرنا ہے ابھی آجاؤ۔ کہا: ابھی آتے ہیں، مگر آتے آتے آپ تب آتے ہیں جب کپڑے پہن لیتے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے کپڑے پہن لیے ہیں کیسے پہنے ہیں فقط لنگی باندھ لی ہے بنیائن پہن لی ہے۔ ہم نے کہا چلیے ذرا چوراہے تک چلنا ہے۔ کہا: نہیں بھائی صاحب! اس حال میں نہیں چل سکتے۔ ذرا شرٹ پہن لیں، پتلون پہن لیں۔ ہم نے کہا پہنے تو ہیں ننگے تو نہیں ہیں کہا: دیکھیے! دروازہ تک بات اور تھی۔ آپ سے ملنے کی بات اور تھی لیکن جب

چڈی پہنے تھے، انڈر ویر پہنے تھے تو ہمارے سامنے بھی آنا نہیں چاہتے تھے اور جب تہمد بنیائن میں ہیں تو نا کے تک جانا نہیں چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا: اچھا آپ نے کپڑے پہن لیے۔ آپ نے کہا ہاں پہن لیے۔ ہم نے کہا چلو گورنر سے ملنے جا رہے ہیں۔ کہا: پہلے بتایا ہوتا تو صاف شرٹ پہنی ہوتی، یہ تو ہم نے ایسا پینٹ پہنا ہے جس کی کمر بند ٹوٹی ہوئی ہے، اس پر تیل کے دھبے پڑے ہوئے ہیں، اس پر بچے نے سیاہی لگائی ہے۔ گورنر سے ملنے جانا ہے تو ان کپڑوں میں نہیں جانا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ میری نگاہ کا اثر آپ لیتے ہیں، چوراہے پر آتے وقت چوراہے سے گزرنے والوں کا اثر ہم لیتے ہیں۔ گورنر سے ملتے وقت ہم اس کا اثر لیتے ہیں۔ تو ہم کیسے مسلمان ہیں کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہمیں کوئی پروا نہیں، نبیؐ ہمیں دیکھ رہے ہیں ہمیں کوئی پروا نہیں۔ علیؑ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور ہمیں کوئی پروا نہیں۔ تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ پڑوسی کا ہمیں لحاظ ہے، گورنر کا ہمیں لحاظ ہے جو چوراہے پر ہم کو مڑ کے دیکھ بھی نہیں رہے ہیں، شاید دیکھ لیں اس کا ہمیں خیال ہے۔ اور جو کہتا ہے ہم دیکھ رہے ہیں، عنقریب عمل کرنے والوں کے عمل کو بھی ہم دیکھیں گے۔ خود ہمارا رسول بھی دیکھے گا اور وہ مومنین بھی دیکھیں گے جن کو ہم نے اعمال کا نگراں بنایا ہے یعنی ائمہ معصومینؑ۔

صلوات

تو کہاں ہے وہ ایمان؟ کہاں ہے وہ اصولِ دین کا یقین؟ یہ دھوکا ہے یہ فریبِ نفس ہے۔ اس سے مجمع کو مطمئن کرنے کے علاوہ کہ میری ذاکری مسلّم ہو جائے، اس کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ برہنہ، ننگی حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم فقط ایمان رکھتے ہیں اور ساری زندگی ایمان کے خلاف عمل کرتے ہیں تو یہ

ہمارا عمل دلیل ہے کہ ہمارے پاس ایمان نہیں ہے۔ انگلی ایک مرتبہ جل جاتی ہے تو ہم زندگی بھر آگ کے قریب نہیں جاتے ہیں۔ بچھو ایک مرتبہ ڈنک مار دیتا ہے تو ایک میٹر دُور ہم دیکھ کے اچھل جایا کرتے ہیں۔ اگر ہم نے کبھی گھر میں آگ لگتے دیکھ لی ہے تو ذرا سا تار جلنے کی بُو محسوس ہوتی ہے تو ہمارے حواس خراب ہو جاتے ہیں تو جیسے دوزخ کی آگ کا یقین ہو ——

—— جیسے یقین ہے غضبِ جبّار کا۔

—— جیسے یقین ہے رحمۃ للعالمینؐ کے غضبناک ہو جانے کا۔

—— جیسے یقین ہے کہ علی فقط اللہ کے لیے ناراض ہوتے ہیں۔

—— جیسے یقین ہے کہ فاطمہ غضبناک ہوتی ہیں اس کے لیے جو اللہ کو ناراض کرتا ہے۔

—— جیسے یقین ہے آلِ محمد علیہم السّلام اظہار بیزاری ان سے کرتے ہیں جو خدا کو ناراض کرتے ہیں۔

تو یہ کہاں ہے ایمان، یہ کہاں ہے یقین، یہ کہاں ہے عقیدہ جو عمل ہم اس کے خلاف کر رہے ہیں۔!!

آج عقل سلامت ہے۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، نبضیں چل رہی ہیں، دل حرکت کر رہا ہے، سانس آرہی ہے اور جا رہی ہے۔ اسی سکنڈ، سکنڈ کے اسی حصّے کو ہم کو سچّے دل سے توبہ کرنا ہے کہ پالنے والے! ہم نے اپنے کو دھوکے میں رکھا، تیرا کرم ہے، تیرا احسان ہے تو نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں آج سے ہم توبہ کرتے ہیں، اب کوئی کام ایسا نہیں کریں گے جس سے تو ناراض ہو جائے۔ مگر تو مالک ہے ہم بندے ہیں۔ پھر ہم سے خطا ہو جائے تو مالک جب خطا ہو جائیگی

ہم شرمندہ ہو کے تیرے سامنے ہاتھ جوڑ کے معافی مانگنے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے اور کریم تیرے کرم سے ہم کو اُمید ہے کہ تو ہم کو معاف کر دے گا۔

آپ یہ سوچیں دو چیزیں الگ الگ ہیں بالکل۔ میں سڑک پر جاتے ہوئے ایک آدمی کے سر پر چپت مارتا ہوں۔ جب وہ کہتا ہے کہ یہ کیا کیا آپ نے؟ میں نے کہا، معاف کر دیجیے۔ آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ یہ معافی نہیں ہے، یہ معافی کا مذاق اُڑا کے جُرم کے لیے معافی کو ذریعہ بنانا ہے۔ لیکن ایک مرتبہ ہم گزرے آپ کو ٹھوکر لگ گئی۔ میں نے سوچا بڑی غلطی ہو گئی کہ میرے ساتھی کو ٹھوکر لگ گئی میں آپ کے پاس سے نکلا خود کو سنبھال کے نکلا، بچا کے نکلا کہ آپ کو ٹھوکر نہ لگنے پائے دس مرتبہ نکل گیا ٹھوکر نہیں لگی۔ ایک مرتبہ پھر میرا ذہن کسی خیال میں تھا ذرا ٹھوکر لگ گئی۔ میں نے کہا: بھائی پھر معاف کر دینا۔

توبہ کیا ہے؟ بار بار خطا بھی ہو رہی ہے لیکن بار بار سچّے دل سے آدمی معافی بھی مانگ رہا ہے۔ تو خطاؤں پر خطائیں ہوں لیکن صدق دل سے معافی مانگتا رہے، تو اس غفّار کا دروازۂ رحمت بند نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اگر معافی کو کاروبار بنا لیا جائے ذریعہ بنا لیا جائے، مذاق بنا لیا جائے تو پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فقرہ بھی ہے کہ "یاد رکھنا جو توبہ کر کے گناہ کرے اور توبہ کرے گناہ کرنے کے لیے، یہ توبہ نہیں کر رہا ہے یہ توبہ کا مذاق اڑا رہا ہے"۔

تو غلط خیالات سے دل و دماغ کو پاک کر کے ہم کو اللہ کی بارگاہ میں اپنی خطاؤں کا اعتراف کر کے عہد کرنا چاہیے کہ "پالنے والے! جہاں تو نے ہمیں ایمان عطا کیا ہے وہاں ایک ایک حکم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما"۔

صلوات

میرے ایک دوست کا ایک لفظ مجھے یاد ہے جس کے لیے میں آپ کی خدمت میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے ایک شعر نظم کیا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ اگر غور کیجیے تو علم و عمل کے حرفوں میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ علم تین حرفوں سے بنا ہے ع۔ل۔م ؛ عمل بھی کس چیز سے بنا ہے ع۔م۔ل، یعنی جن حرفوں سے علم بنا ہے انھیں حرفوں سے عمل بنا ہے، جن حرفوں سے عمل بنا ہے انھیں حرفوں سے علم بنا ہے۔ خالی ترتیب کا فرق ہے۔ تو جب حرف بھی نہیں بدلا ہے تو یہ کیسا فاصلہ ہے کہ علم رہے گا اور عمل نہیں۔

کربلا والے اگر فقط ہماری طرح سے ایمان لیے بیٹھے رہ جاتے تو یقین مانیے دُنیا میں واقعۂ کربلا سامنے ہی نہیں آتا۔ کربلا والوں نے بتایا کہ اگر علم ہوتا ہے، یقین ہوتا ہے تو عمل کیسا ہوتا ہے۔

بس! میں آپ کے سامنے آج کی تقریر کو مکمل کرتے ہوئے اپنے بیان کو مرحلۂ مصائب میں لاتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ——

—— وہ یقین یقین ہی نہیں ہے

—— وہ عمل عمل ہی نہیں ہے

—— وہ عقیدہ عقیدہ ہی نہیں ہے

—— وہ ایمان ایمان ہی نہیں ہے جو عمل کی صورت میں جلوہ گر نہ ہونے پائے۔

اللہ اللہ! میدانِ صفین سے انتہائی غمگین حالت میں آنے والا۔ امیر المومنینؑ جب کوفے کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں: اللہ کا شکر ہے ہمارے ہاتھ سے حق نہیں جانے پایا۔ علیؑ تمھارے ہاتھ سے تو حق جا ہی نہیں سکتا ہے۔ تم یہ شکر کیوں ادا کر رہے ہو؟ کہا: دیکھو! حق کو ماننا کوئی

بڑی قیمتی چیز نہیں ہے۔ عملی صورت میں حق پر برقرار رہنا یہ قیمتی چیز ہے۔

میں آپ کی خدمت میں اسی سے ملتا جلتا دوسرا واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں ــــ کوفہ کا دربار ہے، ابنِ زیاد تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ وہی کوفہ ہے جہاں کبھی علیؑ رہتے تھے، جہاں کبھی فاطمہؑ کی اولاد شہزادی کہلاتی تھیں، وہاں آج ملعون ابنِ زیاد بیٹھا ہے، دارالامارہ میں بیٹھا ہے جس کے دروازے پر حُسینؑ کے سفیر مسلم بن عقیلؑ کی لاش آج بھی لٹکی ہوئی ہے۔ جب قافلہ دارالامارہ میں داخل ہوا ہے تو ایک قیدی نے دیکھا یہ مسلمؑ کی لاش لٹکی ہوئی ہے۔ بیوہ نے بھی اپنے شوہر کو دیکھا ہے اور وہ پانچ برس کی بچی جس کو مسلمؑ کی شہادت کے بعد حسینؑ نے اپنے زانو پر بٹھا کے، بُندے پہنا کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور اس نے کہا کہ مولا! اگر اجازت ہو تو ایک بات پوچھوں؟ کہا پوچھو بیٹی۔ کہا، آج میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میرا باپ مار ڈالا گیا؟ آقا ایسا تو نہیں ہے میں یتیم ہو گئی؟ کہا: بیٹی تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟ کہا: میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ آج آپ مجھ سے ایسی محبّت کر رہے ہیں جیسی محبّت آپ یتیموں سے کیا کرتے ہیں ــــ تو بھانجی بھی تھی رقیہ، بھتیجی بھی تھی رقیہ، مسلمؑ کی بیٹی بھی تھی رقیہؑ، عبّاسؑ کی سگی بھانجی بھی تھی رقیہؑ۔

حسینؑ نے کلیجہ سے لگا کے کہا: بیٹی! تیرا باپ مسلم مار ڈالا گیا ــــ لیکن جب تک حسینؑ زندہ ہے تیرا باپ زندہ ہے۔ آج وہی رقیہ دیکھ رہی ہے جو باپ تھا اس کی لاش دروازے پر لٹکی ہے اور جس نے کلیجہ سے لگا کر کہا تھا کہ جب تک حسینؑ زندہ ہے تیرے لیے باپ زندہ ہے، اس حسینؑ کا کٹا ہوا سر طشت میں رکھا ہے۔ سیّدِ سجّادؑ زمین پر بیٹھے ہیں۔

اے سننے والو! اگر ہم بھی زمین پر مجلس پڑھنے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں تو مجلس پڑھنے کے لئے بُلانے والے کرسیاں بچھا دیتے ہیں، کوئی فرش بچھا دیتے ہیں، کچھ نہیں ہوتا ہے تو آنے والے کو رومال بچھا کے بٹھاتے ہیں ـــ اللہ اللہ! جس کیلئے ہم رو رہے ہیں وہ زمین پر بٹھائے گئے ہیں۔ کیسے بٹھائے گئے ہیں؟ سیدانیاں سر جھکائے بیٹھی ہیں کہ ایک مرتبہ ابنِ زیاد ملعون کی زبان سے فقرہ نکلا:

"زینب! تم نے دیکھا کہ تمہارے بھائی ہمارے مقابلے پر آئے تھے، اللہ نے کس طرح ان کو شکست دی ہے اور کس طرح ہم کو فتح دی ہے۔"

ذرا دیکھیے، ایمان و عمل کا ساتھ کتنا مضبوط ہے، اگر عمل مضبوط نہ ہوتا، یقین اور ایمان پکا نہ ہوتا تو سسکی لے کے زینبؑ چُپ ہو جاتیں لیکن جو زینبؑ بھائی کی لاش پر تڑپ کے روئی تھی، جو زینبؑ سر پر چادر ڈال کے تڑپتے ہوئے اکبرؑ کے پاس نکل آئی تھی، جو زینبؑ وقتِ آخر بھائی کے سرہانے بیٹھ کر اتنا رو رہی تھی کہ اگر سیّد سجّادؑ کے چہرے پر بے چینی نظر نہ آتی تو زینبؑ حسینؑ کی لاش چھوڑ کے اٹھنے والی نہیں تھی، وہ زینبؑ روئی نہیں، سسکی نہیں بلکہ ایک مرتبہ کہا:

"کیا کہا ابنِ زیاد تو نے ایک مرتبہ پھر سے دُہرا دے۔"

کہا: "تمہارے بھائی نے ہمارا مقابلہ کیا تھا، دیکھو! اللہ نے ہم کو فتح دی ہے اور تمہارے بھائی کیسے قتل ہوئے ہیں۔ تم کیسی اسیر بنا کے لائی گئی ہو!"

عقیدہ اسے کہتے ہیں، عمل اسے کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ شہزادی نے کہا:

"ابنِ زیاد سُن! ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اس بات پر کہ اس نے ہماری ابتدا ہدایت سے کی اور ہماری انتہا شہادت پر کی۔"

اِسے کہتے ہیں عقیدہ اور عمل کا اتحاد ـــ ابنِ زیاد سے زینبؑ نے کہا:

"ابن زیاد! تیار ہو جا ــــ اس دن کے لیے تیار ہو جا جب اللہ کی عدالت ہوگی، ہم تیرے اوپر دعویٰ کریں گے، نبیؐ ہمارے وکیل ہوں گے اور تو مدعا علیہ ہوگا آج تو ہمیں جتنی تکلیفیں پہونچا سکتا ہے پہونچا لے۔ تیار ہو جا اس شدید عذاب کیلئے جس کے لیے آج تو ہم پر ظلم کر رہا ہے۔"

بس! ابنِ زیاد ملعون کے پاس اب کوئی جواب نہ تھا، سوائے اس کے کہ وہ کسی سپاہی سے یہ کہتا کہ یہ علیؑ کی بیٹی ہے، یہ بولتی رہے گی اس کو چپ کرنا ہے تو تازیانوں سے چپ کرا دو۔ جلاد تازیانہ لے کے آگے بڑھتا ہے تو ایک بیمار کی آواز آتی ہے:

"پھوپھی امّاں! آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ اب بیٹھ جائیے۔ اب صبر کیجئے تبلیغ کی منزل تمام ہوگئی۔"

سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

مجلس

۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

صلوات

اللہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم نیکی میں، تقوے میں، پرہیزگار زندگی میں ایک دوسرے کا سہارا بنیں، ایک دوسرے کی مدد کریں ــ اور اسی کے ساتھ ساتھ اللہ ہمیں منع بھی کرتا ہے اور روکتا بھی ہے کہ کبھی بھی گناہ میں اور اللہ کی نافرمانی میں نہ ساتھ دو اور نہ مددگار بنو۔

میں نے برابر قرآن مجید کے اس فقرے کی روشنی میں آپ کے سامنے یہ گذارش کی ہے کہ اللہ ایسے معاشرہ اور سماج اور سوسائٹی کو دیکھنا چاہتا ہے جو دیندار ہو اور اس سوسائٹی کو نہیں دیکھنا چاہتا ہے جو بے دین ہو۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابھی ہم آپ جو سوسائٹی رکھتے ہیں اس میں دینداری کا حصہ کم ہے اور بے دینی کا حصہ زیادہ ہے۔ ابھی ہماری سوسائٹی اور سماج میں کسی آدمی کو اس لیے پوری عزت نہیں ملتی کہ یہ دیندار ہے اور پابند دین ہے بلکہ دین

کے پابند لوگوں کے مقابلے میں ان کو زیادہ عزّت مل جاتی ہے جو دین سے بہت دُور ہیں مگر اس دُنیا میں شہرت رکھتے ہیں، حکومت میں حصّہ رکھتے ہیں، دولت رکھتے ہیں، اثرات رکھتے ہیں ــــ تو دُنیاوی سامان کی بنا پر بے دین کا عزّت پانا اور دین دار کا بے عزّت رہنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ہم جس سوسائٹی میں رہ رہے ہیں اس میں دین کا حصّہ کم ہے، بے دینی کا حصّہ زیادہ ہے۔ میری ساری تقریریں آپ کے سامنے ہیں جن کو میں نے فقط ایک مقصد کے پیشِ نظر آپ کے سامنے پیش کیا اور وہ صرف یہ بات ہے کہ ہم اپنی سوسائٹی کو دیندار کیسے بنائیں؟

پچھلے دُو دنوں میں میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ سوسائٹی کو دیندار رکھنے کے لیے اور بے دین سوسائٹی کو دیندار بنانے کے لیے اس بات کی بے حد ضرورت ہے کہ ہمارا نوجوان اور ہمارے گھروں کی عورتیں پابندِ دین ہوں۔ آج بھی مجھے اس سلسلہ میں کچھ باتیں کہنا ہیں۔ لیکن ان کے شروع کرنے سے پہلے سب سے پہلی بات جو مجھے آج کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ہر سوسائٹی میں دُو طرح کے آدمی ہوتے ہیں ایک وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کو متاثر کرتے ہیں اور ایک وہ ہوتے ہیں جو دوسروں سے اثر قبول کرتے ہیں اور اس میں بھی فرق ہوتا ہے ایک ہی آدمی کسی سے متاثر ہوتا ہے اور وہی آدمی کسی کو متاثر بھی کرتا ہے۔ یعنی ہر انسان میں، ہر آدمی کی زندگی میں یہ دُو رخ ہیں، یہ دُو چہرے ہیں، یہ دُو حصّے ہیں کہ ہم کسی سے اثر لیتے بھی ہیں اور کسی کو اثر دیتے بھی ہیں۔ اس بات کو بالکل یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے میراث کی بات ہے، ہر آدمی اپنے اس عزیز سے میراث پاتا ہے جو مرا ہے اور ہر میراث پانے والا اپنے مرنے کے بعد اسے میراث دیتا

بھی ہے جو اس کا وارث ہے ۔ تو جیسے یہ دُنیا کا مال وراثت کے ذریعہ، میراث کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے ویسے ہی کیریکٹر بھی منتقل ہوتا ہے ۔ تو جب ہم نے اور آپ نے یہ بات محسوس کی کہ ہم متاثر کرتے بھی ہیں اور متاثر ہوتے بھی ہیں تو ہم کو دونوں رخوں پر کام کرنا پڑے گا ۔ جب ہماری وہ صلاحیت سامنے آئے جو متاثر کرنے والی ہو تو وہ صلاحیت اسی دین کی پابند ہو کہ جس کو ہم متاثر کریں اس میں دینداری پیدا ہو، بے دینی نہیں پیدا ہو ۔ اور ہم میں جب وہ صلاحیت سامنے آئے جس کے ذریعہ ہم متاثر ہوتے ہیں تو ہمارے پاس ایسا حفاظت کا سامان موجود ہو کہ ہم اچھائی سے، دیندار سے، متقی اور پرہیزگار سے تو متاثر ہوں لیکن جو بے دین ہے جو بدکردار ہے اس سے متاثر نہ ہوں ۔

صلوات

یہاں پر اَب میں دوسری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یوں تو ہر آدمی میں اثر لینے کی صلاحیت بھی ہے اور اثر ڈالنے کی صلاحیت بھی ہے لیکن جب ہم قوم کے، سوسائٹی کے طبقات کو دیکھیں گے تو کچھ میں اثر ڈالنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اور کچھ میں اثر ڈالنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر یہیں کی بات آپ لے لیں ۔ ابھی مجلس سے پہلے نماز جماعت ہوئی، یعنی مسجد میں جو لوگ موجود تھے وہ دُو حصّوں میں تقسیم ہو گئے ۔ ایک جماعت کی نماز پڑھانے والا تھا اور بقیہ جماعت کی نماز پڑھنے والے تھے ۔ دُو قسمیں بہرحال ہو گئیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک قسم میں ایک اکیلا آدمی تھا اور دوسری قسم میں بقیہ سارا مجمع تھا ۔ تو نماز پڑھنے والوں کو پیش نماز کی زندگی زیادہ متاثر کرے گی ۔ نماز پڑھنے والوں کی زندگی پیش نماز کو بھی متاثر کرتی ہے ۔ میں ان تفصیلوں میں ابھی نہیں جانا چاہتا ہوں، مجھے کچھ اور

باتیں ابھی کہنا ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے کبھی کبھی کسی مومن کا پرخلوص طریقے سے سجدہ کرتے ہوئے دیکھنا کسی نماز پڑھانے والے دل پر بھی اثر ڈالتا ہے کہ یہ ہمارے پیچھے نماز پڑھتا ہے مگر اس کا سجدہ ہم سے بہتر ہے۔ یہ بات اپنے اور خدا کے درمیان ہوتی ہے، اُسے خبر بھی نہیں ہے جس نے اثر ڈالا ہے لیکن جس نے اثر لیا ہے، اگر اثر لینے کے بعد اس کے سجدے میں کل کے سجدے کے مقابلے میں بندگی بڑھ گئی تو اسے بھی ثواب ملے گا اور جس نے اثر ڈالا ہے اسے خبر نہیں ہے مگر باخبر خدا ملائکہ کو حکم دے گا کہ متاثر ہو کر اس پیش نماز کے سجدے میں جو اثر بڑھا ہے اس کو متاثر کرنے والا جو نمازی ہے اس کے نامۂ عمل میں یہ کمیشن لکھو کہ اس کی زندگی نے اس پر اثر ڈالا ہے۔

تو میں آپ کی خدمت میں جس بات کو زیادہ تصریح کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جیسے نمازِ جماعت میں زیادہ اثر پیش نماز ڈالے گا، پیچھے نماز پڑھنے والے زیادہ اثر قبول کریں گے، اثر کم ڈالیں گے ویسے ہی اب نماز جماعت کے بعد مجلس ہو رہی ہے۔ سننے والے ہیں، میں سنانے والا ہوں۔ یقیناً سننے والے بھی مجھے متاثر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی سننے والے کا کوئی ایسا سوال ہوتا ہے جو ہمارے دماغ کو ان باتوں کی طرف موڑ دیتا ہے اور متوجہ کر دیتا ہے جن باتوں کی طرف ہم پڑھتے وقت اور اسٹڈی کرتے وقت متوجہ نہیں ہوتے۔ لیکن زیادہ یہی ہوگا کہ سنانے والا سننے والوں پر زیادہ اثر ڈالے گا۔ تو میں اس سلسلے میں خاص طور پر آپ کے سامنے آج تین طبقات کا اور تین گروہوں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو سوسائٹی پر بہت زیادہ گہرا اثر ڈالتے ہیں، ان کی اچھی یا بری زندگی کی گہری چھاپ سوسائٹی پر پڑتی ہے ان میں پہلا گروپ اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، سمجھ دار ہوتے ہیں۔

یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جو لکھنا جانتے ہیں، کچھ وہ ہوتے ہیں جو بولنا جانتے ہیں۔ کچھ میں اللہ دونوں صلاحیتیں دے دیتا ہے مگر یہ لکھنے اور بولنے والے کچھ وہ ہوتے ہیں جو تقریر کرتے ہیں یا مضمون لکھتے ہیں۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جو شاعری کرتے ہیں۔ یہ سب وہ ہوتے ہیں جو اثر انداز ہوتے ہیں۔

تو مقرر، شاعر، لکھنے والا، صحافی، ایڈیٹر، انشاء پرداز — یعنی یہ قوم کا تعلیم یافتہ طبقہ ہوتا ہے۔ چاہے اس نے دین کی تعلیم حاصل کی ہو، چاہے اس نے دنیاوی تعلیم حاصل کی ہو، یہ اپنے سماج پر، اپنی سوسائٹی پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ چنانچہ آپ یقین کریں گے کہ اگر ایک جاہل بے دین ہوتا ہے تو جاہل کی بے دینی اسی تک رہتی ہے اور سب اس کو بے دین کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جاہل ہے لہٰذا بے دین ہے۔ لیکن اگر کوئی ایجوکیٹڈ، پڑھا لکھا بے دین ہوتا ہے تو وہ اکیلا بے دین نہیں ہوتا ہے۔ وہ جہاں تک اثر ڈال سکتا ہے وہاں تک بے دینی پھیلاتا ہے۔ تو اگر تعلیم یافتہ آدمی سوسائٹی پر اثر ڈالتے ہیں تو جو منبر پر آئیں گے، جو محراب عبادت میں نماز جماعت کے لیے کھڑے ہوں گے، جن کے جسم پر ایسا لباس ہوگا کہ دیکھنے والا ان کو عالم دین محسوس کرے گا، وہ جتنا اپنے دل میں دین کے لیے جذبات رکھتے ہوں گے اتنا ہی وہ سوسائٹی کو دیندار بنائیں گے اور جتنا دین کے بجائے ان کے دل و دماغ میں دُنیا کے لیے لالچ ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ سوسائٹی کو بے دین بنائیں گے۔ اسی لیے یہ بات آپ کو سنانا ہے کہ یہ بات کانوں میں پڑی رہے کہ:

اِذَا فَسَدَ الْعَالِمُ فَسَدَ الْعَالَمُ

جب عالِم بے دین ہو جاتا ہے، بے کردار ہو جاتا ہے یا بدکردار ہو جاتا ہے تو

پوری دنیا تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

تو میں آپ کی خدمت میں تعارف کرا کے آگے بڑھنا چاہتا ہوں کہ دین کی تعلیم حاصل کرنے والے ہوں یا دنیا کی تعلیم حاصل کرنے والے ہوں۔ کھڑے ہو کر مجمع میں بول سکتے ہوں، محفلوں میں یا گھروں میں جو چھوٹے چھوٹے اجتماعات ہوتے ہیں ان میں بول سکتے ہوں، ایسے سارے پڑھے لکھے سوسائٹی پر اثر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ دیندار ہیں تو ان کا ڈالا ہوا اثر دینداری ہو گی اور اگر بے دین ہیں تو ان کا ڈالا ہوا اثر بے دینی ہو گی۔

صلوات

دوسرا گروہ جس کا مجھے آپ کے سامنے تذکرہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ سوسائٹی میں جو لوگ عزّت، شہرت، اثر اور حکومت میں حصہ رکھتے ہیں، سوسائٹی کے کمزور آدمی ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی ہے جو آئی، اے، ایس ہے حکومت کے ایک بڑے عہدے پر فائز ہے، آپ یقین مانیئے کہ اگر بمبئی کا کمشنر ایک اثنا عشری شیعہ ہو اور وہ اثنا عشری شیعہ ہونے کے بعد اپنی سروس کرتے ہوئے بھی اپنی زندگی کو پابند دین رکھے تو دو اثر پیدا کرے گا، ایک تو جو اثنا عشری شیعہ نہیں ہے اس کی زندگی بغیر بولے، بغیر کہے، دوسروں کو پہچنواتی رہے گی کہ اثنا عشری مذہب کیا ہے اور دوسرے جو اثنا عشری ہیں جو چھوٹے چھوٹے عہدوں پر کام کر رہے ہیں، چھوٹی چھوٹی سروسوں پر ہیں، اگر مثلاً یہ بمبئی کا کمشنر اثنا عشری شیعہ ہو کے اپنی سروس میں دیندار زندگی بسر کرے گا تو ہر کمزور دل کو سہارا مل جائے گا کہ اگر یہ اتنے اونچے عہدے پر پہونچ کر بھی دیندار رہ سکتا ہے تو ہم بھی دیندار رہ سکتے ہیں۔ اور اگر تصویر الٹ گئی کہ مثلاً بمبئی کا کمشنر ہو گیا، ہمارا اسٹیٹ کا گورنر ہو گیا، پریسیڈنٹ آف انڈیا ہو گیا — اب زندگی یہ نظر آئے کہ وہ پریسیڈنٹ آف انڈیا ہے مگر اثنا عشری شیعہ

نہیں ہے، اب وہ بہار اسٹیٹ کا گورنر ہے مگر اثنا عشری شیعہ نہیں ہے تو دنیا یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گی کہ چاہے کوئی مذہب مانو فرق کیا ہے اس لیے کہ ایک میز پر ایک ٹیبل پر دس مذہب کے ماننے والے اسی رینج کے دس افسران بیٹھے ہیں ایک اثنا عشری شیعہ ہے ایک غیر اثنا عشری شیعہ ہے، ایک مسلمان ہے، ایک وہ مسلمان ہے جو وہابی ہے، ایک مسلمان وہ ہے جو وہابی نہیں ہے، ایک قادیانی بیٹھا ہے، ایک بہائی بیٹھا ہے، ایک مورتیوں کی پوجا کرنے والا بیٹھا ہے، ایک کرسچین بیٹھا ہے، ایک یہودی بیٹھا ہے ـــــ سب ایک عہدے کے ہیں، ایک ہی میز پر بیٹھے ہیں، کرسیاں بھی سب کی ایک ہیں اور جو ٹیبل ٹاک ہو رہی ہے وہ بھی ایک ہے۔

اب ایک طرف سے شراب کے جام آنا شروع ہوئے۔ جو خدا کو نہیں مانتا ہے ناستک ہے اس نے شراب کا گلاس ہاتھ میں لے لیا۔ دیکھنے والے نے دیکھا اور طے کیا کہ ٹھیک ہے یہ خدا کو نہیں مانتا ہے لہذا یہ شراب پی رہا ہے پھر ایک ایسے مذہب والے نے گلاس ہاتھ میں شراب کا لیا، جس کے یہاں اس کے حساب سے خدا مانا جاتا ہے مگر ایسا خدا ہے جو شراب کو حرام نہیں کہتا ہے، اس نے بھی شراب پی۔ بات آگے بڑھی۔ اب ایک مسلمان نے بھی شراب پی، ایک یہودی نے بھی شراب پی، ایک کرسچین نے بھی شراب پی، ایک قادیانی نے شراب پی۔ ایک اثنا عشری شیعہ نے بھی شراب پی۔

تو اب آپ مجھے بتائیں کہ دنیا میں ہم کیسے بتائیں کہ خدا کا ماننے والا اور نہ ماننے والا اور ہوتا ہے، نہ ماننے والا اور ہوتا ہے۔ جناب عیسیٰؑ کا ماننے والا اور ہوتا ہے، نہ ماننے والا اور ہوتا ہے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ماننے والا اور ہوتا ہے، اور نہ ماننے والا اور ہوتا ہے۔ جو نبیؐ کے بعد مولائے کائنات امیر المومنین علی

ابن ابی طالب علیہ السلام کو مانتا ہے اس کی زندگی اور طرح کی ہوتی ہے، جو علیؑ کے بعد کسی اور کو جانشین پیغمبرؐ مان لیتا ہے اس کی زندگی اور طرح کی ہوتی ہے۔ جو امام جعفر صادق علیہ السلام تک امام ماننے کے بعد جناب اسماعیل کو مان لیتا ہے اس کا مذہب اور ہوتا ہے اور جو امام موسیٰ ابن جعفرؑ تک کو امام مانتا ہے اس کا مذہب اور طرح کا ہوتا ہے۔

تو چوں کہ ایک میز پر، ایک کرسی والے ایک کیرکٹر پیش کر رہے ہیں تو اب وہ مذہب جو قرآن کے اندر ہے، وہ مذہب جو کتاب کے اندر ہے، وہ مذہب جو مسجد کے اندر ہے، وہ مذہب جو توضیح المسائل کے اندر ہے۔ وہ مذہب جو حدیثوں کے اندر ہے وہ تو کسی کو نظر نہیں آئے گا، مذہب تو وہ نظر آئے گا جو کرسیوں پر نظر آرہا ہے جو ٹیبل پر نظر آرہا ہے، جو عہدہ پر نظر آرہا ہے، جو شراب کے گلاس میں نظر آرہا ہے تو جب تک ایک اثنا عشری شیعہ غیروں کے درمیان بیٹھ کر اس مخصوص کیرکٹر کا اظہار نہیں کرے گا تب تک ہم دنیا کو نہیں بتا سکیں گے کہ اثنا عشری شیعہ مذہب کیا ہوتا ہے۔

صلوات

یقیناً فرق ہونا چاہیئے تاکہ ہم کہہ سکیں کہ جو اللہ کو نہیں مانتا ہے وہ ایسا ہے جو اللہ کو مانتا ہے وہ ایسا ہے، جو نبیؐ کو نہیں مانتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جو نبیؐ کو مانتا ہے وہ ایسا ہے۔ جو علیؑ کے علاوہ کسی کو خلیفہ مانتا ہے وہ ایسا ہے، جو نبیؐ کے بعد معصومؑ کو امام مانتا ہے وہ ایسا ہے۔ جو جناب اسمٰعیل کو مان لیتا ہے اس کے یہاں یہ خرابی آجاتی ہے اور جو موسیٰ بن جعفرؑ کو مان لیتا ہے اس کے یہاں یہ خوبی آجاتی ہے ___ تو جب تک زندگی کے اس ڈفرینس کو، اس

فرق کو ہم پریکٹیکل طور پر اپنی عملی زندگی میں نہیں پیش کریں گے تب تک کتاب کا مذہب سامنے آنے والا نہیں ہے، تو معلوم یہ ہوا کہ جیسے صاحبان علم، زبان والے، قلم والے ایجوکیٹڈ لوگ، لکھنے والے علماءِ دین یہ سب سماج پر اثر ڈالتے ہیں، ویسے ہی جو اونچے عہدوں پر ہوتے ہیں، جو شہرتوں میں ہوتے ہیں، جو بااثر ہوتے ہیں وہ بھی اثر ڈالتے ہیں۔

اور وہ تیسرا گروپ جسے مجھے پہچنوانا ہے وہ بھی اسی میں شامل ہے مگر میں اسے ذرا الگ کر کے سُنانا چاہتا ہوں۔ تیسرا گروپ اور تیسرا طبقہ جو سوسائٹی اور سماج کو متاثر کرتا ہے وہ اُن کا ہوتا ہے جو مالدار ہوتے ہیں۔ مال عجیب و غریب چیز ہے، اس میں اتنی طاقت ہے، اس میں اتنا پاور ہے کہ یہ عالم دین کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتا ہے اس مال میں اتنی طاقت ہے کہ دین کے مبلغ کو اپنے مقصد سے ہٹا دیتا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہے کہ یہ حکومت کو خرید لیتا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ یہ قانون کو اپنا غلام بنا لیتا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ یہ دُور بیٹھ کے مضبوط سے مضبوط فولادی آئرن والی حکومت میں سُوراخ کر دیتا ہے۔ یہ ایسا طاقتور ہوتا ہے جو مضبوط ایمانوں کے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ یہ ایسا طاقتور ہوتا ہے جو شرافتوں کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔ یہ ایسا طاقتور ہوتا ہے کہ بدترین انسانوں سے تعلقات پیدا کرنے پر مجبور اس طرح کرتا ہے کہ بدترین انسانوں سے تعلقات پیدا کر کے آدمی فخر کرتا ہے کہ ہمارے ان سے تعلقات ہیں اور شریف سے شریف انسانوں سے تعلقات توڑوا دیتا ہے تو مال میں بڑی طاقت ہے بُرائی کی اور اس مال میں بڑی طاقت ہے اچھائی کی ___ میں ایک بات جو آپ کے سامنے روز کہتا آیا ہوں اسے صرف یاد دلانا کافی ہے کہ چیز ایک ہوتی ہے، استعمال اسے اچھا بھی بناتا ہے، بُرا بھی بناتا ہے۔ میں اسی مثال کو یاد دلاؤں گا کہ تیز چاقو بنانے والے نے اسی لیے بنایا ہے کہ

یہ کاٹے، اگر نہ کاٹے تو پھینک دینے کے قابل ہے لوہے کا ٹکڑا ہے چاقو نہیں ہے لیکن استعمال اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مظلوم کا گلا کاٹا جائے، یا عزّت کی ناک کاٹی جائے، بچے کی انگلیاں کاٹی جائیں۔ اس کا کام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھل کاٹ کے بیمار کو کھلایا جائے۔ اس کا کام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ترکاری کاٹ کے بھوکے کو کھلایا جائے۔ تو چیز وہی ہے اس کو غلط استعمال کریں گے تباہی پیدا کرے گی، اس کو صحیح راستے پر استعمال کریں گے اچھائی پیدا کرے گی۔

تو مال اچھی چیز بھی ہے، مال بُری چیز بھی ہے۔ یعنی مال میں کوئی بُرائی نہیں ہے مال والا اسے کیسے استعمال کرتا ہے بس اسی پر منحصر ہے۔ اسی لیے مذہب نے، اسی لیے شریعت نے مال حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔ پابندی تو تین باتوں پر لگائی ہے۔

پہلی پابندی اس پر لگائی ہے کہ تم دولت کیسے حاصل کرتے ہو۔ دولت ہمیشہ حلال راستے سے حاصل کرو، حرام راستے سے حاصل نہ کرو۔

اس کے بعد دوسری پابندی یہ لگاتا ہے کہ تم حلال راستے سے جتنی دولت حاصل کرو، ہماری طرف سے کوئی پابندی تم پر نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ دوسری پابندی یہ لگاتا ہے کہ اسے حرام راستے پر خرچ نہ کرنا ـــــ آئے حلال سے، جائے حلال میں۔

اور تیسری پابندی یہ عاید کرتا ہے کہ اس میں ہم نے جس کا جس کا حق رکھا ہے اتنا مال تمھارا نہیں ہے، لہٰذا وہ حقدار کو پہونچا دینا۔ جو تمھارا ہے اس پر تمھارا حق ہے جو تمھارا حصّہ نہیں ہے اس پر تمھارا حق نہیں ہے۔ یہ مال ایسا ہے جس میں خمس نکلنا چاہیے۔ تو پانچواں حصّہ نکالو۔ چار حصّوں کے تم مالک ہو، پانچویں حصّے کے تم مالک نہیں۔

اس مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ دسواں حصہ ہے، پندرھواں حصہ ہے، بیسواں حصہ ہے، چالیسواں حصہ ہے ___ جیسا مال ہوتا ہے، جیسا مسئلہ ہوتا ہے ___ میں نے ایک پمفلٹ دینی مشکلات کا چھپوایا ہے جو تنظیم المکاتب میں ملتا ہے۔ اس سے بنیادی، بیسک مسائل آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ زکوٰۃ کس پر واجب ہوتی ہے؛ خمس کس پر واجب ہوتا ہے؛ جس نے اب تک نہیں نکالا ہے وہ کیسے نکال سکتا ہے۔ فطرے کے احکام کیا ہیں؟ کس کو کہاں خرچ کرنا چاہیئے کیسے خرچ کرنا چاہیئے۔

تو میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش کر رہا ہوں کہ مال میں تین پابندیاں ہیں۔ آئے حلال سے، جائے حلال میں ___ اور جتنا تمہارا ہے اس پر تمہارا حق ہے اور جس پر دین کا حق ہے، جس پر غریب کا حق ہے، جس پر بھوکے کا حق ہے، جس پر یتیم کا حق ہے، جس پر امامؑ کا حق ہے، جس پر نبیؐ کا حق ہے، جس پر خدا کا حق ہے وہ مال تمہارا نہیں ہے۔ تمہارے مال میں جتنا حق تمہارے باپ کا ہے وہ اس کو ملنا چاہیے، جتنا حق تمہارے بھائی کا ہے وہ اس کو ملنا چاہیے، جتنا حق بیوی کا ہے اس کو ملنا چاہیے۔ تم کو اپنے حق کے استعمال کا حق ہے اور وہ بھی کہاں؟ دیکھو! ہم نے تم کو مال برباد کرنے کے لیے نہیں دیا ہے۔ صحیح راستے میں خرچ کرنا۔ لہٰذا فضول خرچی بھی اللہ نے حرام قرار دی ہے۔ فضول خرچی کیا ہے؟ ___ اپنے معیار سے زیادہ خرچ کرنے والا فضول خرچ ہوتا ہے اور جو فضول خرچ ہوتا ہے وہ گناہگار ہوتا ہے بلکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے بعض روایات کی بنا پر۔

تو میں آپ کی خدمت میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ جہاں عقل والے اثر ڈالتے ہیں اپنی زبان کے ذریعہ، اپنے قلم کے ذریعہ، اپنی تعلیم کے ذریعہ۔ چاہے وہ دنیاوی

تعلیم ہو یا دینی تعلیم ہو۔ ویسے ہی حکومت والے، شہرت والے، اثر والے، پاور والے اثر ڈالتے ہیں اور سب سے زیادہ اثر ڈالتے ہیں مال والے ــــ اگر یہ تین کے تینوں گروپ دین دار ہو جائیں تو سوسائٹی کی سوسائٹی دیندار ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ تین کے تینوں گروپ بالکل بے دین ہو جائیں تو سوائے اس کے کہ جیسے جناب نوحؑ کی قوم طوفان میں ڈبو دی گئی تھی اس کے علاوہ اس قوم کا کوئی علاج نہیں رہ جاتا ہے۔

میں آپ کے سامنے بطورِ مثال یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایران کی زمین نہیں بدل گئی، ایران کا آسمان نہیں بدل گیا۔ جو زمین کل تھی وہی آج بھی ہے۔ جو وہاں سے غلے کل اُگ رہے تھے وہی آج اُگ رہے ہیں۔ جو سورج کل وہاں چمکتا تھا وہی آج چمک رہا ہے۔ لیکن کل جب مالدار بے دین تھے کہ ایران میں تہران کے مہر آباد ایئرپورٹ پر اترتا ہوا مسافر یہ دیکھتا تھا کہ سور کا گوشت علی الاعلان دوکانوں پر بک رہا ہے۔ چائے پینے والا جاتا تھا تو دیکھتا تھا کہ شراب چائے سے زیادہ پی جا رہی ہے۔ جب وہ ملک کے اندر گھومتا تھا تو یہ نظر آتا تھا کہ سارا اقتدار جس کے پاس ہے وہ شاہ، ملعون شاہ یہ پوری ایرانی قوم کو بے دین بنا دینا چاہتا ہے۔ وہ اس کا بیٹا تھا جس نے پردہ کرنے والی عورتوں کے پردے چھنوائے تھے۔ وہ اس کا بیٹا تھا جس نے دینداری کی بنا پر دینداروں کو جیل میں ڈالا تھا۔ جب اُس نے محسوس کر لیا کہ اب میں ایسے پاور میں آگیا ہوں کہ کوئی مجھ سے ٹکرا نہیں سکتا ہے تو اس نے اس پر ناز نہیں کیا کہ میں شیعہ ہوں، اس نے اس پر ناز نہیں کیا کہ میں اثنا عشری ہوں ــــ اس نے آریا مہر ہونے پر ناز کیا تھا۔ یعنی ہم وہ ہیں جو ڈھائی ہزار سال سے شاہی کر رہے ہیں۔ جیسے آج عراق کا ناز اسلام نہیں ہے عراق اس پر ناز کر رہا ہے کہ ہم عرب ہیں۔

ناصر نے جس مصر کو جنم دیا تھا وہ مصر نہیں ہے جس میں اسلام پر ناز کیا جارہا ہو۔ ہم مصری ہیں، ہم ابنائے فرعون ہیں، ہمارا کلچر فرعونی کلچر ہے ــــ تو وہ اپنی اس پوری پچھلی تاریخ پر ناز کر رہے ہیں۔

تو میں باتوں کی تفصیل میں اگر چلا گیا تو مجھے خاص طور سے آپ کی خدمت میں جن باتوں کو پیش کرنا ہے ان کے حصے میں کمی رہ جائے گی۔ تو میں آپ کے سامنے چھوٹی چھوٹی مثالوں کے ذریعہ تفاصیل کے ذریعہ یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر عقل والے زبان والے، قلم والے، اثر والے، حکومت والے، دولت والے بے دین ہو جائیں گے تو سوسائٹی بے دین رہے گی اور اگر یہ دیندار بن جائیں گے تو سوسائٹی دیندار بن جائے گی۔

میں سب سے پہلے اپنے کو مثال میں لانا چاہتا ہوں۔ میں منبر پر اگر آتا ہوں اور میرے دماغ پر یہ خیال طاری رہتا ہے کہ مجھے مجلس پڑھتے وقت یہ دیکھنا ہے کہ سُننے والے مجھے کون سا ذاکری کا درجہ دیں گے، کون سا نمبر دیں گے۔ جب ذاکرین کی لسٹ لکھی جائے گی تو میں پہلے نمبر پر رہوں گا یا بیچ والے نمبر پر رہوں گا یا آخری نمبر پر ہوں گا؟ شروع سے آخر تک میرے دماغ پر یہ بھوت طاری رہے کہ مجمع راضی ہوا یا نہیں راضی ہوا؟ لوگوں نے پسند کیا یا نہیں پسند کیا؟ میں مجلس پڑھتے پڑھتے یہ دیکھتا رہوں کہ آج مجمع گھٹ گیا ہے یا بڑھ گیا ہے۔ تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ میں منبر پر آرہا ہوں مگر دُنیا کے لیے آرہا ہوں، دین کے لیے نہیں آرہا ہوں۔ تو میری زبان سے جو الفاظ نکلیں گے وہ لفظیں تو ہوں گی، مگر ان کے اندر جان نہیں ہوگی، اُن کے اندر گرمی نہیں ہوگی، اُن کے اندر انرجی نہیں ہوگی، ان کے اندر دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت و طاقت نہیں ہوگی لیکن اگر ہمارے دل کے اندر اللہ نے یہ جذبہ دے دیا، یہ توفیق عنایت فرمادی اور بغیر اس کی توفیق

کے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ہے۔ جسے بھی مل جائے اسے لاکھوں سجدے کرنا چاہیے۔ اسے انتہائی شکر کرنا چاہیے کہ پالنے والے تو نے ایسی عقل دی کہ ہم بول سکتے ہیں، ایسی زبان دی کہ ہم سُنا سکتے ہیں وہ لہجہ دیا کہ متاثر کر سکتے ہیں تو ہم کو توفیق دے کہ سُننے والے جب سُنتے ہیں تو اگر وہ تیرے راستے پر نہیں ہیں تو ہم تیرے راستے پر لے آئیں۔ اگر یہ جذبہ میں لیکر کے آؤں گا تو میری فکر یہ ہوگی کہ میرے بیان سے خدا راضی ہو رہا ہے یا نہیں؟ امامؑ راضی ہو رہے ہیں یا نہیں؟ نبیؐ راضی ہو رہے ہیں یا نہیں؟! مجھے یہ فکر نہیں ہوگی کہ مجمع راضی ہو رہا ہے یا نہیں۔ زندگی کس کی ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ شہرت کس کی ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ کسی کا نام ہمیشہ باقی رہنے والا نہیں ہے۔ اگر نام باقی رہنے والا ہے خدا کے بعد تو ان اللہ والوں کا باقی رہنے والا ہے جنھوں نے اللہ کو پہچنوایا ہے۔ یقیناً آج بھی اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آواز آتی ہے اور یقیناً آج بھی اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی آواز کے بعد اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہ کی آواز آتی ہے اور اس کے بعد وَاَوْلَادَہُ الْمَعْصُوْمِیْنَ حُجَجُ اللّٰہ کی آواز آتی ہے تو یہ اللہ کے ساتھ اللہ والوں کے نام باقی ہیں اور یہ باقی رہیں گے۔ آج بھی باقی رہیں گے اور جب ہم میدانِ محشر میں جائیں گے تو میدانِ محشر میں جانے سے پہلے جن جن مراحل سے گزریں گے وہاں جہاں خدا کا نام باقی رہے گا وہاں ہم کو یہ بھی ملیں گے۔

ہمارے سامنے ملک الموت آئیں گے یہ بتانے کے لیے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں، میں اللہ کا قاصد ہوں ___ تو ملک الموت کا آنا بتائے گا کہ اللہ ہے۔ وہیں پر علیؑ کی زیارت بتائے گی کہ اللہ والے بھی باقی ہیں۔ جب ہم قبر کے اندر جائیں گے

تو نکیرین ہم سے پوچھنے آئیں گے: بتاؤ تمھارا خدا کون ہے، تمھارا مذہب کون ہے تمھارا قرآن کون ہے، تمھارا دین کون ہے، تمھارا نبی کون ہے، تمھارا امام کون ہے، تمھارا پہلا امام کون ہے ___ معلوم ہوا زندگی موت سے بدل گئی ہے مگر یہ اللہ والے ہیں جو زندہ ہیں۔ میدانِ محشر میں جب ہم اٹھیں گے تو یہ آواز آئے گی کہ جس کے پاس وہ پروانہ ہے، جس کے پاس وہ پاسپورٹ ہے، جس کے پاسپورٹ پر وہ ویزا ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ یہ پُل صراط سے گزر سکتا ہے۔ وہ صراط کا پل جو بال سے زیادہ باریک ہے، جو تلوار سے زیادہ تیز ہے، آگ سے زیادہ گرم ہے۔ اس پر سے وہی گزر سکے گا جس کے پاس وہ پاسپورٹ ہو جس کا نام ہے ایمان، اور جس پر وہ ویزا لکھا ہو جس کا نام ہے محبّت اہلِ بیت علیہم السّلام۔

صلوات

تو وہاں بھی پتہ چلے گا کہ دُنیا بدل گئی، قیامت آگئی، میدانِ محشر آگیا، جنّت اور دوزخ سامنے آگئے مگر خدا بھی زندہ ہے، نبیؐ بھی زندہ ہیں، آلِ محمدؐ بھی زندہ ہیں ان کے علاوہ کوئی باقی رہنے والا نہیں ہے۔ اگر باقی رہنے والا ہے تو آدمی کا عمل باقی رہنے والا ہے، آدمی کا کردار باقی رہنے والا ہے، آدمی کا کیرکٹر باقی رہنے والا ہے، یہ تقویٰ باقی رہنے والا ہے۔ صلوات

آپ یقین مانیے جو بندے اس دنیا میں قرآن مجید کو کتاب خدا سمجھ کے پڑھتے ہیں وہ سنیں اس حدیث کو کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے بھی اور ائمۂ اطہار علیہم السلام نے بھی کہا ہے کہ کل میدانِ محشر میں ایک حسین و جمیل انسان کی شکل میں قرآن مجید آئے گا اور قرآن مجید آنے کے بعد شفاعت کرے گا کہ یہ مجھے پڑھا کرتے تھے، یہ مجھے سمجھا کرتے تھے، یہ مجھ سے ہدایت حاصل کیا کرتے تھے۔

میں ان کی شفاعت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اور ایک جماعت ہوگی جس کے لیے قرآن اللہ کی سپریم کورٹ میں کیس کرے گا کہ انھوں نے مجھے چھوڑ دیا تھا، انھوں نے میری باتیں نہیں مانی تھیں میں ان کے خلاف تیری کورٹ میں آج کیس کرنا چاہتا ہوں۔ جب کبھی یہ موقع آتا ہے کہ قرآن چھوڑ دینے والوں کو سزا ہوگی تو ہمارا دماغ مُڑ جاتا ہے ان کی طرف جنھوں نے علیؑ کی امامت نہیں مانی تھی۔ بے شک وہ پکڑے جائیں گے جنھوں نے قرآن کو نہیں مانا کیوں؟۔ اس لیے پکڑے جائیں گے کہ جب قرآن کہہ رہا ہے کہ تمھارا ولی اللہ ہے، اس کا رسولؐ ہے اور وہ علیؑ ولی ہے جس نے نماز پڑھتے ہوئے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دی ہے۔ تو جو نبیؐ کے بعد علیؑ کو ولی نہیں مانے گا وہ قرآن کو چھوڑنے والا ہے اور قرآن کل اُسے میدانِ محشر میں پکڑنے والا ہے کہ تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا تھا۔ قرآن ان سے کہے گا جنھوں نے نبیؐ کے بعد آلِ محمدؐ کو نہیں مانا ہے کہ ہم نے جو تم سے کہا تھا:

"اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسولؐ کی اور صاحبانِ امر کی"۔

تو تم نے رسولؐ کو مانا مگر آلِ محمدؐ معصومؑ تھے، باکمال تھے، صاحبِ اعجاز تھے اپنے کمال میں سارے انسانوں سے بہتر اور برتر تھے۔ جب تم نے ان کو نہیں مانا تو ان کو نہیں چھوڑا تم نے ہم کو چھوڑا ہے۔

تو ــــ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ ہم بڑے اطمینان کے ساتھ سوچتے ہیں کہ جنھوں نے خدا کو نہیں مانا ہے قرآن ان کو پکڑے گا، جنھوں نے نبیؐ کو نہیں مانا ہے قرآن ان کو پکڑے گا، جنھوں نے علی کو نہیں مانا ہے قرآن اُن کو پکڑے گا۔ مگر میں اپنے سننے والے مجمع کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب قرآن سو جگہ کہے گا اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ

نماز پڑھو اور ہماری زندگی بے نماز ہوگی تو قرآن کیا کل ہم سے نہیں کہے گا کہ تم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔

جب قرآن مجید کہے گا زکوٰۃ نکالو، اپنے مال کو پاک کرو اور ہم زکوٰۃ نہیں نکالیں گے تو کیا قرآن فریاد نہیں کرے گا کہ یہ ہمیں چھوڑ دینے والے ہیں۔

جب قرآن کے دسویں پارے میں پہلی آیت میں خمس کا حکم موجود ہے اور ہم اپنی سالانہ بچت میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالیں گے تو خمس کے نہ نکالنے والے کے خلاف اللہ کی سپریم کورٹ میں قرآن مجید کھڑا ہو کے دعویٰ کرے گا کہ یہ نماز کے معاملے میں مجھے چھوڑنے والا ہے، یہ روزے کے معاملے میں مجھے چھوڑنے والا ہے۔

جس نے یتیم کا حق نہیں دیا ہے اس کے مقابلے میں قرآن کہے گا۔

جس نے بیوہ کا حق نہیں دیا ہے، جس نے مسجد کا حق نہیں دیا ہے، جس نے علمِ دین کا حق نہیں دیا ہے، جس نے عزیز کا حق نہیں دیا ہے، جس نے والدین کا حق نہیں دیا ہے ـــــ یہ سب وہ ہوں گے جن کے خلاف قرآن اللہ کی سپریم کورٹ میں کیس کرے گا: پالنے والے! یہ مجھے چھوڑنے والے ہیں۔

والدین کی اہمیت کو کم نہ سمجھیے۔ قرآن مجید میں اللہ نے کہا ہے کیا کہا ہے

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور اس کے بعد کہتا ہے کہ دوسرا فیصلہ ہم نے یہ کیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ سوائے نیکی کے کوئی بُرا برتاؤ نہ کرنا۔ تو آج دولت پا کر یا نئے زمانے کی نئی بیوی پا کر اگر کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کو ٹھکرا دیتا ہے تو یہاں تو تم ٹھوکر لگا سکتے ہو لیکن جہاں ملائکہ ہتھکڑیاں بیڑیاں لیئے کھڑے ہوں گے اور شعلے دوزخ کے لپک لپک کے آواز دے رہے

ہوں گے: مالک! یہ میرا ہے، اس کو میرے حوالے کر دے، میں اس کی سزا پوری کروں گا ___ تو اس وقت ہمیں سوچنا پڑے گا۔ قرآن کہے گا پالنے والے! میں نے اسے پیغام سنایا تھا کہ تو نے اپنی عبادت کے بعد ماں باپ کے ساتھ سلوک نیک کا حکم دیا ہے اس نے مجھے یعنی قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے۔

عزیزان گرامی!

اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں ہے جو غیروں کے لیے اور اصول رکھے اپنوں کے لیے اور اصول رکھے۔ حضور سرور کائنات جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں ان سے مقابلہ کیا تھا جو کافر تھے، جو شرابی تھے، جو جواری تھے، جو بدکار تھے، جو عیّار تھے، جو ظالم تھے، جو تنگ دل تھے، جو بے رحم تھے، جو جاہل تھے اور یہ ساری برائیاں ان میں اس لیے تھیں کہ وہ کافر تھے۔ ویسے ہی مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السّلام و معصومۂ کونین فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا اور ان کے بعد تمام ائمہ معصومین علیہم السلام نے ان مسلمانوں کا ویسا ہی مقابلہ کیا جن میں شراب آگئی تھی، جن میں جوا آگیا تھا، جن میں بے نمازی ہونے کا کردار پیدا ہو گیا تھا یعنی وہ سارا کافرانہ کردار، وہ سارا جاہلانہ کردار، وہ ساری جاہلیت والی سوسائٹی جو نبیؐ کے سامنے کافروں میں پائی جاتی تھی، وہ جب مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تو کبھی علیؑ مقابلے پر آئے کبھی فاطمہؑ مقابلے پر آئیں۔ فاطمہؑ کو اپنی جائیداد نہیں چاہیئے تھی۔ وہ جس کے قبضۂ قدرت میں جنّت ہو، جس کی کنیز کے لیے جنّت سے سامان آسکتا ہو، جس کی کنیز کے لیے، اس کی شہادت و وفات کے بعد آسمان سے غذائیں نازل ہو سکتی ہوں وہ شاہزادی اس دُنیا میں اتنی مجبور نہیں تھی کہ اپنی جائیداد اور پراپرٹی کے لیے کسی گورنمنٹ کے سامنے اپنا کیس لے کر جاتی۔

فاطمہؑ کسی مسلمان کے سامنے اپنی ذاتی پرائیویٹ جائداد کے لیے نہیں گئی تھیں بلکہ مسلم کردار کو للکارنے گئی تھیں کہ اگر تم غیر کا حق چھینتے ہو تو تم ویسے ہی بُرے ہو جیسے وہ کافر بُرے تھے جو دوسروں کا مال لوٹ لیا کرتے تھے۔ اگر ایک ڈاکو بُرا ہے، ایک چور بُرا ہے، ایک قاتل بُرا ہے۔ اس لیے کہ وہ ڈاکو ہے، وہ چور ہے، وہ قاتل ہے ــــ تو جو مومن اثنا عشری شیعہ ہو کر بھی کسی کا مال دبا لے، کسی کی چیز دبا لے اس کے لیے بھی وہی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی تو فاطمہؑ ٹکرائیں گی کس سے؟ ہم بُرائی سے لڑیں گے۔ چاہے وہ کافروں میں پائی جائے چاہے وہ مسلمانوں میں پائی جائے۔

جس علیؑ نے خیبر میں، خندق میں، بدر میں، اُحد میں، حنین میں سب جگہ دشمنِ اسلام کے مقابلے میں اس لیے تلوار چلائی تھی کہ وہ اسلام مٹا دینا چاہتا تھا، اسی علیؑ نے جمل میں، صفین میں، نہروان میں ان مسلمانوں کے مقابلے میں وہی ذوالفقار چلائی جو کبھی ابولہب کے سامنے چلی تھی، جو کبھی ابو جہل کے سامنے چلی تھی، جو کبھی ابوسفیان کے سامنے چلی تھی ــــ وہی ان مسلمانوں کے سامنے چل رہی تھی جن میں ابولہبی کیریکٹر پیدا ہو گیا تھا، جن میں ابوسفیانی کردار پیدا ہو گیا تھا۔

واقعہ کربلا ہمارے سامنے کس کردار کو پیش کر رہا ہے، کس کیریکٹر کو پیش کر رہا ہے حُسینؑ آواز دے رہے ہیں: میں اپنا کسی کو نہیں مانتا ہوں، میرا اپنا فقط وہ ہے جو میرے خدا کا ہو، میرے نبیؐ کا ہو، میرے اصول کا ہو، میرے مذہب کا ہو، میرے دین کا ہو۔ وہ اپنا نہیں ہے جو مجھے اپنا کہے لیکن اس کے ساتھ میرے اصول کو نہ مانے، میرے دین کو نہ مانے، میرے خدا کو نہ مانے۔

حسینؑ، قطعاً قطعاً، ہرگز خیال نہ کرے کوئی آدمی، اس سے راضی ہو سکتے ہیں جو خدا کو ناراض کرے۔ خدا کو ناراض کرے اور حسینؑ کو راضی کرنا چاہے۔ میں نے

ہمیشہ کہا ہے اور آج بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جو بے نمازی ہیں، جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ و خمس و فطرہ نہیں نکالتے ہیں، ان کو یہ سوچا کہ ہم دس دن مجلس کر کے حسینؑ کو راضی کر لیں گے۔ ہم چھٹے امامؑ کے نام پر نیاز دے کے راضی کر لیں گے۔ یہ چڑھاوا چڑھا کے راضی کر لیں گے۔

یاد رکھنا! خدا اور رسولؐ اور امامؑ یہ وہ نہیں ہیں جو تمہاری نذروں کے محتاج ہوں جو تمہاری نیازوں کے محتاج ہوں، تمہاری مجلسوں کے محتاج ہوں۔ اگر ان کو غم کی ضرورت ہے تو ان کا غم کرنے والا سب سے پہلے وہ خدا ہے جس نے ان کی شہادت پر آفتاب کو گہن لگا کے ماتم کیا، جس نے آسمان کو سرخ کر کے ماتم کیا، جس نے آسمان سے خون برسا کے ماتم کیا، جس نے زمینِ کربلا میں زلزلے کے جھٹکے پیدا کر کے ماتم کیا، جس نے زمین سے کہا کہ خانۂ کعبہ کی زمین سے جو پتھر اٹھائے، جہاں سے پتھر اٹھائے وہاں سے تم خون اُگل کے بتانا کہ کوئی ماتم کرے یا نہ کرے، یہ کعبہ کی زمین ہے جو حسینؑ کا ماتم کر رہی ہے۔

تو حسینؑ کو میرے جیسے گنہگار، ذلیل کردار والے انسان کے آنسوؤں کی ضرورت نہیں ہے۔ ان آنسوؤں کی ضرورت ہمیں ہے کہ یہ ہمارے کردار میں گناہوں کی گندگیوں کو دھو کے اس قابل بنا دیں کہ ہم حسینؑ کے سامنے جا سکیں۔ تو کبھی بھی ہمارے ذہنوں میں یہ خیال نہیں پیدا ہونا چاہیے کہ ہماری نذریں، ہماری نیازیں، ہمارے فاتحے، ہمارے چندے، ہمارے کارِ خیر، ہمارے تھوڑے سبیل کے یا دوسرے کاموں کے یہ خرچ ہم کو اس قابل بنا دیں گے کہ آلِ محمدؐ راضی ہو جائیں گے۔

بے شک! یہ آلِ محمدؐ راضی ہوں گے مگر کب راضی ہوں گے جب گناہوں سے بچا جائے گا، جب واجبات کو ادا کیا جائے گا۔ یقیناً حسینؑ آواز دیں گے اس کو جس نے واجبات ادا کر کے، گناہوں سے بچ کے سبیل لگائی ہو گی حسینؑ کے نام پر۔

وہ میدانِ حشر میں آواز دیں گے ملائکہ! یہ میرے نام پر پیاسوں کو پانی پلایا کرتا تھا اسے میرے پاس لاؤ، میں پانی پلاؤں گا۔

حسینؑ کو پانی پلانا آتا ہے، دشمن کو پانی پلانا آتا ہے۔ حُر کے لشکر کو کیسے پانی پلایا ہے حسینؑ نے۔ دشمن کے سپاہی، دشمن کے بدحواس سپاہی کو حسینؑ نے کیسے پانی پلایا ہے۔ ہمارے آپ کے سامنے اس کا نقشہ موجود ہے۔ لیکن دشمن کے ساتھ برتاؤ کرنے والے نے میدانِ کربلا میں ان دشمنوں کے لیے کھلی ہوئی بددعا کی ہے۔ ان کے لیے کہا ہے کہ تم کو میرے قتل ہونے کے بعد ذلیل ہونا پڑے گا، رسوا ہونا پڑے گا۔ تم اگر رے، کی گورنری کے خیال میں ہو تو تم وہاں کے گیہوں نہیں چکھ سکو گے۔ تم اتنے ذلیل کیے جاؤ گے کہ تم کو زندگی میں کبھی عزّت نہیں حاصل ہوگی، اور آخرت میں تمھارے لیے ذلّت ہی ذلّت ہوگی۔

تو اِن حقائق کے پیشِ نظر مجھے آپ کی خدمت میں یہی گزارش کرنا ہے کہ ہمارے سماج کو دیندار بنانا ہے۔ اگر ہم کو، ہماری سوسائٹی کو دیندار بنانا ہے تو ذاکرین کا فریضہ ہے منبر پر آئیں اللہ کے لیے، علماء کا فریضہ ہے کہ قوم کی خدمت کریں دین کے لیے۔ مال داروں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے مال کو صرف کریں راہِ دین میں۔ کوئی اللہ پر تمھارا احسان نہیں تھا جو اس نے تم کو لکھ پتی بنایا ہے، تم کوئی بڑے آدمی نہیں تھے کہ تم کو اس نے کروڑ پتی بنا دیا ہے۔

وہ دے کے تو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ فرعون و قارون و نمرود و شدّاد کی طرح تم بھی لے کے بیٹھ جاتے ہو یا ابراہیمؑ کی طرح میری راہ میں پیش کرنا چاہتے ہو۔؟ اُس نے دولتیں دبانے کے لیے نہیں دی ہیں، حقوق چھیننے کے لیے نہیں دیئے ہیں، اس نے قلب و دماغ میں عقل کی توانائی، زبان میں بولنے کی توانائی، قلم میں لکھنے کی

توانائی اس لیے نہیں دی ہے کہ اس کے ذریعہ پیسے کمائے جائیں، اس کے ذریعہ عزّت حاصل کی جائے، اس کے ذریعہ شہرت حاصل کی جائے ـــــ وہ تو یہ دیکھ رہا ہے کہ نعمت پا کے شکر ادا کون کرتا ہے؟

اگر اللہ نے بولنے کی طاقت دی ہے تو اس کا شکریہ یہ ہے کہ بر راہِ دین میں تبلیغ کے کام آجائے۔ اگر اللہ نے عزّت دی ہے تو اس عزّت کا شکرانہ یہ ہے کہ جو ضعیف کمزور، حاجت مند مومنین ہیں ہمارا اثر ان کے کام آجائے۔ اگر اللہ نے ہمیں دولت دی ہے تو اس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ دین بھوکا نہ رہنے پائے، دین پیاسا نہ رہنے پائے ـــ اور جب دین بھوکا اور پیاسا نہ رہنے پائے تو اب دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ دیندار بھوکا اور پیاسا نہ رہنے پائے۔

میں نے دو لفظیں کہی ہیں، ان دونوں لفظوں کا فرق پہچانیے۔ کربلا میں حسینؑ کے ساتھ دیندار تھے یا نہیں تھے، مگر وہ پیاسے کیوں رہے؟ انھوں نے کہا یا دیندار پیاسا رہے یا دین پیاسا رہے۔ اگر ہم یزید کی بیعت کرلیں گے تو دین پیاسا رہے گا، دین بھوکا رہے گا۔ انھوں نے طے کیا کہ ہم حسینؑ ہو کر کے اور ہمارے ساتھی حسینی ہو کر کے، ان سے اونچی کوالٹی والے کوئی دیندار نہیں پیدا ہوں گے۔ تو جب وقت آجائے کہ دین بھوکا اور پیاسا رہے گا یا دیندار بھوکا اور پیاسا رہے گا تو دین کو بھوکا اور پیاسا نہیں رہنے دینا۔

جب تک مسجدوں کے بننے کی ضرورت ہے، جب تک مسجدوں میں پیش نمازوں کی ضرورت ہے۔ جب تک دینی تعلیم کے لیے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے دینی مدرسوں کی ضرورت ہے۔ جب تک پڑھانے والے مُدرّسین کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے جب تک ان کو اچھی تنخواہیں دے کے ان میں مُدرّس بننے کا حوصلہ پیدا کرنے کی

طاقت ہے تب تک سب سے بڑا کارِ خیر یہ ہے کہ ساری دولت، سارے واجبات سارے مالی واجبات صرف راہِ دین پر کیے جائیں تاکہ دین بھوکا نہ رہے، دین برہنہ نہ رہنے پائے، دین پیاسا نہ رہنے پائے۔ یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا۔ اور جو دین نہیں جانتا ہے اس شیعہ کو دینی تعلیم دینا۔ اس کے لیے میں آپ کو وہی فقرہ یاد دلاؤں گا جو امامؑ نے کہا تھا ــــــ

ایک مرتبہ آپ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ تم میں وہ کون ہے جو ہم آلِ محمدؐ کے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھے۔؟

اصحاب نے پوچھا: آلِ محمدؐ کے یتیم کون ہیں؟

فرمایا: ہمارا ہر وہ شیعہ ہم آلِ محمدؐ کا یتیم ہے جو ہمارے دین پر ہے اور ہمارے دین کی بات نہیں جانتا ہے اور ہم تک پوچھنے کے لیے نہیں آسکتا ہے۔ تم اسی کو تو یتیم کہتے ہو جو اپنے باپ تک نہیں جا سکتا ہے۔ تو جو اپنے امام تک نہیں آسکتا ہے وہ بھی یتیم ہے، جو باپ سے چھُٹ جائے وہ بھی یتیم ہے اپنے باپ کا، اور جو اپنے امام سے چھٹ جائے وہ ہم آلِ محمدؐ کا یتیم ہے۔

پوچھا: مولا! اگر آپ کا دین کا نہ جاننے والا ہر شیعہ یتیم ہے تو اس کے سر پر ہاتھ کیسے رکھیں؟

فرمایا: "اسے دینی تعلیم دے دو۔ یہ ہم آلِ محمدؐ کے یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھنا ہے۔"

تو میں آپ کی خدمت میں یہ مجلسیں بھی اسی لیے پیش کرتا ہوں۔ میں آپ سے دست بستہ، ہاتھوں کو جوڑ کے گزارش کرتا ہوں کہ اپنے بچے کی دینی تعلیم کا انتظام کیجیے اپنی لڑکی کی دینی تعلیم کا انتظام کیجیے۔ اپنے گھروں کے ایسے سارے ڈیکوریشن کو توڑ کر

پھینک دیجیے جس سے بے دینی پیدا ہوتی ہے۔ جیسے علیؑ اور نبیؐ نے سارے بتوں کو توڑ کے خانۂ کعبہ کو پاک کیا تھا۔ آپ اپنے دل و دماغ میں وہ ساری آرزوئیں توڑ ڈالیے۔ میرا پہلا فریضہ ہے کہ میں ایسی ساری آرزوئیں توڑ ڈالوں جو ہم کو بے دین بناتی ہیں، تاکہ ہم دیندار بنیں، اور جب دیندار بنیں تو یقین مانیے اگر ہم نے دینداری میں حصّہ لیا، ایک کتاب چھپوائی، ایک کتاب خرید کر کسی کو پڑھوائی، اپنے ہی بچّے کو مدرسہ میں پڑھنے کے لیے بھیجا تو یہ آلِ محمدؐ کے یتیم کے سر پر ہاتھ رکھ رہے ہیں۔

دینی تعلیم کی اہمیت اگر اب بھی کسی نے محسوس نہیں کی ہے تو میں آخری لفظ کہنا چاہتا ہوں۔ آؤ آؤ سننے والو! نگاہیں بند کرو، عالم تصوّر میں ڈوب جاؤ۔ میں تمہارے سامنے منظر پیش کرتا ہوں ــــــ

وہ طمانچے کھاتی ہوئی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ سکینہ آرہی ہے۔ اس مجمع میں ہے کوئی میری ایسی بیٹی، ہے کوئی میری ایسی بہن، ہے کوئی میرا ایسا بھائی۔ کوئی ہے میرا ایسا نوجوان، جو حسینؑ کی اس یتیم بچّی کے سر پر ہاتھ نہ رکھے گا کہا: ہاتھ رکھنا کیسا؟ ہم کہیں گے شہزادی! تم ہمارے کلیجوں پر قدم رکھتی ہوئی جاؤ۔ اس لیے کہ کل ظالموں نے تم کو طمانچے مارے تھے ــ تو بس، نبیؐ کے جانشین امامؑ نے کہا کہ تم ایک بچّے کو مذہبی تعلیم نہیں دلاتے ہو، تم ایک بچّی کو مذہبی تعلیم نہیں دلاتے ہو۔ تم ایک جوان کو دین دار نہیں بناتے ہو، تم ایک مدرسہ کی مدد نہیں کرتے ہو ــــ بلکہ گویا تم نے سکینہؑ کے سر پر ہاتھ رکھا، گویا تم نے رقیہؑ کے آنسو پونچھ ڈالے۔

اور میں پھر یہ جملہ بھی کہنے کی ہمّت رکھتا ہوں کہ اگر کسی نے دینی تعلیم کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالی تو اس کا شمار بھی انھیں میں ہوگا، ان ہاتھوں میں ہوگا جنھوں نے کل یتیمانِ آلِ محمدؐ کو طمانچے مارے تھے۔ تو اگر دینی تعلیم کا انتظام کرنا یتیمانِ آلِ محمدؐ

کے سر پر ہاتھ رکھنا ہے تو دینی تعلیم میں رکاوٹ ڈالنا ویسا ہی گرا ہوا کیریکٹر ہے۔ جیسا کیریکٹر ان ظالموں نے پیش کیا تھا جو خیموں کو جلانے کے بعد باہر نکلتے ہوئے بچّوں کو طمانچے مار رہے تھے۔

بس! میرا کوئی لفظ بُرا لگ گیا ہو تو معاف کر دینا۔ میں نے اپنی اور آپ کی بھلائی کے لیے یہ باتیں کہی ہیں، کسی کے دل کو دُکھانے کے لیے باتیں نہیں کہی ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں ـــــ میں یہ چاہتا ہوں کہ خیالات کو ٹھیس پہنچے تاکہ ہماری غفلت سے بند آنکھیں کھلیں، ہماری قوم میں بیداری پیدا ہو ـــ ہمارا نوجوان جاگے، ہماری بیٹیاں جاگیں، ہماری بہنیں جاگیں، ہمارے بھائی جاگیں، ہمارے ذاکر جاگیں، ہمارے علماء جاگیں، ہماری سنستھائیں جاگیں، ہماری سوسائیٹیز جاگیں۔

کیوں جاگیں؟ اس لیے کہ آج تک حسین علیہ السلام جاگ رہے ہیں، زینبؑ جاگ رہی ہیں۔ آج تک ربابؑ جاگ رہی ہیں، آج تک سید سجّادؑ جاگ رہے ہیں! کیوں جاگ رہے ہیں؟ جب تک زمانے میں بے دینی برقرار رہے گی یہ آرام سے سو نہیں سکیں گے۔ اگر ان کے جاگنے میں آپ کو کچھ شک بھی ہو رہا ہے تو چلو میں پردۂ غیبت کے پیچھے اس امامؑ کو دکھا سکتا ہوں جو آج جاگ رہا ہے، اس لیے جاگ رہا ہے کہ اتنی بڑی دُنیا اور بے دین ہے، اتنی بڑی اس کے شیعوں کی تعداد اور وہ بے دین ہے۔

تو میرے پاس اب کچھ نہیں باقی ہے، سوائے اس کے کہ میں اپنے کہے ہوئے الفاظ کو دُہراؤں کہ علیؑ کے زخمی سر کا واسطہ، فاطمہؑ کی ٹوٹی ہوئی پسلی کا واسطہ، جناب محسنؑ کی ننھی سی لاش کا واسطہ، امام حسنؑ کے جگر کے ان بہتّر ٹکڑوں کا واسطہ جو زہر پینے سے طشت میں آ گئے تھے۔ حسینؑ کے سوکھے ہوئے ان ہونٹوں کا واسطہ جن کو

کبھی کبھی نبیؐ چوما کرتے تھے ، عباسؑ کے ان شانوں کا واسطہ جن کو کبھی علیؑ چوما کرتے تھے ، زینبؑ کے ان بازوؤں کا واسطہ جن کو کبھی باپ بوسہ دیا کرتا تھا ، سکینہؑ کے اس ننھے سے دل کا واسطہ جو کبھی باپ کے سینے پر لیٹ کر ، باپ کے دل کی دھڑکن سے دل کی دھڑکن مل جایا کرتی تھی ، ان سب کا واسطہ ! دیندار بنو ، دیندار بناؤ ۔ بے دینی مٹاؤ اور بے دینوں کو مٹاؤ تاکہ کربلا والوں کے زخموں پر مرہم لگ جائے ۔ کربلا والے قیدیوں کے غموں میں ٹھنڈک پیدا ہو جائے ۔

یقیناً رونے والا جب روتا ہے تو فاطمہؑ دامن پھیلا کے دعا دیتی ہیں : —

" پالنے والے ! یہ میرے اس بچے پر رو رہا ہے جس پر بیٹا موجود تھا لیکن رو نہ سکا ، بیٹی موجود تھی مگر رو نہ سکی ، بیوی موجود تھی مگر رو نہ سکی ، بہن موجود تھی مگر رو نہ سکی ۔ "

مگر جس دین پر حسینؑ نے قربانی دی ہے اگر وہ دین روتا رہے گا تو ہمارے رونے کے باوجود فاطمہؑ روتی رہیں گی ۔

ارے وہ ، جو باپ کے مرنے کے بعد رات دن روئی ہے اور اتنا روئی ہے کہ مدینے والے آ کے کہتے تھے کہ فاطمہؑ سے کہو کہ اب مت روؤ ۔ یا دن میں روئیں یا رات میں روئیں ۔ اے میرے شیعو ! اے میرے نوجوانو ! اے میری بہنو ! اگر اس فاطمہؑ کو پھر رُلانا ہے تو بے دین سوسائٹی باقی رکھو ۔ اگر فاطمہؑ کے آنسو پونچھوانا ہیں تو دیندار بنو ، اور دیندار بناؤ ۔

سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

مجلس

(۴)

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانْ

صلوات

کوئی آدمی بھی تنہا اور اکیلی زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے۔ اس زندگی میں جہاں روٹی کپڑے اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے وہاں ضرورت ہوتی ہے کچھ عزیزوں کی، کچھ دوستوں کی۔ عزیزوں اور دوستوں سے مل کر سوسائٹی بنتی ہے۔ سوسائٹی کیسی ہونا چاہیے؟ اس کے لیے اللہ ہماری رہبری فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ تمھاری اس سوسائٹی کی بنیاد نیکی اور تقویٰ ہونا چاہیئے اور تمھاری سوسائٹی ایسی ہرگز نہیں ہونا چاہیئے جس میں اللہ کی نافرمانی اور گناہوں میں دوسروں کا ساتھ دیا جائے۔

میں نے رفتہ رفتہ آپ کے سامنے جو بہت سی باتیں بیان کی ہیں ان کا چھوٹا سا خلاصہ یہ ہے کہ سوسائٹی سے ٹکرانا مشکل ہوتا ہے لیکن محنت اور کوشش کر کے

سوسائٹی کو بدل لینا ممکن ہوتا ہے۔ تو اگر ہماری سوسائٹی بے دین رہے گی تو ہمارا دیندار رہنا مشکل رہے گا، لہٰذا ہماری یہ کوشش ہونا چاہیئے کہ ہماری سوسائٹی دیندار بن جائے اور سوسائٹی کو دیندار بنانے کے لیے کل میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے یہ بات بیان کی تھی کہ جب تک نوجوان دیندار نہیں بنے گا سوسائٹی دیندار نہیں بنے گی۔

کل کی تقریر میں میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوجوانوں کو نوجوانی کی بنا پر، بچوں کو بچپنے کی بنا پر، لڑکوں کو لڑکپن کی بنا پر جو چھوٹ دی جاتی ہے جو کنسیشن دیا جاتا ہے، جو رعایت دی جاتی ہے یہ مضر ہے، غلط ہے، تباہ کن ہے۔ اس کے بجائے بچپنے ہی سے بچے کو یہ بتانا چاہیئے کہ اللہ ہے، اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہمیں ساری چیزیں دے رہا ہے اور ہم کو پلٹ کر اسی کے سامنے جانا ہے۔ اگر بچے کے دماغ میں بچپنے سے ہی یہ بات بٹھا دی جائے کہ دوزخ جہاں آگ ہی آگ ہے اگر ہم اللہ کا کہنا نہیں مانیں گے تو دوزخ میں جانا پڑے گا۔ اور اگر ہم اللہ کا کہنا مانیں گے تو جنت میں جائیں گے جہاں نعمت ہی نعمت ہے۔

تو اس ذہن کے ساتھ جو بچہ بڑا ہوگا وہ نوجوان اور جوان ہوتے ہوئے دیندار ہوگا۔ آج مجھے آپ کے سامنے یہ کہنا ہے کہ سوسائٹی اور سماج کو دیندار بنانے کیلئے یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ہماری قوم کی عورتیں دیندار ہوں، دین کی پابندی سے دلچسپی رکھتی ہوں۔ محرم کے دس دن یا چالیسویں تک کے چالیس دن۔ یا رمضان کا ایک مہینہ یہ محدود دینداری ہے، اس سے نہ ذہن دیندار بنتا ہے، نہ کردار دیندار بنتا ہے نہ قوم دیندار بنتی ہے۔

تو کل میں نے اپنی تقریر میں نوجوانوں کے لیے سب کچھ کہا تھا، آج کی تقریر میں مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ عورتوں سے متعلق ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں، دہرانے کی

ضرورت نہیں ہے کہ زندگی کا پہلا ساتھ عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ بچہ پیدا ہو کے ماں کی گود میں پلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ماں کے خیالات دیندار ہیں تو اس کے اثرات بچے میں بھی آئیں گے اور اگر ماں آزاد خیال ہے، اسے دین کی پروا نہیں ہے تو بچہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ زندگی اور آگے بڑھتی ہے تو اگر آپ گھروں کا جائزہ لیں، ایک گھر میں دو بھائی ہوں اور ایک بہن ہو تو آپ میری اس بات کی تائید اور تصدیق کریں گے کہ بھائی کے لیے بھائی بھی موجود ہے اور بھائی کے لیے بہن بھی موجود ہے مگر زندگی کے تجربات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بھائی بھائی سے اتنا مانوس نہیں ہوتا ہے جتنا بہن سے مانوس ہوتا ہے اور یہ کیوں ہوتا ہے؟ وہ بھی آپ زندگی کے نمونوں میں دیکھیں۔ دو بھائیوں کو ساتھ بٹھایئے کھانا کھلانے کے لیے تو دونوں میں یہ مقابلہ ہوتا ہے کہ ان کا حصہ زیادہ ہے ہمارا کم ہے۔ اور ایک بہن کو بھائی کے ساتھ بٹھایئے تو بہن کا مزاج ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ خوشی کے ساتھ اپنا حصہ بھائی کو دینے پر تیار ہو جاتی ہے۔

تو اگر ہماری زندگی میں یہ نمونے نظر آتے ہیں اور ہم نے زندگیاں پڑھنے کی کوشش کی ہے تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ بچہ پہلے ماں سے مانوس ہوگا اور پھر بہن سے مانوس ہوگا۔ یہاں پر مجھے ایک بات اور کہنا ہے کہ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اسے کم سے کم ہمارے ہندستان کے سماج میں گود میں لے کر اٹھانا پڑتا ہے ــــــ ہمارے سماج میں بچہ گود میں پلتا ہے۔ یہاں بھی اس فرق کو آپ محسوس کریں کہ بھائی، بھائی کو، گود میں لے کر کھلانے پر، ٹہلنے پر کھلانے پلانے پر تیار نہیں ہوتا۔ لیکن ماں جب تک مصروف رہتی ہے تو یہ سارے کام بڑی خوشی کے ساتھ بہن کرتی ہے۔ تو جب بھائی کے مقابلے میں بہن زیادہ قریب رہے گی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ماں کے بھی اثرات پڑیں گے اور بہن کے اثرات بھی پڑیں گے۔

میں اپنے بیان کو آہستہ آہستہ بڑھا رہا ہوں ان مقامات کو پہنچوانے کے لیے جہاں سے میں اپنے سننے والوں کو یہ محسوس کرا سکوں کہ انسان کے قلب و دماغ پر عورت کہاں کہاں کتنی گہری چھاپ ڈالتی ہے اور کتنے گہرے اثرات ڈالتی ہے۔ تو ماں نے ماں ہو کر اثر ڈالا اور بہن نے بہن ہو کے اثر ڈالا۔ اس کے بعد تو مرحلہ بہت صاف ہے۔ اب میں بیان کو اس منزل پر لانا چاہتا ہوں جس میں ایک جملہ کہنا کافی ہوگا کہ ماں اور بہن کے بعد انسان کی زندگی میں جس عورت کا ساتھ ہوتا ہے وہ بیوی کہلاتی ہے اور کم سے کم آج کے زمانے میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ بیوی کتنا اثر ڈالتی ہے، اس کے لیے میں ہمیشہ ایک بات کہتا ہوں جس کے آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آج کا شوہر بیوی کی بات اس حد تک مانتا ہے کہ خدا کی بات نہیں مانے گا نبیؐ اور امامؑ کی بات نہیں مانے گا، ماں باپ کی بات نہیں مانے گا، مگر کیا مجال ہے کہ بیوی کی بات نہ مانے! بلکہ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ جب بیوی سے نکاح ہوتا ہے تو نکاح ہوتے ہی ماں باپ کو طلاق ہو جاتی ہے۔

زندگی کے نمونے ہمارے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ جب تک شادی نہیں ہوئی تھی تب تک اپنا باپ، اپنا باپ۔ اپنی ماں، اپنی ماں ہے اور جس دن سے شادی ہو گئی اپنے ماں باپ سکنڈ ہینڈ ہو جاتے ہیں، پرانا مال ہے۔ اب جو یہ نئے ماں باپ ملے ہیں بیوی کی اماں، بیوی کے ابّا، یہ نئے ڈیڈی ہوتے ہیں، یہ نئی ممّی ہوتی ہیں۔ اور اب زندگی ادھر ہی گھومتی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بچّے پر عورت ماں بن کر اثر ڈالتی ہے، بھائی پر عورت بہن ہو کر اثر ڈالتی ہے، شوہر پر بیوی بن کر اثر ڈالتی ہے۔ تو اگر عورت بے دین ہوگی، آزاد خیال ہوگی، فیشن کی شوقین ہوگی، آرزوؤں کی پجاری ہوگی، خواہشوں کی پرستار ہوگی تو ماں ہو کے بھی بچے کو ویسے ہی

بنائے گی، بہن ہو کے بھی بھائی کو ویسے ہی بنائے گی اور شوہر کو بھی ویسے ہی بنائے گی ___ تو میں نے آپ کے سامنے یہ چھوٹے چھوٹے، ہلکے ہلکے نمونے آہستہ آہستہ اس لیے پیش کیے ہیں کہ میں اپنے سننے والوں کو محسوس کرا سکوں کہ سوسائٹی میں عورتوں کا کتنا حصّہ ہے۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ حصّہ ختم ہو گیا ہے۔ عورت کے ابھی بہت سے روپ باقی ہیں۔ عورت خالہ بھی ہوتی ہے، عورت پھوپھی بھی ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ خالہ اثر نہیں ڈالتی ہے۔ ہماری اُردو میں ایک محاورہ مشہور ہے "ماں مرے موسی جیے" ___ یعنی اگر کسی چھوٹے بچّے کی ماں مر جائے اور اس کی خالہ زندہ ہے تو اس بچّے کو تکلیف نہیں ہونے پائے گی۔ معلوم ہوا خالہ کو اپنی بہن کی اولاد سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔ زندگی میں عورت کے اور رخ بھی ہیں وہ جہاں خالہ ہوتی ہے وہیں پھوپھی بھی ہوتی ہے، وہیں وہ دادی اور نانی بھی ہوتی ہے ___ تو میں بیان کے اس حصّہ کو زیادہ طول دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اتنے مقامات کے تذکرے کے بعد آپ پورے طور پر اس بات کی طرف متوجہ ہو گئے ہوں گے کہ سماج میں جگہ جگہ وہ جگہیں ہیں جہاں سے عورت سوسائٹی کو متاثر کرتی ہے۔ اب اگر یہ عورت دین سے متاثر ہو جائے گی تو سوسائٹی کو دیندار بنانے میں بڑی مدد ملے گی۔ اور اگر یہ عورت بے دین ہو جائے گی تو سوسائٹی کو دیندار بنانے میں لوہے کے چنے چبانے پڑیں گے۔

میں آپ کی خدمت میں اب بیان کو اس مرحلہ میں لانا چاہتا ہوں کہ عورت کو دیندار کیسے بنایا جائے؟ اس لیے کہ میں نے یہ تو آپ کی خدمت میں گزارش کر دی کہ عورت سماج اور سوسائٹی کو کتنا متاثر کرتی ہے۔ پرانے زمانے میں کم سے کم ہمارے بچپنے تک بچے جب نہیں سوتے تھے تو گھر کی بوڑھی عورتیں انھیں لے کر سُلاتی تھیں۔

اس لیے کہ بوڑھی عورتیں گھر کے کام نہیں کر سکتیں ۔ بیٹی ہے اسے کام کرنا ہے، بہو ہے تو اسے کام کرنا ہے۔ لڑکی ہے تو اسے کام کرنا ہے۔ تو اب بچے کو سلانے کے لیے نانی آگے بڑھ گئی، دادی آگے بڑھ گئی، بوڑھی عورتیں آگے بڑھ گئیں۔ تو ہمارے بچپنے تک دستور یہ تھا کہ بوڑھی عورتیں بچوں کو سلانے کے لیے دینی کہانیاں سناتی تھیں۔ بچے سونے سے پہلے خود بخود نانی اور دادی یا گھر کی بوڑھی عورت کے پاس جمع ہوتے تھے کہ ہمیں وہ کہانی سنائیے۔ بی بی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) والی کہانی سنائیے۔ بی بی فاطمہؑ والی وہ کہانی نہیں جو اب چھپ کر رائج ہوگئی ہے جو دس پیسے کی شکر پر سنی جاتی ہے اور منت مانی جاتی ہے۔ یہ کہانی تو لوگوں نے لکھ لی ہے اس کا کہیں کوئی وجود نہیں ہے۔ مگر وہ بوڑھی عورتیں کیا سناتی تھیں کہ مثلاً بیوی کے گھر میں سب روزہ تھے اور یوں مانگنے والا آیا اور سب نے روٹیاں دے دیں۔ وہ کہانیاں یوں سناتی تھیں کہ شہزادی کسی شادی میں جاتی ہیں اور وہاں آپ کی دعا سے مر جانے والی دلہن زندہ ہو جاتی ہے۔ تو اس قسم کی کہانیاں بوڑھی عورتیں سناتی تھیں اور بچے یہی کہانی سن کر سوتے تھے۔

ایک بات مجھے یہاں کہنا ہے کہ ہماری، آپ کی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ دن میں، خاص طور سے سوتے وقت جو خیالات دماغ میں ہوتے ہیں، خواب بھی ویسے ہی نظر آتے ہیں۔ یہ بات میں نے کہنا اس لیے ضروری سمجھی کہ بمبئی میں خوابوں کا بھی زور بہت رہتا ہے۔ چلتے چلتے چوراہے پر، کار زبردستی ہم روک لیے جاتے ہیں ــــ

"مولوی صاحب! میرے کو ایک خواب آیا ہے تعبیر بتاتے جاؤ"۔

تو سوال یہ ہے کہ میرے کو تو خواب آیا نہیں، تعبیر کیا بتاؤں ــــ تو ۹۹ فیصدی بلکہ ۹۹ پوائنٹ ۹۹ جو ہم خواب دیکھتے ہیں یہ جو دن میں ہمارے دل و دماغ میں چھپے ہوئے

خیالات ہوتے ہیں وہی رات کو ہمارے خواب میں نظر آتے ہیں۔

میں نے اس سلسلے میں کئی مرتبہ کہا ہے مگر پھر بھی جب تک بیماری باقی رہے، تب تک کہنے کی ضرورت ہے کہ بہت سوں کو یہ خواب نظر آجاتا ہے کہ ہم نے فلاں امام کو دیکھا، ہم نے فلاں شہزادے کو دیکھا، ہم نے فلاں بزرگ کو دیکھا ___ تو میں ان سے یہ کہا کرتا ہوں کہ آپ یہ نہ کہیے کہ آپ نے دیکھا ہے۔ اس لیے کہ "امام کو ہم نے خواب میں دیکھا" یہ وہ کہہ سکتا ہے جس نے امامؑ کو دیکھا ہو، تاکہ خواب میں دیکھے تو پہچان سکے کہ یہ امامؑ ہیں اور جب ہم نے امامؑ کو کبھی دیکھا ہی نہیں ہے تو جسے ہم نے دیکھا ہے اسے امام سمجھ بیٹھیں، یہ کیسے؟ بڑی بڑی روحانیت والے آجاتے ہیں۔ میرے خواب میں امامؑ آیا کرتے ہیں اور یہ خوابوں کا چکر جب چلتا ہے تو روحانیت یوں بھی پیدا ہونے لگتی ہے کہ آپ کے لیے میں خواب دیکھ لیا کرتا ہوں، میرے لیے آپ خواب دیکھ لیا کرتے ہیں ___ آپ کے خواب میں میں اللہ کا ولی بن جاتا ہوں، میرے خواب میں آپ اللہ کے ولی بن جاتے ہیں ___ یہ فقط دھوکے کی باتیں ہیں، اس میں کچھ نہیں رکھا ہے اور کسی مولوی صاحب کے پاس خواب کی تعبیر کا کوئی علم نہیں ہے۔ اگر آپ کو خواب کی تعبیر کے سلسلے میں کوئی لٹریچر بھی ملتا ہو تو وہ بھی کوئی یقینی لٹریچر نہیں ہے۔ لہٰذا خواب کی تعبیر کے چکّر میں پڑیئے ہی نہیں۔

اچھّا، ہم بھی خواب دیکھتے ہیں اور کبھی کبھی بہت خوفناک اور ڈراؤنا خواب بھی دیکھتے ہیں۔ تو میں جب کوئی ڈراؤنا خواب دیکھتا ہوں اور آنکھ کھلتی ہے تو ذہن میں دو ہی باتیں آتی ہیں۔ یہ خواب یا سچّا ہے یا یہ خواب جھوٹا ہے۔ تیسری شکل تو نہیں ہوگی۔ تو اگر جھوٹا ہے تو فکرمندی کی کوئی بات ہی نہیں ہے اور اگر سچّا ہے تو ہم سچّائی کے ساتھ جاگ کر اپنے کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حفاظت میں دے دیں۔ مولیٰ! والی آپ ہیں،